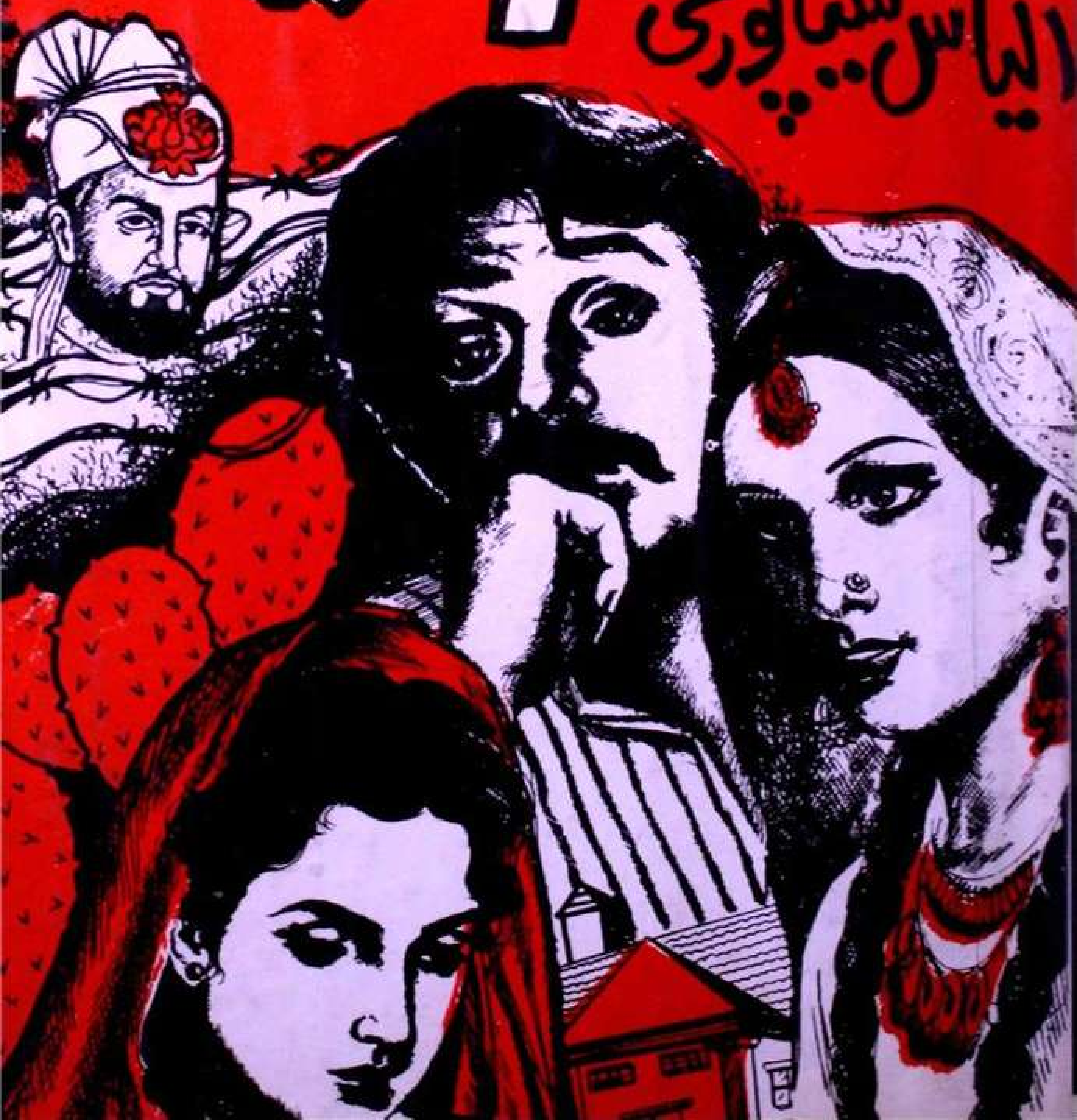
محکوم خلیفہ

الیاس سیتاپوری




محکوم خلیفہ
الیاس سیتاپوری

نام کتاب : مجرم خلیفہ
مصنف : الیاس سیتاپوری
قیمت : ۳۵/- روپے
سن اشاعت : ۱۹۹۰ء
مطبوعہ : کلر پرنٹنگ پریس دہلی۔
ناشر : کتاب والا ۲۷۹۴، پہاڑی بھوجلہ دہلی

بھاتیجے ختم ہو چکی تھی۔ سلطان طغرل کے دل و دماغ پر مایوسیوں نے پڑاؤ ڈال رکھا تھا۔ وہ اپنے لشکر کی طرف واپس جاتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ آخر ان کامرانیوں سے حاصل کیا ہوگا جو خراسان سے آرمینیا، جبال، آذربائیجان، موصل، ہمدان اور بغداد کو اس کے حق میں مسخر کر کے اب باری باری یہ ساری چیزیں اس سے واپس لی جا رہی تھیں۔ کیا اب اسے ایک بار پھر ترک قبائل کے قدیم مساکن میں لوٹ جانا ہوگا۔ اس کی کامیابیاں شعلۂ مستعجل نظر آ رہی تھیں جو چند لمحوں کے لیے اپنی چمک دمک سے پورے ماحول کو روشن کر کے ہمیشہ کے لیے معدوم ہو جاتا ہے۔ کیا اس کی قسمت میں اتنی عارضی اور وقتی فتوحات رقم کی گئی تھیں ــــ اسے ابراہیم اینال کا پلڑا بھاری نظر آ رہا تھا۔

ابراہیم اینال کی بے وفائی نے بھتیجوں کی وفاداریوں مشتبہ کر دی تھیں۔ قاوردت، یاقوتی اور الپ ارسلان بھی ابراہیم اینال کی طرح انسان تھے اور انسان کسی وقت بھی اپنی وفاداریاں بدل سکتا ہے۔

اسے ابونصر بھی قابلِ اعتبار نظر نہیں آتا تھا۔ وہ خوب جانتا تھا کہ اس کا یہ معرکہ ایک آزمائش ہے۔ اگر وہ یہ جنگ جیت جائے گا تو مستقبل اس کا ہوگا اور اگر ہار جائے گا تو اس کا اپنا سایہ بھی اپنا نہ ہوگا۔

اس نے اپنے بھتیجوں کو آزمانے کے لیے جنگ چھڑنے سے پہلے اپنے خیمے میں طلب کیا۔ جب قاوردت اور یاقوتی اس کے خیمے میں داخل ہو رہے تھے تو ان دونوں کو یہ نہیں معلوم تھا کہ آج ان کا چچا طغرل انھیں خاص نظروں سے پرکھ رہا ہے۔ وہ دونوں کی چال میں اعتماد اور بے اعتمادی کو تلاش کر رہا تھا۔ وہ یہ دیکھ رہا تھا کہ ان دونوں کو اس جنگ میں کامیابی نظر آ رہی ہے یا ناکامی؟ وہ اس جنگ میں طوعاً و کرہاً حصہ لے رہے ہیں یا خوش دلی اور خود اعتمادی سے۔

اس نے اپنے بھتیجوں کی چال میں اعتماد کی جھلک دیکھ لی تھی۔ اس نے اس موقع پر ابونصر کو نہیں بلایا تھا۔

قاوردت اپنے چچا کے روبرو مؤدب کھڑا ہو گیا لیکن یاقوتی نے ادب کا مظاہرہ نہیں کیا۔ وہ بہت جلدی میں نظر آ رہا تھا۔ اس نے نہایت بے تکلفی سے کہا: ”عمِ محترم! میں نہیں جانتا کہ اس وقت ہمیں کیوں بلایا گیا ہے مگر میں یہ جانتا ہوں کہ یہ وقت باتوں کا نہیں ہے۔“

قاوردت نے اپنے بھائی کو ادب کی تلقین کی: ”یاقوتی! یہ تو کس طرح کی باتیں کر رہا ہے؟“

یاقوتی نے جواب دیا: ”ابراہیم اینال ہمارا انتظار نہیں کرے گا۔ میں چاہتا ہوں اس کا قصہ جلد از جلد پاک کر دیا جائے!“

قاوردت نے کہا: ”یہی تو ہم سب چاہتے ہیں۔ اپنے چچا کی بھی سن لو، شاید کوئی مفید مطلب کی بات مل جائے؟“

طغرل نے دونوں کی باتوں سے اندازہ لگا لیا کہ وہ اس کے لیے مخلص اور وفادار ہیں۔ دونوں سے کہا: ”اب تم دونوں جا سکتے ہو، باقی باتیں فتح کے بعد ہوں گی۔“

دونوں کے چلے جانے کے بعد طغرل نے اپنے چہرے پر بے دلی اور مایوسی طاری کر لی اور اسی حالت میں ابونصر کے پاس خود گیا۔ ابونصر نے خود کو فوج کے قلب میں رکھا تھا۔ وہ سپاہیوں میں جوش و خروش پیدا کرنے والی باتیں کر رہا تھا۔ اس نے سلطان کو دیکھا تک نہیں ... جن سپاہیوں نے سلطان کو دیکھ لیا تھا وہ غیر معمولی مستعد اور چاق و چوبند ہو گئے تھے۔

ابونصر سپاہیوں کو سمجھا رہا تھا: ”وہ دن یاد کرو جب تم دشتِ خزخیز اور دشتِ اتراک میں بے سر و سامانی کی زندگی گزار رہے تھے۔ تمہارا ذریعۂ معاش لوٹ مار تھا۔ پھر سلطان طغرل نے تم کو متحد کر لیا اور تمھیں متمدن شہروں میں لے آیا۔ تم کو عزت اور شہرت بخشی اور اب تم شاندار حال اور عظیم الشان مستقبل کے حامل ہو۔ تمہاری غیر معمولی کامیابیوں نے ابراہیم اینال کو خوش فہمی میں مبتلا کر دیا اور وہ یہ بھول گیا کہ آج وہ جو کچھ ہے سلطان طغرل کے طفیل ہے۔ آج تم سب ابراہیم اینال کی خوش فہمی اور سرکشی کو خاک میں ملا دو اور یہ طے کر لو کہ تمھیں انھی متمدن شہروں میں رہنا بسنا ہے۔ اب تم دشتِ خزخیز اور دشتِ اتراک واپس نہیں جاؤ گے۔ تم مر جاؤ مگر اپنی نسلوں کا مستقبل محفوظ کر جاؤ!“

سلطان نے ابونصر کی باتیں سنیں اور بے حد خوش ہوا، مگر چہرے پر مایوسی اور بے دلی کے اثرات طاری رکھے۔

ایک سپاہی نے ابونصر کو سرگوشی میں بتایا: ”آپ کے پیچھے سلطان کھڑے ہیں!“

اس نے گھبرا کر مڑ کر جو دیکھا تو پیچھے ہٹ گیا اور سلطان سے درخواست کی کہ آگے تشریف لائیں۔

سلطان نے اس سے کہا: ”میں نے تیری ولولہ انگیز باتیں سنیں، اب ذرا میری باتیں بھی سن لے!“

سلطان طغرل نے ابونصر کے شانے پر بے تکلفی سے ہاتھ رکھ کر الگ لے جاتے ہوئے پوچھا: ”تیرا کیا خیال ہے؟ کیا ہم یہ جنگ جیت لیں گے؟“

ابونصر کچھ پریشان ہو گیا: ”یہ آج آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟“

سلطان نے کہا: ”ابونصر! میرے پاس پوری فوج بھی نہیں ہے اور جو فوج ہے وہ کم بھی ہے اور حوصلہ ہاری ہوئی بھی۔ اور ہمارے برعکس ابراہیم اینال کے پاس زیادہ اور چاق

مند فوج ہے۔ میرا خیال ہے ہم اس کو شکست نہیں دے سکیں گے ؟"

ابونصر بہت پریشان تھا۔ "یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟"

سلطان نے کہا۔ "میں نے قاورت اور یاقوتی سے کہہ دیا ہے کہ اگر وہ خود کو کمزور محسوس کریں تو ابراہیم اینال کے پاس چلے جائیں۔"

ابونصر نے پوچھا۔ "اور ان دونوں نے کیا جواب دیا؟"

سلطان نے جواب دیا۔ "وہ دونوں متذبذب نظر آ رہے تھے شاید وہ دونوں میرا ساتھ چھوڑ دیں!"

ابونصر نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ "وہ ایسا نہیں کر سکتے۔ میں ان دونوں کو سمجھاؤں گا۔"

سلطان نے اس کو منع کیا۔ "سمجھانے سے حاصل؟ جب مقدر برگشتہ ہو تو سایہ بھی انسان سے جدا ہو جاتا ہے۔"

ابونصر نے پوچھا۔ "گستاخی معاف، کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کو یہ بات کس نے بتائی کہ آپ کا مقدر برگشتہ ہے؟"

سلطان نے جواب دیا۔ "ابراہیم اینال کی بے وفائی نے۔ امیر المومنین کی گرفتاری اور بساسیری کے عروج نے۔"

ابونصر نے کہا۔ "لیکن میں آپ سے اتفاق نہیں کروں گا۔"

سلطان نے کہا۔ "تو مجھ سے اتفاق نہیں کرتا تو نہ کر۔ اس سے حقائق نہیں بدل جائیں گے۔"

ابونصر سوچ میں پڑ گیا کہ ان حالات میں اس کو کیا کرنا چاہیے۔ وہ تو فوج میں حوصلہ پیدا کر رہا تھا اور سلطان اس کی حوصلہ شکنی کر رہا ہے۔

سلطان نے کہا۔ "اس وقت میں تجھ کو یہ مشورہ دینے آیا ہوں کہ اگر دوسری طرف سے تجھ کو اچھی پیش کش ملے تو تجھ کو وہ فوراً قبول کر لینا چاہیے۔"

ابونصر نے جواب دیا۔ "آپ ہمت نہ ہاریں۔ یہ جنگ ہے۔ میرا جینا مرنا آپ سے وابستہ ہے۔ میں ابراہیم اینال کی ملازمت کا تصور تک نہیں کر سکتا۔"

سلطان نے مشورہ دیا۔ "تو جو کچھ کہہ رہا ہے اس پر خوب غور کر کے کوئی فیصلہ کر۔"

ابونصر نے جواب دیا۔ "اس پر سنجیدہ انداز میں غور کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

سلطان طغرل نے ابونصر کا سیدھا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور پُرجوش مصافحے کے بعد اس کو تین بار جھٹکا دیا۔ "اگر یہ بات ہے تو خوب۔ آ میرے ساتھ میری فوج کے قلب میں رہ اور اس وقت تک مصروف پیکار رہ جب تک ابراہیم اینال اور اس کے بھائیوں کو شکست نہ ہو جائے۔ میں ان تینوں کو پابہ زنجیر اپنے روبرو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

ابونصر نے بھی بڑی گرمجوشی دکھائی اور مصافحے کے بعد سلطان کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ "کوئی دشوار بات نہیں۔ اللہ نے چاہا تو تینوں شام تک زنجیروں میں جکڑے ہوئے آپ کے قدموں میں پڑے ہوں گے۔"

دوسری طرف سے ابراہیم اینال قلب میں رہا اور اس کے دونوں بھائی احمد اور محمود میمنہ اور میسرہ میں چلے گئے۔

ابراہیم اینال اپنی فوج سے کہہ رہا تھا۔ "آگے بڑھو اور آج کی جنگ جیت کر رے میں داخل ہو جاؤ۔ اس کے بعد مشرق اور مغرب اور شمال اور جنوب ہمارا ہے۔ ہم بغداد میں بیٹھ کر ہر طرف حکومت کریں گے۔ بساسیری مصر چلا جائے گا۔"

دونوں طرف سے طبل جنگ ایک ساتھ بجا دیے گئے۔ سلطان نے اپنے میسرہ کو ابراہیم اینال کے میمنہ کی طرف بڑھا دیا۔ پہلے دونوں نے ایک دوسرے پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ ان تیروں کو دونوں طرف کی فوجیں اپنی ڈھالوں پر روک رہی تھیں لیکن جو خود کو نہیں بچا سکے وہ زخمی ہو کر گر گئے اور پھر اپنے ہی ساتھیوں کے پاؤں تلے روندے گئے۔ چیخ پکار اور آہ و بکا سے پورا میدان گونج رہا تھا اور دونوں طرف سے تجربہ کار فوجی سردار یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے کہ کون کمزور پڑ رہا ہے اور کس کو کمک پہنچانے کی ضرورت ہے، کس کا تعاقب کیا جائے اور کس پر شدید ضرب لگائی جائے۔

ابراہیم اینال نے کوشش کی کہ وہ سلطان کے قلب کو چیرتا ہوا سلطان تک پہنچ جائے لیکن سلطان کے جاں نثاروں نے اس کو قریب نہیں آنے دیا۔

جب دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب پہنچ گئے تو تلواریں نیام سے باہر آ گئیں اور دست بدست جنگ ہونے لگی۔

یاقوتی سلطان کے اشارے پر ابراہیم اینال کے میسرہ سے بھڑ گیا۔ یہ میسرہ محمود کی سرکردگی میں تھا۔

محمود نے چیخ کر یاقوتی کو پیش کش کی۔ "یاقوتی! تو یہ جنگ نہیں جیت سکتا اس لیے اپنے میسرہ کے ساتھ میری طرف چلا آ۔ میں تجھ کو پناہ بھی دوں گا اور جن پر تو حکومت کر رہا ہے انھیں تیری تحویل میں رہنے دیا جائے گا۔"

یاقوتی نے جواب دیا۔ "میں تجھ سے موت لوں گا اور موت ہی دوں گا۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔"

قاورت میسرہ پر تھا اور وہاں دوسری طرف سے احمد لا رہا تھا۔

ابونصر کو اس بات کا افسوس تھا کہ سلطان نے اپنے قلب کو ابھی تک اپنے قابو میں رکھا تھا۔ اس کی فوج پیش قدمی

نہیں کر رہی تھی وہ صرف ان سپاہیوں کو روک رہی تھی جو سلطان کے قلب پر حملہ آور ہو رہے تھے۔

ابونصر نے سلطان سے درخواست کی کہ اپنے قلب کو پیش قدمی کی اجازت دی جائے۔

سلطان نے جواب دیا "ابھی نہیں، مجھ کو کسی بات کا انتظار ہے۔"

ابونصر نے عرض کی "حضور والا! جنگ زور پکڑتی جا رہی ہے۔ اگر ہم صرف مدافعت کرتے رہے تو اس سے دشمن کے حوصلے بلند اور اپنے پست ہو جائیں گے۔"

سلطان کی نظریں ابراہیم اینال کے عقب میں تھیں۔ وہ سب کچھ بڑے انہماک سے دیکھ رہا تھا۔

کچھ دیر بعد اس نے دو سپاہی قاورت اور یاقوتی کے پاس اس ہدایت کے ساتھ بھیجے کہ کچھ بھی ہو اپنے میمنہ اور میسرہ کو پیچھے نہ ہٹنے دینا کیوں کہ فی الحال اس جنگ کا انحصار تم دونوں پر ہے۔

ابراہیم اینال کا حملہ اتنا شدید تھا کہ سلطان کی سپاہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئی۔

ابراہیم اینال کی نظریں سلطان پر تھیں کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ اگر اس ایک آدمی کو مار دیا جائے تو یہ جنگ ختم ہو جائے گی۔ وہ اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا سلطان کی فوج میں داخل ہو گیا اس نے اپنے سامنے کی صفیں درہم برہم کر کے رکھ دیں۔ لیکن سلطان اس کے داخل ہونے سے پہلے ہی اپنی جگہ چھوڑ کر کہیں اور چلا گیا تھا۔

ابراہیم اینال نے آواز دی "طغرل! کہاں ہو؟ سامنے آؤ تاکہ زیادہ جانیں نہ جائیں اور جنگ کا فیصلہ جلدی ہو جائے۔"

طغرل کے سپاہیوں نے اس کو گھیرنا چاہا لیکن وہ ان کے بس کا نہیں تھا۔ جتنی تیزی سے آیا تھا اسی تیزی سے واپس چلا گیا۔

ابونصر حیران تھا کہ سلطان آخر چاہتا کیا ہے؟ اور اس کو کس چیز کا انتظار ہے؟

تقریباً دو ساعتوں کے بعد سلطان نے ابراہیم اینال کی فوج کے عقب سے گرد و غبار کے کالے بادل اٹھتے دیکھے گو گرد و غبار تو ان دونوں فوجوں کا بھی کافی تھا لیکن یہ عقب کا گرد و غبار اس سے مختلف اور ذرا فاصلے پر تھا۔ سلطان نے اپنی فوج کو حکم دیا۔ "اب پیش قدمی کا وقت آ گیا ہے آگے بڑھو اور دشمن کو خاک و خون میں نہلا دو۔"

اور اس حکم کے ساتھ ہی سلطان خود بھی ابراہیم اینال کے قلب میں داخل ہو گیا۔

تیروں کی سنسناہٹ اور تلواروں کی شپاشپ میں ڈھالوں پر لگنے والی ضربات کا شور بھی کچھ کم نہیں تھا۔ سلطان کا یہ حملہ اتنا اچانک اور شدید تھا کہ ابراہیم اینال اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا کہ شاید سلطان کی فوج سے کسی کی کمک آ کر مل گئی ہے۔ دونوں فوجیں اس طرح گتھم گتھا ہو گئیں کہ ابراہیم اینال اور سلطان ایک دوسرے کے مقابل جانے کا خیال ہی اپنے دل سے نکال بیٹھے۔

سلطان نے اپنی فوج کو ہدایت کی کہ ابراہیم اینال کو قتل نہیں گرفتار کیا جائے۔

یہی حکم قاورت اور یاقوتی کو بھیجا گیا کہ محمود اور احمد کو قتل نہ کیا جائے انھیں زندہ گرفتار کیا جائے۔

دوسری طرف ابراہیم اینال نے بھی اپنے قلب کی سپاہ کو حکم دیا "سلطان طغرل زندہ درکار ہے اس کو قتل نہ کیا جائے۔" اور اس کے ساتھ اس نے انعام کا اعلان بھی کر دیا "جو سپاہی طغرل کو قتل کرے گا اس کو انعام و اکرام سے نوازا جائے گا۔"

یہ عجیب متضاد اعلان تھا۔ زندہ گرفتاری کی ہدایت اور قتل پر انعام و اکرام کا وعدہ۔

ابونصر نے کہا "شاید اس کا دماغی توازن درست نہیں۔"

پھر اچانک ابراہیم اینال کی سپاہ کا رخ اپنی پشت کی طرف ہو گیا، وہ کسی اور سے مصروف پیکار ہو چکے تھے۔ لیکن وہ کسی کسی لمحے مڑ کر سلطانی سپاہ سے بھی الجھ رہے تھے۔ ایک سپاہی ابراہیم اینال کی نقل و حرکت پر نظر رکھے ہوئے تھا۔

ابونصر کی جستجو تھی کہ ابراہیم اینال کی پشت پر کیا ہو رہا ہے؟

سلطان طغرل اپنے چھ سو سواروں کے ساتھ ابراہیم اینال کی طرف بڑھا۔ ابراہیم اینال کے محافظ ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ ابراہیم اینال نے ان کو روکنا چاہا مگر وہ نہیں رکے۔

ابراہیم اینال کا میمنہ اور میسرہ بھی اسی مصیبت میں گرفتار تھے۔ ان دونوں کی سپاہ بھی ادھر ادھر بھاگ رہی تھی۔ یہ دونوں فوجیں بھی اپنے سامنے اور پشت سے یکساں مار کھا رہی تھیں۔ یہاں بھی قاورت اور یاقوتی محمود اور احمد کو نظروں میں رکھے ہوئے تھے۔

دفعتاً ایک گھڑسوار ابراہیم اینال کی طرف بڑھا۔ وہ ابراہیم کی پشت سے گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا اور ایک کمند ابراہیم اینال کی طرف اچھالی جو اس کی گردن میں پھنس گئی اور ابراہیم اینال اپنے گھوڑے سے گر کر گھسٹتا ہوا سلطان طغرل کے گھوڑے

تک چلا گیا۔

یہ گھڑ سوار گھوڑے سے کود کر سلطان طغرل کی طرف بڑھا۔ سلطان طغرل بھی گھوڑے سے نیچے آ گیا اور اس نوجوان گھڑ سوار کو سینے سے لگا لیا۔ "الپ ارسلان! یہ آج کی فتح تیرے نام لکھی جائے گی۔"

شہزادہ الپ ارسلان کی نظریں خاک و خون میں لتھڑے ہوئے ابراہیم اینال کی طرف تھیں جو زخمی تو تھا مگر مجبور یا اپاہج نہیں ہوا تھا۔ الپ ارسلان نے اس کے دونوں ہاتھ پشت پر باندھ دیے۔ ابراہیم اینال نے اسے ایسا کرنے سے منع کیا۔ "بھتیجے الپ ارسلان! میں تیرا چچا ہوں تو یہ کر رہا ہے؟"

الپ ارسلان نے محسوس کیا کہ سلطان کے قلب میں انتشار پیدا ہو رہا ہے۔ اسی وقت ابو نصر بھی ان کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے سلطان سے بڑی بدحواسی میں کہا۔ "یہ آپ گھوڑے سے نیچے کیوں آ گئے؟ ہماری فوج اس شک و شبہے میں پڑ گئی ہے کہ آپ خدانخواستہ اس معرکے میں جامِ شہادت نوش کر چکے ہیں۔"

طغرل نے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر قلب کی سپاہ میں اپنا گھوڑا دوڑانے بھگانے لگا۔

الپ ارسلان کو اپنے سامنے اور ابراہیم اینال کو گرفتار دیکھ کر ابو نصر پھولا نہ سمایا۔ شہزادے سے پوچھا۔ "آپ کدھر سے آ گئے؟"

شہزادے نے جواب دیا۔ "یہ باتیں تو بعد میں بھی ہو جائیں گی۔ آپ ابراہیم اینال کو خیمے میں لے جائیں۔"

ابو نصر ابراہیم اینال کو پیدل چلا کے اپنے خیمے میں لے گیا۔ اس وقت ابراہیم ابو نصر کو رحم طلب نظروں سے دیکھ رہا تھا اور ابو نصر بڑبڑا رہا تھا۔ "بدنصیب انسان! تم نے اپنی دنیا بھی برباد کی اور آخرت بھی تباہ کر ڈالی۔"

ابراہیم اینال نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ "تو ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ہائے کاش میں نے تیرا کہا مان لیا ہوتا!"

ابو نصر نے اس کی کمان کے بارے میں پوچھا۔ "تیری وہ کمان کہاں ہے جس کی تانت سے تو مجھے پھانسی دینے والا تھا؟"

ابراہیم اینال نے جواب دیا۔ "وہ میدانِ جنگ ہی میں کہیں گر گئی۔"

ابو نصر نے اس کو قالین پر بٹھا دیا تھا۔ چوں کہ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے تھے اس لیے اس کو تکلیف ہو رہی تھی۔ اس کی پیشانی لہولہان تھی اور کپڑوں پر خون کے دھبے تھے۔ دونوں کہنیاں چھل گئی تھیں اور ان سے خون رس رہا تھا۔

ابراہیم اینال نے رحم کی درخواست کی۔ "اے ابو نصر! اگر میرے دونوں ہاتھ کھول دو تو میں ذرا آرام سے بیٹھ سکوں گا؟"

ابو نصر نے جواب دیا۔ "تو نے ہم سب کو آرام سے نہیں بیٹھنے دیا تو ہم تجھ کو آرام سے کیوں بیٹھنے دیں گے؟"

ابراہیم اینال اوندھے منہ زمین پر گر گیا۔ اس سے بیٹھا نہیں جا رہا تھا۔

ابو نصر خیمے سے باہر بیٹھ گیا۔ وہ ابراہیم اینال سے باتیں نہیں کرنا چاہتا تھا۔

کچھ دیر بعد اس نے کچھ سپاہیوں کو اپنے خیموں کی طرف آتے دیکھا اور زیادہ تر کو تعاقب میں جاتے دیکھا۔ اب جنگ ختم ہو چکی تھی۔

سپاہی اس کو سلام کر رہے تھے۔ ابو نصر نے ایک سپاہی سے پوچھا۔ "جنگ ختم ہو گئی؟"

اس نے جواب دیا۔ "ہاں جنگ ختم ہو گئی۔ کیوں؟ کیا آپ کو نہیں معلوم؟"

ابو نصر نے کہا۔ "معلوم ہے لیکن سلطان اور شہزادے کہاں ہیں؟"

سپاہی نے جواب دیا۔ "سلطان ہمدان پر قبضہ کرنے تشریف لے گئے۔ یاقوتی اور قاورت، محمود اور احمد کو پکڑ کے لا رہے ہیں اور شہزادہ ارسلان، شاید وہ بھی سلطان ہی کے ساتھ گئے۔"

لیکن سپاہی نے غلط کہا تھا کیوں کہ شہزادہ الپ ارسلان ذرا دیر بعد ہی اس کے خیمے میں داخل ہو گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے ابو نصر بھی اندر آ گیا۔

الپ ارسلان نے کہا۔ "وہ سب پکڑے گئے۔ ایک بھی نہیں بچا۔"

ابو نصر نے پوچھا۔ "وہ کون؟"

الپ ارسلان نے جواب دیا۔ "وہ سب ابراہیم اینال کے بھائی محمود اور احمد، وہ سب پکڑے گئے۔"

خیمے میں ابراہیم اینال کو اوندھے منہ پڑا دیکھا تو الپ ارسلان کو ہنسی آ گئی۔ "عراق و خراسان کی حکمرانی کا خواب دیکھنے والا آج سربسجود کیوں ہے؟"

ابراہیم اینال نے کراہتے ہوئے جواب دیا۔ "بھتیجے! میں تیرا بزرگ ہوں، میرا مذاق نہ اڑا۔"

الپ ارسلان نے کہا۔ "رشتوں کی بات وہ کرتے ہیں جن کو رشتوں کا خیال ہو۔"

ابراہیم اینال نے جواب دیا۔ "میں نے اپنے بھائی طغرل کے ساتھ زیادتی کی ہے، وہی مجھ سے جواب طلب کر سکتا ہے تو تو کیوں بولتا ہے؟"

ابو نصر نے الپ ارسلان کو اشارے سے منع کیا کہ وہ خاموش رہے۔

الپ ارسلان خاموش ہو گیا اور کچھ دیر بعد وہ خیمے سے نکل کر مابعد جنگ کا جائزہ لینے لگا۔

ابراہیم اینال نے خیمے کو الپ ارسلان سے خالی دیکھ کر ابو نصر سے درخواست کی۔ "ابو نصر! تو تو ترک نہیں ہے ترک ظالم ہوتے ہیں۔ میرے دونوں ہاتھ تو کھول دے، میں بڑی تکلیف میں ہوں۔"

ابو نصر نے معذرت کر لی۔ "افسوس کہ میں بددیانتی نہیں کر سکتا۔ اللہ تیری مشکل آسان کرے۔"

ابراہیم نے انعام کی پیش کش کی۔ "تو مجھ پر رحم کر میں تجھ کو مالا مال کر دوں گا۔"

ابو نصر کو ہنسی آ گئی، پوچھا۔ "وہ کس طرح؟ یہاں اس وقت تیرے پاس کیا ہے؟"

ابراہیم نے جواب دیا۔ "سر دست صرف وعدہ، ویسے اگر تو مجھ پر بھروسا کرے تو میرے ساتھ چل، میں تجھ کو مالا مال کر دوں گا۔"

ابو نصر نے اس کی پیش کش پر کوئی توجہ نہیں دی اور باہر جاتے ہوئے کہا۔ "اب تو کچھ دیر آرام کر لے۔ اللہ نے چاہا تو... سلطان کے واپس آتے ہی تیری مشکل آسان ہو جائے گی۔"

باہر سلطان کے سپاہی مال غنیمت ڈھونڈنے میں مشغول تھے۔ ابراہیم اینال کے خیمے تک اکھاڑ لیے گئے۔

ابو نصر نے سلطان کو دور ہی سے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ لیا۔ وہ چند ترکوں کے بیچ میں تھا۔ اس کے گھوڑے کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی، بلکہ یہ دلکی تھی۔

ابو نصر سلطان کے استقبال کو آگے بڑھا۔ راستے میں کسی طرف سے الپ ارسلان بھی نمودار ہو گیا۔ سلطان شہزادے کو دیکھتے ہی اپنے گھوڑے سے نیچے آ گیا، شہزادے نے بھی یہی کیا۔ دونوں چچا بھتیجے بغل گیر ہو گئے۔

سلطان نے اس کی پیٹھ تھپتھپائی۔ "ہمیں یہ فتح تیرے طفیل حاصل ہوئی ہے۔"

الپ ارسلان نے انکساری اختیار کی۔ "یہ آپ کی ذرہ نوازی ہے ورنہ من آنم کہ من دانم۔ میں کیا ہوں خوب جانتا ہوں۔"

سلطان نے کہا۔ "الپ ارسلان! میرے بھتیجے! بہر حال، کوئی کہے یا نہ کہے لیکن میں یہی کہوں گا کہ میں نے یہ جنگ تیرے طفیل جیتی ہے!"

الپ ارسلان نے عرض کیا۔ "عم محترم! آپ اس ذکر کو چھوڑیں اور یہ سوچیں کہ اب ہمیں کیا کرنا ہے۔"

سلطان نے اپنی طرف آتے ہوئے ابو نصر کے بارے میں اظہار خیال کیا۔ "یہ آدمی بھی ہمیں خوب ملا ہے، عقلمند اور وفادار۔ میں نے اسے ہر طرح آزما کر دیکھ لیا۔"

الپ ارسلان نے بھی تائید کی۔ "ہاں اچھا آدمی ہے۔"

سلطان نے الپ ارسلان کو مشورہ دیا۔ "ابو نصر کو ہمارے خاندان میں زندگی بھر رہنا چاہیے۔ یہ شخص ہماری آبرو ہے۔"

الپ ارسلان نے جواب دیا۔ "آپ کا ارشاد بجا اور اپنی جگہ، میرا خواجہ حسن بھی اس سے کسی طور کم نہیں ہے، وہ بھی خوب آدمی ہے۔"

سلطان نے آہستہ سے کہا۔ "ہو سکتا ہے وہ بھی بہت لائق ہو لیکن وہ کسی طرح اس جیسا نہیں ہو سکتا۔"

اب ابو نصر ان کے قریب پہنچ چکا تھا اس نے سلطان کے ہاتھ سے گھوڑے کی لگام لے لی۔ سلطان نے پوچھا۔ "ہاں، ابو نصر! وہ ابراہیم اینال کس حال میں ہے؟"

ابو نصر نے جواب دیا۔ "جس کو اس کی تقدیر نے چھوڑ دیا ہو اس کا حال کیا بیان کیا جائے۔"

سلطان نے دوسرا سوال الپ ارسلان سے کیا۔ "اور وہ دونوں، محمود اور احمد کہاں ہیں؟"

الپ ارسلان نے جواب دیا۔ "بھائی یاقوتی کی قید میں۔"

خیمے کے سامنے پہنچ کر گھوڑا تو ایک سائیس کے سپرد کر دیا گیا اور سلطان، الپ ارسلان اور ابو نصر کے ساتھ خیمے میں داخل ہو گیا۔

ابراہیم اینال کی سلطان طغرل پر جیسے ہی نظر پڑی، اس نے ابو نصر کی شکایت کر دی۔ "بھائی طغرل! آپ مجھے دیکھ رہے ہیں کچھ بھی سہی آخر میں آپ کا بھائی ہوں، ایک ماں کی اولاد! ابو نصر نے میرے دونوں ہاتھ میری پشت پر باندھ دیے ہیں!"

سلطان طغرل نے ابو نصر کو حکم دیا۔ "اس کے دونوں ہاتھ کھول دیے جائیں۔"

الپ ارسلان نے پریشان ہو کر کچھ کہنا چاہا لیکن کہہ نہ سکا۔ ابو نصر نے اس کے دونوں ہاتھ کھول دیے۔ اس کو اندیشہ تھا کہ کہیں سلطان اس کو اس بار بھی معاف نہ کر دے!

ابراہیم اینال نے آزاد ہوتے ہی ابو نصر کی طرف حقارت سے تھوک دیا۔ "یہ کام تو پہلے بھی کر سکتا تھا۔"

سلطان طغرل نے اس کو جھڑک دیا۔ "ان بے ہودہ حرکتوں سے باز آ جا اور چپ چاپ بیٹھ جا۔"

ابراہیم اینال جہاں کھڑا تھا وہیں بیٹھ گیا۔

سلطان نے الپ ارسلان سے کہا۔ "الپ ارسلان! بطورت اور یاقوتی کو بھی یہیں بلوائے اور یاقوتی سے بھی کہلوائے کہ وہ محمود

اور احمد کو بھی یہیں لے آئیں۔"

الپ ارسلان باہر چلا گیا۔ اب سلطان ابراہیم اینال سے مخاطب ہوا "او بدبخت انسان، کیا تو ابو النصر کو نہیں جانتا کہ یہ میرا کون ہے؟"

ابراہیم اینال نے جواب دیا "اس کو مجھ سے زیادہ کون جانے گا۔ یہ آپ کا وزیر ہے۔"

سلطان نے پوچھا "اور تو میرا کون ہے؟"

اس نے جواب دیا "میں آپ کا بھائی ہوں۔"

سلطان نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا "تو میرا بھائی تو ضرور ہے لیکن بن یامین کی طرح نہیں یہودا کی طرح۔"

ابراہیم اینال نے اپنے دونوں بھائیوں کا گلہ کیا "میں نے یہ جو کچھ کیا، اپنے دونوں بھائیوں محمود اور احمد کے ورغلانے پر کیا۔ اگر ان دونوں کو ہلاک کر دیا جائے تو میں ان کی نحوست سے نجات پا جاؤں گا۔"

ابو النصر کو اس پر غصہ آ رہا تھا لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ سلطان نے ابراہیم اینال کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے۔

سلطان نے ابو النصر کو حکم دیا کہ وہ ابراہیم کے پاس بیٹھا رہے اور ابراہیم کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہ کی جائے۔

وہ باہر چلا گیا۔ ابراہیم اینال کو ابو النصر پر ہنسی آ رہی تھی۔ کہنے لگا "تو نے اپنی زندگی کا ایک سنہرا موقع ضائع کر دیا۔ کچھ دیر پہلے اگر تو میری بات مان لیتا تو تو مالا مال ہو چکا ہوتا لیکن سچ ہے کہ جب کوئی چیز کسی کی قسمت ہی میں نہ ہو تو وہ اسے کس طرح مل سکتی ہے۔"

ابو النصر نے بڑے تحمل سے جواب دیا "میں سلطان کا خدمت گار ہوں، میں جس حال میں ہوں خوش ہوں اور میں سلطان سے بددیانتی نہیں کر سکتا۔"

ابراہیم اینال نے کہا "اب تو میرے شر سے کس طرح بچے گا۔ میں پھر بحال ہو جاؤں گا اور کبھی نہ کبھی تجھ کو یہ بتاؤں گا کہ دو بھائیوں کے جھگڑے میں کسی غیر کا دخل در اندازی کیسا ہوتا ہے اور اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔"

ابو النصر نے جواب دیا "یہ ساری باتیں فضول ہیں۔ تجھ کو کیا معلوم کہ تیرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔"

ابراہیم نے بڑے اعتماد سے کہا "سلطان طغرل میرا بھائی ہے اور وہ یہودہ کی طرح برادر کش نہیں ہے۔"

ابو النصر اس سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن ابراہیم اینال باتیں کیے جا رہا تھا۔ آخر ابو النصر نے کہا "مجھ کو کچھ دیر خاموش رہنے دے۔ میں تجھ سے بات نہیں کرنا چاہتا۔"

ابراہیم منہ پھیر کر بیٹھ گیا "میں خود تجھ سے بات نہیں کرنا چاہتا ہوں۔"

ابو النصر اپنی بے عزتی محسوس نہیں کر رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر اس بار بھی ابراہیم کو چھوڑ دیا گیا تو اس کا یہ مطلب ہو گا کہ سلطان طغرل زیادہ عقلمند نہیں ہے اور حکمرانی اور جہانبانی اس کے بس کی بات نہیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس کو اب کس دربار کا رخ کرنا چاہیے۔"

خیمے کے باہر کئی لوگ باتیں کر رہے تھے۔ ان کی آوازیں اندر سنائی دے رہی تھیں اور ان آوازوں میں سلطان کی آواز بھی شامل تھی جو نمایاں اور تحکمانہ تھی۔ وہ کسی کو حکم دے رہا تھا "دونوں دار قریب قریب رکھی جائیں۔"

اور دوسرے ہی لمحے سلطان، یاقوتی، قاورت، شہزادہ الپ ارسلان دو نوں قیدیوں کے ساتھ اندر داخل ہو گئے۔ دونوں قیدی محمود اور احمد تھے اور ان کی زنجیریں دو الگ الگ تنومند سپاہی پکڑے ہوئے تھے۔ سلطان کے ہاتھ میں ایک کمان تھی۔

سلطان نے اپنے بھتیجوں سے پوچھا "سلیمان کہاں ہے؟ وہ کہیں نظر نہیں آ رہا۔"

یاقوتی نے جواب دیا "اس کو ان چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اپنے خیمے میں ہو گا۔"

سلطان نے حکم دیا "اس کو بھی اسی خیمے میں بلوالو۔ یہاں یہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کو دیکھنا چاہیے۔ اس کو سمجھنا اور

سوچ کملا

☆ ایک قبر پر کتبہ لگا تھا "یہاں میری بیوی چین سے سو رہی ہے اور اب میں بھی گھر میں چین کی نیند سوتا ہوں۔"

☆ ایک صاحب نے اپنے دوست کو بتایا "محبت میں میری حالت دو بار تباہ ہوئی۔ پہلی محبوبہ نے مجھے ٹھکرا دیا اور دوسری محبوبہ نے مجھ سے شادی کر لی۔"

☆ کلاسیکی سنگیت کی محفل میں ایک عورت نے اکتا کر اپنے شوہر سے کہا "آخر آپ دوسرے شوہروں کی طرح کیوں نہیں بن جاتے جو اپنی بیوی کو اپنے ساتھ کبھی کہیں نہیں لے جاتے۔"

سیکھنا چاہیے۔"

یاقوتی نے باہر نکل کر ایک سپاہی شہزادہ سلیمان کے پاس روانہ کر دیا۔

اب سلطان دونوں بھائیوں سے مخاطب ہوا: "بھائیو! یہ کیا بات ہے کہ میں خود تم دونوں کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچا رہا اور تم دونوں خواہ مخواہ بلا وجہ میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔ آخر تم دونوں چاہتے کیا ہو؟"

محمود نے جواب دیا: "ہم کیا چاہیں گے۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ بھائی ابراہیم اینال کو ان کا حق دے دیا جائے۔"

سلطان نے پوچھا: "ابراہیم کا کیا حق بنتا ہے جو اس کو دے دیا جائے تو امن بحال ہو جائے گا؟"

محمود نے جواب دیا: "تیری آدھی حکومت پر تو ابراہیم اینال کا حق بنتا ہے۔ وہ یہاں تیرے ساتھ برابر کا حکمران ہو۔"

سلطان نے احمد سے پوچھا: "اور اس سلسلے میں تو کیا کہتا ہے؟"

احمد نے جواب دیا: "وہی جو بھائی محمود نے کہا ہے۔ بھائی ابراہیم کو ان کا حق دے دیا جائے تو امن بحال ہو جائے گا۔"

اب سلطان نے ابراہیم کی طرف دیکھا۔

ابراہیم اینال نظریں جھکائے بیٹھا تھا۔ سلطان نے تحکمانہ لہجے میں کہا: "ابراہیم! تو نے اپنے بھائیوں کی باتیں سنیں۔ اب تو وہی کہہ جو ان کی عدم موجودگی میں کہہ رہا تھا۔"

ابراہیم اینال یہ سمجھا کہ شاید سلطان اس طرح دونوں بھائیوں کو خطا کا اقرار کرا کے ابراہیم کو معاف کر دینا چاہتا ہے۔ اس نے دونوں بھائیوں سے نظریں تو نہیں ملائیں لیکن اس سے زیادہ کہہ ڈالا جس کی اس سے امید کی جا رہی تھی۔

دونوں بھائیوں نے ابراہیم اینال کی باتیں تعجب اور افسوس سے سنیں اور پوچھا: "یہ تو کہہ رہا ہے ابراہیم اینال تو... تو!"

ابراہیم اینال نے جواب دیا: "ہاں یہ میں کہہ رہا ہوں کہ تم دونوں نے مجھے اشتعال دلایا کہ میں اپنے بھائی طغرل کے خلاف صف آرا ہو گیا۔"

محمود نے سلطان سے کہا: "افسوس کہ ہم نے کس کمزور شخص کا ساتھ دیا۔"

احمد نے بھی افسوس کیا: "بھائی ابراہیم اینال! یہ آپ نے کیا کہہ دیا؟"

ابراہیم اینال نے جواب دیا: "میں نے وہی کہا جو سچ تھا۔"

شہزادہ سلیمان بھی اندر داخل ہوا اور وہ سیدھا سلطان طغرل کے پاس چلا گیا۔ اس کی یہ جسارت حاضرین کو گراں گزری۔

الپ ارسلان نے سلطان سے شکایت کی: "سلیمان کو ایک اتالیق کی اشد ضرورت ہے تاکہ یہ نشست و برخاست کے آداب سیکھ سکے۔"

شہزادہ سلیمان نے الپ ارسلان کو جھڑک دیا: "تم سب کو اور بطور خاص الپ ارسلان کو میری یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ میں اس حکومت کا ولی عہد ہوں اور جانشین بھی۔ گویا اس وقت تم سب کے سامنے دو بادشاہ موجود ہیں۔ اس لیے دونوں بادشاہ ایک ہی جگہ بیٹھ جائیں تو کوئی حیرت کی بات نہیں۔"

ابونصر کو شہزادہ سلیمان سے ہمدردی تھی۔ اس نے شہزادے کی تائید کی: "میرا خیال ہے شہزادہ سلیمان جو کچھ کہہ رہا ہے اس میں حق بجانب ہے۔"

یاقوتی، قاورت اور الپ ارسلان ناخوش نظر آ رہے تھے۔ وہ اپنے بھائی اور ابونصر سے متفق نہیں تھے۔

سلطان نے اس ناخوشگوار ماحول کو خوشگوار بنانے کی کوشش کی: "یہ درست ہے کہ شہزادہ سلیمان کی یہاں موجودگی اشد ضروری تھی۔ یہ آ گیا، بہت اچھا ہوا۔ یہ الگ بات ہے کہ سلیمان کو یہ نہیں معلوم کہ اس کو اپنے بھائیوں سے کس طرح پیش آنا چاہیے۔"

ابراہیم اینال اور اس کے دونوں بھائی طغرل اور اس کے بھتیجوں کی نااتفاقی سے خوش تھے۔

سلطان نے سلیمان کو بطور خاص مخاطب کیا: "ہاں تو سلیمان! یہاں جو کچھ ہو رہا ہے اس پر توجہ دے اور انہماک سے دیکھ اور سن۔"

سلیمان نے برا سا منہ بنایا اور سر ترچھا کر کے رعونت سے بیٹھ گیا۔

سلطان نے ابراہیم سے پوچھا: "ہاں تو تو کیا کہہ رہا تھا؟"

ابراہیم اینال نے جواب دیا: "یہی کہ مجھے میرے ان دونوں بھائیوں نے اس حال کو پہنچا دیا۔"

محمود بگڑ کر کھڑا ہو گیا: "اور تمہیں اس حال کو کس نے پہنچایا ہے؟"

ابراہیم نے جواب دیا: "تم دونوں کی اپنی سوچ اور کج فہمی نے۔"

احمد نے اس کا بھانڈا پھوڑ دیا: "بساسیری سے سازش کس نے کی تھی؟ فاطمی خلافت کی تائید کسے حاصل تھی؟"

سلطان نے محمود اور احمد کے مقدمے کا فیصلہ سنا دیا: "تم دونوں مجرم ہو اور ابراہیم کو اس حال تک پہنچانے کے محرک تم دونوں ہو۔ اس لیے اس بار تم دونوں کو معاف نہیں کروں گا۔ تم دونوں کے لیے باہر تختۂ دار موجود ہیں۔" پھر الپ ارسلان سے کہا

"ان دونوں کو باہر لے جا اور دار پر چڑھا دے۔"

دونوں بھائیوں نے شور کیا "یہ کیسا انصاف ہے کہ اصل مجرم تو محفوظ ہے اور طفیلیوں کو سزائے موت دے دی!"

الپ ارسلان ابراہیم کو بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ اس نے ابراہیم کی طرف دیکھ کر سلطان کی طرف دیکھا "تب پھر جاؤں میں؟"

سلطان نے جواب دیا "ہاں جا۔ میں نے جو حکم دیا ہے اس کی تعمیل کر۔"

ابونصر نے دبی زبان میں عرض کیا "اور یہ ابراہیم؟ اس کا کیا ہوگا؟"

سلطان نے جواب دیا "مجھے اپنے معاملات میں کسی کی دخل اندازی پسند نہیں۔"

الپ ارسلان نے باہر سے چار سپاہی بلوائے۔ ان چاروں نے دونوں کو ان کے شانوں سے پکڑ کر باہر لے جاتے ہوئے دھکوں سے بھی کام لیا۔

سلطان خود بھی کھڑا ہو گیا اور حاضرین سے کہا "آؤ یہ تماشا ہم بھی دیکھیں۔"

یاقوتی، قاورت، ابونصر اور شہزادہ سلیمان کے ساتھ ابراہیم اینال بھی کھڑا ہو گیا۔ وہ خوش تھا کہا "چلو خس کم جہاں پاک۔ دونوں اپنے کیفر کردار کو پہنچے۔"

اس بار غیر متوقع طور پر شہزادہ سلیمان نے اسے ڈانٹ دیا "تو تو خاموش رہ۔ کیوں کہ ان سارے فتنوں کی جڑ تو ہے۔"

ابراہیم نے قہر آلود نظروں سے سلیمان کو گھورا "تو گویا مینڈکی کو بھی زکام ہو گیا۔"

سلیمان نے طیش میں کہا "تو چچا ہے اس لیے معاف کرتا ہوں ورنہ میں دو چار طمانچے ضرور رسید کرتا۔"

سلطان نے سلیمان کو آنکھ دکھائی "ایسی بات مت کر۔"

ابراہیم خوش ہو گیا "ہم بھائیوں میں اختلاف کا سبب یہ بھتیجے ہیں ورنہ ہم دونوں کے دل صاف ہیں۔"

چاروں سپاہی محمود اور احمد کو دھکیلتے ہوئے تختۂ دار تک لے گئے۔ الپ ارسلان ان کے ساتھ ساتھ تھا۔

اس تماشے کو دیکھنے کے لیے چاروں طرف سے ترک سپاہیوں کا ہجوم اکٹھا ہو گیا۔

تختۂ دار کے پاس دو جلاد پہلے سے موجود تھے۔ ابراہیم اس خوفناک منظر سے بلا وجہ خوش ہو رہا تھا۔ سپاہیوں نے ابراہیم کو آزاد اور خوش جو دیکھا تو ان کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ یہ کیوں آزاد اور خوش ہے۔

سلطان نے اپنے سپاہیوں کو بتایا "یہی وہ دونوں مفسد ہیں جو ہمیشہ میری پریشانیوں کا باعث بنتے رہے۔"

محمود نے کہا "سلطان! آپ بھی ہمارے بھائی ہیں اور ہم دونوں نے وہی کیا جس کا بھائی ابراہیم نے ہمیں حکم دیا۔ فتنہ اور فساد کی جڑ تو آپ کی بغل میں محفوظ اور مطمئن کھڑی ہے اور آپ ہم دونوں کو دار پر چڑھائے دے رہے ہیں۔ یہ کیسا انصاف ہے آپ کا؟"

سلطان نے ان کی کسی بات کا بھی جواب نہ دیا۔ جلادوں کو حکم دیا کہ دونوں کو دار پر چڑھا دیا جائے۔

جلادوں نے دونوں کو ایک ساتھ دار پر چڑھا دیا۔ دونوں کے خلا میں لٹکتے ہوئے پاؤں کچھ دیر تھرتھراتے رہے اور آخر کار ساکت ہو گئے۔ سلطان اور دوسرے ناظرین کو یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ دونوں کی جانیں نکل چکی ہیں۔

سلطان نے جلادوں سے پوچھا "کیا دونوں مر چکے ہیں؟"

جلادوں نے ایک ساتھ جواب دیا "بحمد اللہ دونوں مر چکے ہیں۔"

سلطان نے ابراہیم اینال سے پوچھا "تیرے دونوں بھائی مر چکے ہیں اگر تو چاہے تو ان کی میتوں کے نیچے کھڑے ہو کر ان کے لیے دعائے مغفرت کر دے۔"

ابراہیم نے بڑی بے مروتی سے جواب دیا "میں اور دعائے مغفرت کروں ان مفسدوں کے حق میں! توبہ توبہ! میں یہ نہیں کروں گا۔"

سلطان نے ابونصر کو آواز دے کر اپنے پاس بلایا اور کہا "خیمے میں جا، وہاں ابراہیم کی کمان رکھی ہے اس کو اٹھا لا۔"

کچھ دیر بعد ابونصر ابراہیم اینال کی کمان لے آیا۔

ابراہیم اینال پریشان ہو رہا تھا۔ سلطان نے کمان ابونصر کے ہاتھ سے لے کر ابراہیم سے پوچھا "کیا تو بتائے گا کہ یہ کس کی کمان ہے؟"

اب یاقوتی، قاورت اور الپ ارسلان بڑی دلچسپی سے ان دونوں کی باتیں سن رہے تھے۔ سلیمان ان سب کی شکلیں باری باری دیکھ رہا تھا۔

ابراہیم نے سہمے ہوئے لہجے میں جواب دیا "یہ میری ہی کمان ہے۔ آپ کو کہاں سے ملی؟"

سلطان نے یاقوتی اور ابونصر سے پوچھا "شاید تم دونوں بھی اس کمان سے واقف ہو گے؟"

دونوں نے جواب دیا "ہاں! ہم اسے پہچانتے ہیں۔ یہ ابراہیم کی کمان ہے۔"

ابونصر نے بطور خاص کہا "اور میں اس کمان کو اس لیے بھی نہیں بھول سکتا کہ ابراہیم نے اسی کی تانت سے مجھ کو پھانسی

دینے کا اعلان کیا تھا۔"

ابراہیم اینال نے اپنی صفائی پیش کی۔"وہ بات میں نے سنجیدگی سے نہیں، از راہِ مذاق کہی تھی۔"

سلطان کا چہرہ غصے سے سُرخ ہو رہا تھا۔"تُو نے ابھی تک مذاق ہی مذاق میں ہم سب کو بہت دُکھ دیا ہے، بڑی اذیتیں دی ہیں۔ تُو نے اپنے دونوں بھائیوں کو مذاق ہی مذاق میں دار پر چڑھوا دیا۔ تُو نے ہم سے جنگ کی اور مذاق ہی مذاق میں سیکڑوں ترک قتل کرا دیے۔ تُو نے مذاق ہی مذاق میں بساسیری سے ساز باز کر لی اور امیر المومنین کو عانہ کے قلعے میں نظر بند کرا دیا اور مذاق ہی مذاق میں مصر کے فاطمی خلیفہ سے ساز باز کر لی!"

ابراہیم زار و قطار رونے لگا۔"بھائی طغرل رحم! آپ کو ماں کا واسطہ، ماں کی اس کوکھ کا واسطہ جو ہم دونوں کی امین..."

سلطان نے غصے میں کانپتے ہوئے بات کاٹ دی۔"اب میں تیری ایک بات بھی نہ سنوں گا اور تیری کوئی بات نہیں مانوں گا۔ تو ہرگز معافی کا مستحق نہیں۔ تو احسان فراموش اور موقع پرست ہے۔"

ابونصر اور چاروں شہزادے بے حد خوش نظر آ رہے تھے۔

سلطان نے دونوں جلادوں کو اپنے پاس بلا لیا۔

ابراہیم دوزانو طغرل کے روبرو بیٹھ گیا۔"بس ایک بار اور، میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ ایسی غلطی نہیں کروں گا۔"

سلطان اس کے سامنے سے ہٹ گیا اور ابونصر سے کہا۔"جلادوں سے کہہ کر وہ اسی کی کمان کی تانت سے ابراہیم کو پھانسی دے دیں۔"

ابراہیم نے بڑی بے بسی سے پوچھا۔"بھائی طغرل! جب آپ کو یہ سزا دینی ہی تھی تو آپ نے جان بخشی کیوں کی تھی؟"

سلطان نے جواب دیا۔"میں نے تجھ کو معاف نہیں کیا تھا۔ میں نے تیری جان بخشی نہیں کی تھی۔"

ابراہیم نے کہا۔"تب پھر مجھے بھی میرے دونوں بھائیوں کے ساتھ ہی دار پر چڑھا دینا تھا۔"

سلطان نے جواب دیا۔"میں نے تیرے بھائیوں کی نظر میں تیرا مقام تیرا اعزاز برقرار رکھا اور میں تجھ کو ان دونوں سے الگ کر کے یہ سزا دینا چاہتا تھا۔"

ابونصر نے سلطان سے درخواست کی۔"سلطان محترم! ہر چند کہ ابراہیم کو آپ کے حکم سے پھانسی دی جا رہی ہے لیکن میں اس سے بری رہنا چاہتا ہوں۔ آپ دونوں میں خون کا رشتہ ہے اور میں نہیں چاہتا کہ اس کے گلے میں میری نگرانی اور مرضی سے اس کی تانت کا پھندا ڈالا جائے۔"

شہزادہ یاقوتی آگے بڑھا اور سلطان سے کہا۔"یہ کام میں انجام دوں گا۔ کیوں کہ ابراہیم نے میری موجودگی میں یہ کہا تھا کہ اس کمان کی تانت سے یہ ابونصر کو پھانسی دے گا۔ میں اس کا عینی شاہد ہوں۔"

سلطان نے جواب دیا۔"چلو یہی سہی۔"

دونوں جلادوں نے یاقوتی کے اشارے پر کمان کی تانت کمان سے الگ کی اور پھر اس کا پھندا بنا کر ابراہیم اینال کے گلے میں ڈال دیا۔ ابراہیم اینال نے دونوں ہاتھوں سے پھندا نکالنے کی کوشش کی لیکن طاقت ور جلادوں کی گرفت سخت ہوتی چلی گئی۔ ابراہیم اینال نے کئی جھٹکے دیے جس سے دونوں جلاد لڑکھڑا گئے، مگر انھوں نے تانت نہیں چھوڑی۔

یاقوتی نے جلادوں کو مشورہ دیا۔"اسے زمین پر گرا دو۔"

دونوں نے ابراہیم کو زمین پر گرا دیا۔ اب وہ زمین پر تڑپ مچل رہا تھا لیکن اب اس کا زور کم ہو چکا تھا۔

جلادوں کے دونوں ہاتھ تانت کے دونوں سرے اپنی اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔ ابراہیم اینال کی آنکھیں ابلی پڑ رہی تھیں۔

ابونصر وہاں سے ہٹ گیا۔ وہ یہ منظر نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

سلطان بھی خیمے میں چلا گیا۔ اس نے ابونصر سے پوچھا۔"تم وہاں سے کیوں چلا آیا؟"

ابونصر نے جواب دیا۔"دو بھائیوں کا معاملہ تھا۔ میں اس میں اپنے جذبات کو غیر جانبدار..."

سلطان نے ناراضی کا اظہار کیا۔"اس نے بھی بہت نقصان پہنچایا۔ کیا میں اس کو معاف کر دیتا؟ کیوں معاف کر دیتا؟"

ابونصر نے جواب دیا۔"میں نے یہ تو نہیں کہا کہ آپ اس کو معاف کر دیتے لیکن یہ ضرور ہے کہ ابراہیم جب بھی آپ کو یاد آئے گا تو اس کے ساتھ ہی میں بھی یاد آؤں گا۔ یہ زخم ابھی تازہ ہے اس لیے اس کی اذیت ابھی نہیں، بعد میں بہت محسوس ہو گی اور اس وقت میں آپ کی نظروں سے کس قدر گر جاؤں گا اسی لیے میں ابراہیم کے قتل میں پیش پیش نہیں رہا۔"

سلطان نے اپنا منہ دوسری طرف کر لیا۔ شاید وہ رو رہا تھا۔ وہ ابراہیم سے محبت کرتا تھا۔

ابونصر نے سلطان کو تخلیہ دینا چاہا۔ باہر جانے کی اجازت چاہی۔"کیا میں باہر جا کر دیکھوں کہ وہاں کیا ہو رہا ہے؟"

سلطان نے جواب دیا۔"نہیں، تو یہیں اسی خیمے میں موجود رہ۔"

سلطان کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ ابونصر دم سادھ کر بیٹھ گیا۔

کچھ دیر سکوت رہا۔ آخر سلطان نے اپنے جذبات پر قابو پالیا۔ کہنے لگا۔ "میں سوچ رہا تھا کہ یاقوتی، قاورت اور الپ ارسلان میں سے کوئی ایک میری طرف بڑھے گا اور کہے گا کہ جرم بخش دیا جائے۔ ابراہیم کو ایک بار اور معاف کر دیا جائے۔"

سلطان خاموش ہو گیا۔

ابونصر نے آہستہ سے کہا۔ "اللہ اکبر، سلطان کو کتنا بڑا دل عطا ہوا ہے۔ سبحان اللہ۔"

سلطان نے کہا۔ "لیکن میں اس وقت بے بس اور بے اختیار ہو گیا جب یاقوتی نے پھانسی دینے کی ذمے داری خود قبول کر لی۔"

ابونصر سلطان سے بے حد متاثر تھا۔

سلطان ابونصر سے شکایت کرنے لگا۔ "تو نے بھی ابراہیم اینال سے منہ موڑ لیا۔ تم نے بھی اس کی سفارش نہیں کی۔ تو نے بھی رحم و مروت سے کام نہیں لیا۔"

ابونصر کو سلطان کے ان احساسات اور جذبات کا کسی قدر اندازہ تھا۔ میں سلطان کے عدل و انصاف میں مداخلت نہیں کرنا چاہتا تھا۔

سلطان نے ابونصر کے چہرے پر نظریں جما رکھی تھیں اور یہ نظریں تیر کی طرح ابونصر کے دل میں اترتی جا رہی تھیں۔

سلطان اٹھ کھڑا ہوا۔ "آؤ باہر چلیں۔ دیکھیں وہاں کیا ہو رہا ہے۔" جب یہ دونوں خیمے سے نکل رہے تھے تو سلطان ابونصر کو یاد دلا رہا تھا۔ "واللہ میں نے ابراہیم کو یہ سزا اس لیے بھی دی کہ اس نے تجھ جیسے وفادار اور صاحب عقل و دانش کو اپنی کمان کی تانت سے مارنے کی دھمکی دی تھی۔"

ابونصر سلطان کے احسان کے بوجھ تلے دبتا جا رہا تھا۔

دونوں جلاد ابراہیم اینال کو ہلاک کر کے تانت یاقوتی کو دے کر واپس جا رہے تھے۔

سلطان، ابونصر کے ساتھ ابراہیم اینال کی لاش کے پاس گیا اور اس کے کربناک چہرے کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے آنکھوں کے ابلے ہوئے ڈھیلوں کو اپنی انگلیوں سے اندر کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔

ابونصر نے بتایا۔ "یہ اندر نہیں جائیں گے۔"

شاید سلطان نے اس کی بات نہیں سنی۔ وہ ابراہیم اینال سے کہہ رہا تھا۔ "افسوس کہ میں نے تجھ کو کتنی بار معاف کیا۔ لیکن تو نے میرا کوئی خیال نہیں کیا۔ تو میرا بھائی تھا لیکن تو اس حسد کا شکار ہو گیا جس حسد کا شکار آدم کے مقابلے میں شیطان ملعون ہو گیا تھا۔"

ابراہیم اینال کے چہرے پر مٹی لگ گئی تھی۔ سلطان نے اسے اپنے دامن سے صاف کر دیا۔

سلیمان نے سلطان کی حرکات کا مذاق اڑایا اور مسکراتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ وہ سپاہیوں سے کہہ رہا تھا۔ "بڑھاپے نے سلطان کی عقل کو ماؤف کر دیا ہے شاید۔"

سلطان نے یاقوتی کو حکم دیا۔ "ابراہیم کو اعزاز و احترام سے دفن کرا دے۔ اور ہاں دیکھ، ان دونوں بھائیوں کے ساتھ نہیں، ورنہ یہ دونوں وہاں بھی ابراہیم کو فتنہ و فساد میں مبتلا کر دیں گے۔"

اس بار سلطان نے ابونصر کو بھی اپنے ساتھ نہیں لیا۔ وہ ایک طرف چلا گیا۔ اس طرف جہاں اس کے ترک مقتول، خاک و خون میں لتھڑے پڑے تھے۔

یاقوتی نے ابونصر سے پوچھا۔ "یہ سلطان اندر آپ سے کس قسم کی باتیں کر رہے تھے؟"

ابونصر نے ہر بات صاف صاف بتا دی۔ "سلطان کو ابراہیم کی موت کا بہت دکھ ہے۔ ان کو صدمہ ہے کہ ہم میں سے کسی نے ابراہیم کی سفارش بھی نہیں کی۔"

یاقوتی نے کہا۔ "سلطان کو اگر معاف ہی کرنا تھا تو ان کو کسی کی سفارش کیوں درکار تھی۔ وہ ہماری سفارش کے بغیر بھی معاف کر سکتے تھے۔"

ابونصر نے کہا۔ "یہ بات سلطان سے کریں۔ شاید مزاج کا تکلف تھا جو سلطان کو سفارش پر مائل کر رہا تھا۔ وہ سفارش کو بہانہ بنا کر ابراہیم کو معاف کر دیتا۔"

سلطان کے مزاج اور نفسیات کا یہ وہ رخ تھا جس کو ابونصر اور اس کے بھتیجوں نے پہلی بار اچانک دیکھ لیا تھا۔

●●

اس خطرناک مہم سے فارغ ہونے کے بعد سلطان بغداد کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ الپ ارسلان سے بہت خوش تھا کیونکہ اگر وہ حسب منصوبہ ابراہیم اینال کی پشت پر حملہ آور نہ ہو جاتا تو جنگ کا انجام ابراہیم اینال کی حمایت میں ہو سکتا تھا۔

یاقوتی، قاورت اور دوسرے ترک سردار سلطان کی اداسی سے پریشان تھے اور بظاہر ایسا لگتا تھا کہ سلطان کا حوصلہ جواب دے چکا ہے اور اب وہ مزید فتوحات میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔ سلیمان کو اندیشہ تھا کہ کہیں سلطان سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر گوشہ نشینی نہ اختیار کر لے۔ چنانچہ اس نے سلطان سے دبے لفظوں میں کہا۔ "آپ جن اذیتوں سے دوچار ہوئے ہیں ان کا میں بخوبی اندازہ کر سکتا ہوں۔ اب اگر آپ یہ سوچ رہے ہوں کہ یہ دنیا دارالکلفت ہے اور ترک دنیا میں عافیت اور سکون ہے تو اس کے لیے میں حاضر ہوں۔ اپنی ذمے داریاں آپ میرے سپرد کر دیں۔ میں آپ کا اور اپنے بھائیوں کا ہمیشہ خیال

رکھوں گا۔"

جب وہ سلطان سے یہ باتیں کر رہا تھا اس وقت سلطان کے پاس ابونصر کے سوا کوئی نہ تھا۔ سلطان کو شہزادے کی ملوکی پُر از حماقت پر غصہ بھی آیا اور افسوس بھی ہوا۔ اس نے سلیمان کو جواب دیا: "تیری پیش کش پر میں ضرور غور کروں گا۔ اس وقت تو تُو اپنے خیمے میں آرام کر۔ میں اسی سلسلے میں ابونصر سے چند باتیں کر لوں۔"

سلیمان کے چہرے پر مسرت و انبساط کی چمک دمک پیدا ہو گئی۔ اس نے جاتے جاتے ابونصر سے کہا: "میں آپ کو عمِ محترم کی جگہ دے چکا ہوں۔ میرے وزیر بھی آپ ہی رہیں گے۔"

جب سلیمان چلا گیا تو سلطان نے سلیمان پر افسوس کیا۔ "اللہ کا شکر ہے کہ اس احمق کی باتیں اس کے بھائیوں نے نہیں سنیں ورنہ معلوم نہیں کیا غضب ہو جاتا۔ ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوتا۔ میرا خیال ہے اس کو اس کی ماں کے پاس بھیج دیا جائے۔"

ابونصر نے جواب دیا: "آپ جناب جہاں چاہیں سلیمان کو بھیج دیں۔ ویسے شہزادہ حوصلہ مند ضرور ہے۔"

سلیمان نے کہا: "یہ حوصلہ مند نہیں، احمق ہے۔ اس کو حوصلہ مندی نہیں حماقت کہتے ہیں۔ ویسے تیری اطلاع کے لیے میں یہ بتا رہا ہوں کہ میری ولی عہدی کے لیے شہزادہ الپ ارسلان سے بہتر شخص نہیں مل سکتا۔"

ابونصر نے سلطان کو درازیٔ عمر کی دعائیں دیں۔ "اللہ سلطان کو قیامت تک زندہ و قائم رکھے۔ یہ مایوسی کی باتیں آپ کیوں کر رہے ہیں؟"

سلطان نے ٹہلنا شروع کر دیا۔ شاید وہ کسی الجھن میں تھا۔ وہ تیز تیز قدموں سے ٹہلنے لگا۔

ابونصر نے کچھ دیر خاموش رہ کر سلطان سے پوچھا: "آپ مجھ سے کوئی ضروری بات کرنے والے تھے۔"

سلطان نے جواب دیا: "ہاں، میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کیا میرے چہرے پر مایوسی اور تفکر کے اثرات بیک نظر محسوس ہو جاتے ہیں؟"

ابونصر نے کہا: "جی ہاں۔ میں اسے مایوسی تو نہیں، فکرمندی اور الجھن ضرور کہہ سکتا ہوں جو آپ کے چہرے پر نمایاں ہے۔"

سلطان چونک گیا: "بالکل صحیح اندازہ لگایا تو نے۔ میں واقعی بے حد فکرمند ہوں۔ بہت زیادہ الجھن میں ہوں۔"

ابونصر دو زانو بیٹھ گیا: "حضورِ والا! میں کس دن کام آؤں گا۔ آپ اپنے تفکر اور الجھن کا کچھ بوجھ میرے کاندھوں پر بھی ڈال دیں۔"

سلطان کو اپنا حالِ دل کہنے میں تامل تھا۔ اس کی بے چینی میں کچھ اور اضافہ ہو چکا تھا۔

ابونصر نے عرض کیا: "آپ اپنے ہر دو جذبات میرے علم میں لے آئیں جس کا آپ مجھے مستحق سمجھتے ہیں۔"

سلطان نے رُک رُک کر بتایا: "میں نے بھائی ابراہیم اینال کو اس امید پر ٹھکانے لگا دیا کہ اب وہ میرے لیے بیکار تھا اور اس کا زندہ رہنا نقصان دہ۔ پھر اس نے بھی کچھ ایسا کیا کہ میں اس کے حق میں رحم و مروت سے عاری ہو گیا۔"

ابونصر نے عرض کیا: "جنابِ والا! آپ مجھ سے کچھ چھپا رہے ہیں!"

سلطان نے کہا: "میں تجھ سے کچھ بھی نہ چھپاؤں گا کیونکہ میں تجھ کو اپنی زبان اور اپنے ہاتھ پاؤں سمجھتا ہوں۔"

سلطان بولتے بولتے خاموش ہو گیا اور ابونصر سمجھ گیا کہ سلطان اس کو جو کچھ بتانا چاہتا ہے اس کے لیے پیرایۂ بیان اور لفظوں کے انتخاب میں الجھا ہوا ہے۔

آخر سلطان نے کہا: "میں نے خلیفہ قائم بامر اللہ کے چکر میں اپنے بھائی ابراہیم کو قتل کرا دیا۔ اور خلیفہ حدیثہ عانہ میں قید ہے کیا وہ رہا ہو سکتا ہے؟"

ابونصر نے سلطان کو بطورِ خاص مشورہ دیا: "آپ یہاں سے بغداد تشریف لے چلیں۔ وہاں سے بساسیری کو نکال باہر کریں اور امیر المومنین کو دوبارہ قصرِ خلافت میں پہنچا دیا جائے۔ اس سے عباسی خلیفہ کا درباری سلسلہ جو منقطع ہو گیا تھا پھر بحال ہو جائے گا۔"

سلطان نے کہا: "تیرا مشورہ درست ہے لیکن بساسیری کو بغداد سے نکلوا دینا اتنا آسان بھی نہیں جتنا تو سمجھ رہا ہے۔"

ابونصر کو بساسیری کی طاقت کا اندازہ تھا۔ اس نے اپنی رائے دی: "بساسیری کتنا ہی بڑا اور طاقتور کیوں نہ ہو جائے لیکن وہ سلطانِ مشرق و مغرب کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔"

سلطان نے اپنا اندیشہ بیان کیا: "اس کی پشت پر خلافتِ فاطمی کا ہاتھ ہے کیا میں اس کا مقابلہ کر سکتا ہوں؟"

ابونصر نے جواب دیا: "جہاں تک میں جانتا ہوں بساسیری کو تین ہزار مصریوں کی مدد حاصل تھی اور آپ کے لیے یہ کوئی تعداد نہیں۔"

لیکن سلطان کوئی خطرہ مول لینے کو تیار نہ تھا۔ اس لیے بساسیری کو نہایت نرم خط لکھوایا۔

"بساسیری! جو کچھ ہو چکا، اس وقت خاک ڈال۔ تُو امیر المومنین کو حدیثہ عانہ سے بغداد بلوا لے۔ ان کے اعزاز و احترام کو بحال کر دے۔ جمعے کے خطبوں اور سکوں میں میرا نام شامل

کرتے اور بغداد پر حکومت کرتا رہ، میں تیرے حق میں مذکورہ بالا بحالیوں کے بعد عراق سے چلا جاؤں گا۔"

یہ سلطان کی پیش کش تھی۔ اس میں دھمکی کہیں بھی نہ تھی۔

یہ خط بغداد روانہ کر دیا گیا۔ ابو نصر کچھ سوچ سوچ کر مسکرا رہا تھا۔

سلطان نے پوچھا: "یہ تو بتا وجہ مسکرا کیوں رہا ہے؟"

ابو نصر نے جواب دیا: "یہاں آپ کے پاس آنے سے پہلے میں نے یہ سوچا تھا کہ اس وقت تک بغداد ہی میں رہوں جب تک آپ واپس نہ آجائیں۔"

سلطان نے پوچھا: "پھر تو کیوں چلا آیا؟"

ابو نصر نے جواب دیا: "پھر میں نے اپنا وہ فیصلہ بدل دیا، کیوں کہ مجھے شبہ تھا کہ میں یرغمالی بنا لیا جاؤں گا یا پھر... اور اللہ بھلا کرے فلورینہ کا، آج اس کے طفیل میں یہاں آپ کے سامنے موجود ہوں۔"

سلطان نے کہا: "اگر تجھ کو یرغمال بنا لیا جاتا، تب تو میں ضرور بغداد پہنچ جاتا۔"

ابو نصر نے جواب دیا: "حالاں کہ اب آپ وہاں جاتا ہی نہیں چاہتے۔"

سلطان نے کہا: "اب میں فوج کو ترتیب دوں گا۔"

ابو نصر نے پوچھا: "فوج کو کیوں ترتیب دیں گے۔ اس کی کوئی خاص وجہ؟"

سلطان نے جواب دیا: "میں اپنے خط کے ساتھ ہی بغداد پہنچ جانا چاہتا ہوں، کیوں کہ اسی میں ہماری نجات اور ہماری بقا ہے۔"

ابو نصر کو پہلی بار یہ معلوم ہوا کہ سلطان طبعاً اتنی گہرائی میں بے حد نرم ہے۔

ان باتوں میں ان کا کافی وقت برباد ہو گیا تھا۔ سلطان نے کہا: "جا تو اپنا کام کر۔ میں بغداد جانے کی تیاریاں کرتا ہوں۔"

ابو نصر وہاں سے اپنے خیمے میں چلا گیا۔ اب وہ واقعی مفتوحِ بغداد کے بعد پر غور کر رہا تھا۔

یہ لوگ ہمدان کے بازاروں میں گھوم پھر رہے تھے۔ یا تو الپ ارسلان کی عادت تھی، الپ ارسلان اور شہزادہ سلیمان بھی خوش خوش ہمدان والوں کو خوش کر رہے تھے۔

ابو نصر نے شہریوں سے ابراہیم اینال کے بارے میں پوچھا:
"ابراہیم اینال کیسا آدمی ہے؟"

وہ سب ابراہیم کی تعریفیں کرنے لگے۔ الپ ارسلان نے برا سا منہ بنایا اور کہا: "اب آپ اس کا ذکر ہرگز نہ کریں۔"

ابو نصر نے جواب دیا: "بس یہی چیز تو ہمیں۔۔"

الپ ارسلان نے اس کی بات کاٹ دی اور اس کو ایک طرف لے گیا: "مجھ کو معلوم ہوا ہے آپ کی عمِ محترم سے بڑی باتیں ہوئی ہیں؟"

ابو نصر نے جواب دیا: "ہاں، باتیں تو بہت ہوئی ہیں لیکن کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جس کی آپ امید کر رہے ہیں۔"

الپ ارسلان نے کہا: "آپ مجھے بتائیں کہ کیا باتیں ہوئیں اور یہ سلیمان بھی تو وہاں پہنچ گیا تھا؟"

ابو نصر نے جواب دیا: "ہاں، یہ بھی وہاں پہنچ گیا تھا۔"

الپ ارسلان کے لہجے میں درشتی اور بے مروتی آتی جا رہی تھی: "اس احمق نے وہاں کیا باتیں کیں؟"

ابو نصر نے جواب دیا: "جب آپ نے سلیمان کو احمق سمجھ ہی لیا ہے تو اب اس احمق کے بارے میں یہ پوچھ گچھ کیسی؟"

الپ ارسلان نے ابو نصر کو مطعون کرنا شروع کر دیا: "اور آپ شاید اس توقع میں زندہ ہیں کہ اگر سلیمان نے عمِ محترم کی جگہ لے لی تو آپ اس کے وزیر بن جائیں گے۔ تو اس خیالِ خام کو آپ جتنی جلدی اپنے ذہن سے نکال دیں گے اتنا ہی اچھا ہو گا۔"

اب بات ابو نصر کے اختیار سے نکلی جا رہی تھی۔ اس نے بھی اپنے لہجے میں تلخی سمو دی: "شہزادے! یہ آج آپ کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں۔ مجھ کو وزارتِ عظمیٰ کی کوئی خواہش نہیں۔ یہ آپ نے کیسی تہمت لگا دی ہے مجھ پر؟"

الپ ارسلان نے جواب دیا: "یہ تہمت نہیں حقیقت ہے۔ میں بھی آپ کو اپنا وزیر بنا سکتا ہوں بشرطیکہ آپ مجھ پر اعتبار کرنے لگیں۔"

ابو نصر نے معذرت کی: "اب آپ مجھے معاف کر دیں۔ میں نے ایک بار کہہ جو دیا کہ مجھے وزارت سے ذرہ برابر بھی دلچسپی نہیں ہے۔"

الپ ارسلان نے طنز کیا: "اللہ کرے یہ بات درست ہو۔ ویسے میں عنقریب ایک اعلان کروں گا۔ میرے بھائی میری پشت پر ہیں۔"

ابو نصر نے عرض کیا: "آپ لوگ اپنی حال کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟"

الپ ارسلان نے جواب دیا: "میں مال کے بارے میں یہ جانتا ہوں کہ انھیں سلیمان سے بڑی محبت ہے اور وہ کسی نہ کسی طرح سلیمان کو برسرِ اقتدار لانے میں بڑی دلچسپی رکھتی ہیں۔"

ابو نصر نے کہا: "بس اسی سے آپ اندازہ لگا لیں کہ یہاں کیا ہونے والا ہے؟"

الپ ارسلان نے کہا: "یہاں کچھ نہیں ہو گا۔ یہاں وہی کچھ ہو گا جو میں چاہوں گا۔ میرے بھائی جا رہے ہیں اور سلطان

طغرل، ہمارے عزم محترم چاہیں گے۔"

ابو نصر نے خدا کا شکر ادا کیا۔ "اللہ تیرا شکر کہ شہزادے کی سمجھ میں وہ بات آگئی جو میں لانا چاہتا تھا۔"

لیکن الپ ارسلان نے پھر تیوریاں چڑھالیں۔ "سلیمان کو رے بھجوا دیں۔ اس کے حق میں یہی بہتر ہے اور آپ اس کی سرپرستی سے باز آجائیں۔"

ابو نصر نے جواب دیا۔ "آپ جو چاہیں کہیں، ویسے آپ کی باتیں میری سمجھ سے بالاتر ہیں۔"

الپ ارسلان نے منہ پھیر لیا۔

ابو نصر کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ وہ..... الپ ارسلان کی غلط فہمیاں کس طرح دور کرے۔

ان باتوں کو کئی دن گزر گئے اور ابو نصر کافی غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ الپ ارسلان سے بگاڑ اچھی بات نہیں تھی۔

اس نے سلطان سے اجازت چاہی۔ "میں شہزادہ سلیمان کو رے میں اس کی ماں کے پاس پہنچا دینا چاہتا ہوں۔"

سلطان نے اجازت دے دی کیوں کہ وہ شہزادہ سلیمان کی حماقتوں سے تنگ آیا ہوا تھا۔ اس نے کہا۔ "شہزادے کو رے پہنچا کر فوراً واپس آجاؤ۔"

لیکن شہزادہ سلیمان رے جانے کے لیے تیار نہیں تھا۔ ابو نصر نے اس کو سمجھایا۔ "شہزادے! آپ بات سمجھا کریں۔ آپ کا رے میں رہنا ضروری ہے۔"

سلیمان نے پوچھا۔ "وہ کیوں؟"

ابو نصر نے جواب دیا۔ "آپ کو جنگوں سے دور رہنا چاہیے کیوں کہ فی الحال آپ کے دوست برائے نام اور دشمن زیادہ ہیں۔ ان دشمنوں سے آپ کو کوئی بھی نقصان پہنچ سکتا ہے۔"

شہزادہ سلیمان جوش میں آگیا۔ "کون نقصان پہنچانے لگا مجھے؟ کیا نقصان پہنچ سکتا ہے مجھے؟"

ابو نصر نے جواب دیا۔ "کوئی بھی، میں کس کس کا نام لوں۔ اس کے علاوہ رے سلطان کا مستقر ہے۔ آپ رے سے پورے ملک پر حکومت کریں گے۔"

شہزادے کی سمجھ میں یہ آخری بات آگئی اور وہ ابو نصر کے ساتھ رے روانہ ہو گیا۔

راستے میں ابو نصر اس کو بڑی عاقلانہ باتیں سمجھاتا رہا۔ اس کا ہے بیچ دوپہر میں سائے کو قدموں کے نیچے دیکھا تو شہزادہ سلیمان کو سمجھانے لگا۔ "دیکھو شہزادے، جس طرح آپ کا سایہ اس وقت قدموں تلے آچکا ہے اور اب اگر ہم اس کو تلاش بھی کرنا چاہیں تو یہ ہمیں نہیں ملے گا۔ اس کے لیے ہمیں وقت کا انتظار کرنا پڑے گا۔ آپ عجلت سے کام نہ لیں، جلدی نہ کریں۔ اور آپ رے میں موجود رہیں۔ میں سلطان کے پاس ہوں اور وہاں آپ کے حقوق کا محافظ رہوں گا۔"

جب یہ دونوں رے میں طغرل کی بیوی اور سلیمان کی ماں کے سامنے پہنچے تو اس نے ابو نصر سے پہلا سوال ابراہیم اینال کے بارے میں کیا۔ "اس جنگ کا کیا ہوا؟"

ابو نصر نے جواب دیا۔ "ابراہیم اینال جنگ ہار گیا۔ سلطان نے اس کی کمان کی تانت سے اس کا گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا۔"

سلیمان کی ماں کانپ گئی اور وہ ان کو برا بھلا کہنے لگی جنھوں نے ابراہیم اینال اور سلطان طغرل کے دلوں میں فساد کا بیج بویا تھا۔

اس کے بعد اس نے ابو نصر سے پوچھا۔ "سلطان نے میرے بیٹے سلیمان کو اپنا جانشین نامزد کر دیا یا نہیں؟"

ابو نصر نے جواب دیا۔ "میں آپ سے کوئی بات چھپاؤں گا نہیں، لیکن جیسا کہ میں شہزادہ سلیمان سے کہہ چکا ہوں کہ میں سلطان کے پاس ہر وقت موجود رہتا ہوں، اس لیے آپ دونوں کو اس طرف سے مطمئن رہنا چاہیے۔"

اس نے ابو نصر کو آگاہ کیا۔ "میں جانتی ہوں، یہ الپ ارسلان میرے بیٹے سلیمان کی زبردست مخالفت کرے گا۔ چنانچہ میں تجھ کو حکم دیتی ہوں کہ جب بھی موقع ملے الپ ارسلان کو ہماری راہ سے ہٹا دینا۔"

ابو نصر ان کی ہاں میں ہاں ملا کر سلطان کے پاس واپس چلا گیا۔

الپ ارسلان، یاقوتی اور قاورت اپنے اپنے علاقوں میں واپس جا چکے تھے اور اب سلطان طغرل بغداد پہنچنے کی فکر میں تھا۔

اس موقع پر اس نے ایک بار پھر ابو نصر سے پوچھا۔ "ہاں تو اب بتا کہ امیر المومنین کہاں ہیں، ارسلان خاتون کہاں ہے اور وہاں کون اپنا دوست ہے اور کون اپنا دشمن؟"

ابو نصر نے بتایا۔ "اس دوران ہمارا سب سے زیادہ ساتھ قریش بن بدران نے دیا ہے۔ اس نے امیر المومنین کو اپنے چچا زاد بھائی ابوالحارث مہارش کے سپرد کر دیا تھا اور ارسلان خاتون کو اپنے خاندان کی عورتوں کے پاس چھوڑ دیا تھا۔"

سلطان نے جواب دیا۔ "اب میں بساسیری اور قریش ابن بدران سے الگ الگ نمٹوں گا۔"

سلطان نے بساسیری کو وہی لکھا جو پہلے بھی کہہ چکا تھا کہ امیر المومنین کو بغداد لے آؤ اور جمعے اور عیدین کے خطبات میں میرا نام شامل کرا دو۔ میں عراق سے دستبردار ہو جاؤں گا۔

بساسیری نے اس کا مطلب یہ لے لیا کہ اب سلطان طغرل میں پہلے جیسا دم خم نہیں رہا۔ اس لیے اب اس بوڑھے شیر سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ اس نے صاف انکار کر دیا کہ نہ تو

میں امیر المومنین کو بغداد دلاؤں گا کیوں کہ عباسی خلافت عملاً ختم ہو چکی ہے اور نہ ہی سلطان کا نام جمعے اور عیدین کے خطبات میں شامل کیا جائے گا۔

بساسیری کے ساتھی اس کو منع کر رہے تھے کہ سلطان سے اس لب و لہجے میں بات فی الحال نہ کی جائے کیوں کہ سلطان اپنے بھائی ابراہیم اینال اور دونوں بھائیوں کو شکست دے کر قتل کر چکا ہے، اس لیے اب سلطان ہم پر پوری قوت سے حملہ آور ہو جائے گا۔

بساسیری نے سر کو اکڑا لیا اور تیکھے تیوروں سے جواب دیا: "اب میں سلطان طغرل سے بالکل نہیں ڈرتا کیوں کہ ہمیں بر وقت ضرورت مصری خلافت سے مدد مل جائے گی اور مصری خلافت کا ہماری پشت پر اپنا ہاتھ رکھ دینا کسی معجزے سے کم نہیں۔"

قریش بن بدران بھی بے حد پریشان تھا اس نے بساسیری کو مشورہ دیا کہ مصر کی فاطمی خلافت پر مت تکیہ کرو، کیوں کہ وہاں سے ہمیں اپنے خط کا جواب تک نہیں ملا۔

بساسیری نے غم غلط کرنے کے لیے رقص و موسیقی کا منصوبہ پہلے سے تیار کر رکھا تھا اس نے کہا: "ہم نہیں جانتے کہ کل کس کا ساتھ دے گا اور کل جو کچھ ہوگا اس کا آج غم کیوں کریں آؤ ہم رقص و موسیقی سے دل بہلائیں اور آنے والے کل کے اندیشوں کو مے ناب میں ڈبو دیں۔"

قریش بن بدران نے اس کا ساتھ دیا۔۔۔ ایک اسّی گز چوڑے اور ایک سو پچاس گز لمبے دیوان نما کمرے میں گانے والیاں، رقاصائیں اور سازندوں کا طائفہ پہلے سے موجود ان کا انتظار کر رہا تھا۔ خوب صورت منقش فرش پر جگہ جگہ سلیقے سے گاؤ تکیے رکھ دیے گئے تھے۔ جو جم و جسامت کے تھے بساسیری اور قریش بن بدران نے اپنی اس خاص محفل میں ابو الحارث مہارش کو بھی شریک کر لیا تھا۔ حدیثہ عانہ کا امیر مہارش جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے کہ قریش بن بدران کا ابن عم تھا، چچا زاد بھائی خلیفہ قائم بامر اللہ کو اس کی تحویل میں دے دیا گیا اور ارسلان خاتون اس کے محل میں اس کی خواتین کے ساتھ رہ رہی تھیں۔

فاطمی خلافت کے چار امیر بھی اس محفل میں موجود تھے۔ ان کو اس محفل میں ان کی مرضی کے خلاف شریک کیا گیا تھا وہ اس لہو و لعب سے دور رہنا چاہتے تھے۔

جب انھوں نے تامل سے آمادگی ظاہر کی تو بساسیری نے پوچھا: "انکار کی کوئی خاص وجہ ہے؟"

ایک امیر نے جواب دیا: "ہمیں ایسی تقریبات غیر اسلامی معلوم ہوتی ہیں۔"

بساسیری نے اس کا مذاق اڑایا: "غیر اسلامی سے تیری کیا مراد ہے؟ میں تجھ کو ایک نکتے کی بات بتاؤں؟"

مصری نے جواب دیا: "بتائیں۔"

بساسیری نے کہا: "کل رات میں اسلامی شرع اور فقہ پر غور کر رہا تھا تو اچانک میرا دھیان مجھے کہیں اور لے گیا۔ مجھے کسی نے بتایا کہ جب تک پوری دنیا میں اسلام نہ پھیل جائے اور ساری دنیا مسلمان نہ ہو جائے اسلامی شرع اور فقہ کا نفاذ فضول ہے اور جب دریں حالات یہ چیزیں قبل از وقت اور فضول ٹھہریں تو پھر ہمارے اعمال اور افعال کا محاسبہ بھی فضول ٹھہرا۔ انصافاً اور ایمانداری سے ہم مذکورہ شرط کے پوری ہونے سے پہلے آزاد ہیں اور ہم سے ہمارے گناہ اور ثواب کے بارے میں پوچھ گچھ اور پکڑ نہیں ہونا چاہیے۔"

اس کے بعد اس نے شراب کا جام اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔

قریش بن بدران نے بساسیری کو ٹوک دیا اور اسے متنبہ کیا: "او دشمنِ دین و اخلاقیات! تو کیسی بے دینی اور غیر اخلاقی باتیں کر رہا ہے۔ تیری باتوں سے تو میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تو مسلمان ہی نہیں۔"

بساسیری نے لڑکھڑاتے لہجے میں جواب دیا: "میں مسلمان نہیں ہوں تو نہ سہی۔ تیرا دین تیرے ساتھ اور میرا دین میرے ساتھ۔"

قریش بن بدران نے رقاصاؤں کو دیکھا تو وہ لڑکے معلوم ہو رہے تھے، کیوں کہ ان کے بال لڑکوں جیسے کٹے تھے۔

مصری مہمان بھی ان کو حیرت سے دیکھ رہے تھے بساسیری نے پوچھا: "ان رقاصاؤں کو اتنے غور سے کیوں دیکھ رہے ہو؟"

مصری مہمان نے جواب دیا: "ہم یہ سوچ رہے ہیں کہ یہ لڑکیاں ہیں یا لڑکے؟"

بساسیری نے کہا: "یہ لڑکیاں ہیں! ان کو لڑکوں کی طرح رہنے کا شوق ہے۔" اس کے بعد اس نے ایک رقاصہ کو اپنے قریب بلایا: "جانشیا! ذرا ادھر میرے پاس تو آ۔"

جانشیا نے اپنے سر کو کھلا رکھا تھا، ریشمی قمیص مردوں جیسی تھی۔ مصری مہمانوں نے اس کا سر سے پاؤں تک کا جائزہ لیا تو ٹھوڑی کے نیچے نشیب و فراز نے ان کو یقین دلا دیا کہ وہ لڑکیاں ہی ہیں۔

ایک مصری مہمان نے پوچھا: "یہ اس طرح کیوں ہیں؟"

بساسیری نے جواب دیا: "ان پر کسی قسم کی پابندی عائد نہیں کی گئی۔ بغداد اور اس کے نواح میں بہت سی لڑکیاں اسی وضع قطع میں نظر آئیں گی اور ان کو ہم غلمانیات کہتے ہیں۔"

مصریوں کو یہ حلیہ اور یہ شکلیں بہت اچھی لگیں اور وہ حریصانہ نظروں سے انھیں دیکھتے رہے۔

خوب صورت لڑکیاں کنیزوں کا کردار ادا کر رہی تھیں۔ صراحیاں شانوں پر اور پیالی ہاتھوں میں۔ جو ان سے طلب کرتا یہ پیالہ اس کے ہاتھ میں دے کر صراحی سے شراب اس میں انڈیل دیتیں۔ مے خوار اشاروں کنایوں میں ان سے چھیڑ چھاڑ بھی کر رہے تھے۔ یہ لڑکیاں غیر مسلم ممالک سے تعلق رکھتی تھیں۔

قریش بن بدران نے بساسیری سے پوچھا: "تو نے اتنی اچھی اور خوب صورت کنیزیں کہاں سے خریدیں؟"

بساسیری نے جواب دیا: "ابن الیمین سے۔ اس کی نظر اور انتخاب کا کوئی جواب نہیں۔"

اس محفل میں ایک ایسا شخص بھی موجود تھا جو شراب سے نفرت کرتا تھا لیکن رقص و موسیقی سے دلچسپی رکھتا تھا۔ بساسیری نے اس کو اس حال میں دیکھا کہ کنیزوں سے بے نیاز اور مغنیاؤں اور رقاصاؤں کو والہانہ دیکھ رہا تھا۔ اس نے قریش بن بدران سے کہا: "ذرا اس بے وقوف کو بھی دیکھنا دو آتشہ کے بجائے یک آتشہ کے مزے لے رہا ہے۔"

پھر اس نے ایک صراحی بردوش کنیز کو اپنے پاس بلایا اور پوچھا: "کیا تو اپنے فرائض منصبی سے آگاہ نہیں ہے؟"

کنیز گھبرا گئی، جواب دیا: "میں واقف ہوں خوب اچھی طرح واقف ہوں لیکن کیوں؟"

بساسیری نے اس شخص کی طرف اشارہ کیا: "کیوں کی بچی! اُدھر دیکھ اس شخص کو۔"

کنیز نے جواب دیا: "ہاں میں اسے دیکھ رہی ہوں لیکن کیوں؟ کیا کوئی خاص بات ہے اس شخص میں؟"

بساسیری غصے کی اداکاری کر رہا تھا: "وہ شخص... یہ کیسا آدمی ہے جو تیری شراب سے ابھی تک محروم ہے؟"

کنیز نے جواب دیا: "میں اس کے پاس گئی تھی لیکن وہ شراب نہیں پیتا۔ اس نے شراب لینے سے انکار کر دیا۔"

بساسیری نے کہا: "وہ انکار کر رہا ہے لیکن یہ محفل میری ہے۔ تو اس کے پاس جا اور اس سے کہہ کہ یہ بات آدابِ محفل کے خلاف ہے کہ جو کام پوری محفل کر رہی ہے کوئی ایک شخص اس سے محترز رہے۔"

کنیز نے کہا: "اگر آپ مجبور کرتے ہیں تو میں اس کو شراب ضرور پیش کروں گی۔"

بساسیری کو چڑھی ہوئی تھی اس لیے وہ جو کچھ کہہ رہا تھا، کر رہا تھا اس میں احتیاط اور توازن نہیں پایا جاتا۔

کنیز نے پیالہ اس شخص کی طرف بڑھا دیا: "اے خشک طبع نوجوان! تو اہلِ محفل سے محترز اور گریزاں کیوں ہے؟ لے پیالہ لے اور محفل والوں کا ساتھ دے۔"

اس شخص نے کنیز کو نہایت غور سے دیکھا۔ اس کو کنیز کا اندازِ تخاطب بھی بہت اچھا لگا۔ وہ کن انکھیوں سے اس شخص کو دیکھ رہی تھی۔

کنیز اس کی نگاہوں کی تاب نہ لاسکی نظریں نیچی کر لیں اور اس شخص سے پوچھا: "کیا آپ حسِ لطیف نہیں رکھتے؟"

اس شخص نے جواب دیا: "کیا تو یہ نہیں جانتی کہ انسان کا پندار کیا ہوتا ہے اور اگر کسی طرح اس پندار کو توڑ دیا جائے تو اس سے اس پندار شکن کو کیسی روحانی اور غیر روحانی تکلیف پہنچ سکتی ہے۔ شاید تو اس کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتی!"

کنیز نے کہا: "میں یہ سب نہیں جانتی۔ تجھ کو میرے ہاتھ سے شراب کا یہ پیالہ پینا ہی پڑے گا۔"

اس شخص نے کنیز کا پیالے والا ہاتھ کلائی سے پکڑ لیا۔ کنیز نے ترچھی نظروں سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا اور ناز و انداز سے کہا: "اب پی بھی لے۔ ایسی بھی ضد کس کام کی۔ وہ دیکھ بساسیری کی طرف۔ اس کی نظریں تیری ہی طرف ہیں۔"

کنیز کی مخمور آنکھوں سے خارج ہونے والی نشیلی کیفیات اس شخص کے رگ و پے میں سرایت کرنے لگیں۔

کنیز نے صراحی کا منہ پیالے میں جھکا دیا اور قلقل کی آوازوں کے ساتھ پیالہ شراب سے لبریز ہونے لگا۔ کنیز نے کہا: "یہ نبیذ ہے اور اس کو علمائے عراق نے جائز قرار دیا ہے۔ احتراز سے باز آ اور پیالے کو چپ چاپ منہ سے لگا لے۔"

اس شخص نے پینے سے پہلے کنیز کی آنکھوں میں جھانکا اور کہنے لگا: "اے اللہ! تو دیکھ رہا ہے کہ میں کس طرح شکار کیا جا رہا ہوں! اس مہوش کی آنکھوں میں جو شراب تو نے روزِ ازل میں بھر دی ہے آج وہ میری آنکھوں میں انڈیل دی گئی۔ میری دونوں آنکھیں کچھ دیر کے لیے قیف بن گئیں اور میرا دل پیالہ۔ اور جب میرے دل کا پیالہ تو نے لبریز ہی کر دیا ہے تو میں اس اضافی حقیر شراب سے کیا بچوں؟"

وہ پیالے کو غٹا غٹ چڑھا گیا۔ بساسیری اور قریش بن بدران اس دلچسپ منظر کو بڑی توجہ اور شوق سے دیکھ رہے تھے۔

بساسیری نے نہایت پُرجوش آواز میں رقاصاؤں کو رقص کی اور مغنیاؤں کو گانے کا حکم دیا۔ گھنگھروؤں کی جھنکار کے ساتھ ہی نرم و نازک ہونٹوں سے نکلنے والے سُروں نے ماحول کو مست و سرشار کر دیا۔

اس شخص نے کنیز کی کلائی پکڑ رکھی تھی اور اس سے اصرار کر رہا تھا کہ وہ پوری صراحی اس کو پلا دے۔ کنیز مصیبت میں پھنس

گئی تھی۔ اس نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔ "یہ کیا کر رہا ہے
تو؟ دیکھ محفل کی کتنی نظریں ہم دونوں پر جمی ہوئی ہیں۔"
وہ بدمستی میں بھی ہوش کی باتیں کر رہا تھا: "لڑکی! جب
میں نے ان نظروں کا خیال نہیں کیا جو ہر جگہ، ہر ظاہر و باطن شے
دیکھنے پر قادر ہیں تو میں ان پر از گناہ، حاسد اور عیب جو نظروں کی
کیا پروا کروں گا؟"

کنیز نے بساسیری کی طرف دیکھا۔

بساسیری اس کشاکش سے لطف اندوز ہو رہا تھا اس لیے منہ
پھیر لیا۔

قریش بن بدران نے بساسیری کا پہلو دبایا: "کیا تم دیکھ رہے
ہو کہ اُدھر کیا ہو رہا ہے؟"

بساسیری نے بھی قریش بن بدران کا پہلو دبایا: "اُدھر مت
دیکھ اور اگر دیکھنا ہی ہے تو کن انکھیوں سے دیکھ، توجہ مت دے۔ میں
نے آخر کار اس کو شراب پلوا ہی دی۔"

قریش نے پوچھا: "لیکن یہ ہے کون؟ اور اس محفل خاص
میں کس کے ساتھ آیا ہے؟"

بساسیری کو جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو، اچھل گیا۔ پوچھا
"کیا یہ شخص تیرے ساتھ نہیں آیا؟"

قریش بن بدران نے جواب دیا: "نہیں! اس کا مجھ سے کوئی
تعلق نہیں، میں اسے نہیں جانتا۔"

ایک کھلبلی سی مچ گئی۔ بساسیری سب سے زیادہ پریشان
تھا کہ یہ اجنبی اس محفل خاص میں آخر کس طرح گیا۔ آخر ابوالحارث مہارش
نے بتایا کہ "یہ میرے ساتھ ہے، ترک ہے اور غیر معمولی دلیر اور عقلمند
آدمی ہے۔"

بساسیری نے کہا: "تو اس کو کب سے جانتا ہے؟"

مہارش نے جواب دیا: "دو سال سے۔ پہلے یہ ابراہیم اینال
کے ساتھ تھا۔ اب یہ ہمارے ساتھ ہے کیونکہ ابراہیم اینال کو
قتل کر دیا گیا۔"

قریش بن بدران نے مہارش کو سمجھایا: "بھائی مہارش! تم ایک
تجربہ کار والی ہو، کسی اجنبی کا اس طرح اپنی خاص محفل میں لے آنا
میرے خیال میں مناسب بات نہیں ہے۔"

مہارش نے جواب دیا: "یہ ابراہیم اینال کا آدمی ہے اور
میرے لیے اس کے بارے میں اتنا ہی جاننا کافی ہے کہ یہ بھی
سلطان طغرل سے ابراہیم اینال ہی جتنی نفرت کرتا ہے۔"

بساسیری خوش ہو گیا۔ اس کے چہرے سے تشویش رخصت
ہو گئی اور اس کی جگہ اطمینان اور سکون نے لے لی۔ مہارش سے کہا
"بہت خوب۔ پھر تو بہت اچھا آدمی ہوگا۔ واللہ ایسے آدمی ہمارے لیے
زیادہ سودمند ثابت ہوں گے جو سلطان طغرل کے زخم خوردہ ہوں۔"

پھر مہارش سے کہا: "یہ جو کچھ کر رہا ہے کرنے دے، اُدھر مت دیکھ۔"

قریش بن بدران نے پوچھا: "اس کا نام کیا ہے؟"

مہارش نے جواب دیا: "خمارتگین۔ یہ اصل نسل کا ترک ہے۔"

بساسیری چونک گیا۔ مہارش سے کہا: "کیا نام بتایا تو نے؟
ذرا پھر تو لینا یہ نام۔"

مہارش نے دوبارہ نام لیا: "خمارتگین۔"

بساسیری نے پوچھا: "اگر میں غلطی پر نہیں تو اس نام کا ایک
بہادر سردار سلطان طغرل کی فوج میں بھی ہے اور وہ شاید اس پر بہت
زیادہ بھروسا کرتا ہے۔"

مہارش نے جواب دیا: "ایک نام کے کئی کئی سردار ہماری
فوج میں بھی موجود ہیں۔ اس میں حیرت کی کیا بات ہے!"

بساسیری نے کہا: "ہاں! یہ بات بھی ہے۔ اگر وہ ایسا ہی قابلِ
اعتماد ہے تو اس کا تعارف مجھ سے کرا۔ یہ میرے لیے بھی ...
واجب العزت ہے۔"

مہارش اس ترک سردار کے پاس خود چل کے گیا جو ابھی تک
کنیز کا پیچھا پکڑے ہوئے تھا۔

مہارش کے ہٹتے ہی بساسیری نے قریش بن بدران سے
پوچھا: "مہارش تیرا بھائی ہے۔ کیا تو یہ بتا سکتا ہے کہ ہم اس پر کہاں
تک بھروسا کر سکتے ہیں؟"

قریش بن بدران نے جواب دیا: "مہارش میرے چچا کا بیٹا
ہے اور اس کی وفاداری کے بارے میں اتنا ہی جاننا کافی ہے کہ
حدیثہ عانہ میں اس نے امیر المومنین کو قید کر رکھا ہے!"

بساسیری نے کہا: "امیر المومنین! کس کا امیر المومنین؟ جب
وہ امیر المومنین نہیں، قائم ہے۔ وہ قائم جو کبھی قائم بامراللہ ہوا کرتا تھا
لیکن اب وہ ہمارا قیدی ہے اور ہم اسے جب چاہیں جہنم رسید کر دیں۔"

مہارش خمارتگین کو اسی طرح بساسیری کے پاس لا لایا کہ ...
...... صراحی بردوش کنیز بھی اس کے ساتھ ہی چلی آئی کیونکہ
کنیز کی کلائی خمارتگین نے ابھی تک مضبوطی سے پکڑ رکھی تھی۔

بساسیری نے خمارتگین کو بغور دیکھا اور سوال کیا: "سلطان طغرل
کا ساتھ کیوں چھوڑ دیا تو نے؟"

خمارتگین نے برجستہ جواب دیا: "ابراہیم اینال نے اس کا
ساتھ کیوں چھوڑ دیا تھا؟"

بساسیری نے کہا: "وہ تو درست ہے لیکن تو تو سلطان طغرل کا
بہت وفادار ترک سردار تھا۔"

خمارتگین نے جواب دیا: "لیکن ابراہیم اینال تو اس کا بھائی تھا۔"

بساسیری کا دل صاف نہیں ہوا تھا۔ اس نے کنیز کی طرف
اشارہ کیا: "یہ اس کا ہاتھ کیوں پکڑ رکھا ہے تو نے؟"

خمارتگین نے کنیز کے خلاف احتجاج کیا: "اس نے میرا

پندار توڑ دیا۔ توڑا نہیں بلکہ تڑوا دیا۔ اب میں اس کا ہاتھ نہیں چھوڑوں گا۔"

بساسیری نے کہا: "لیکن یہ میری کنیز ہے، اس پر تیرا کیا حق؟"

خمار تگین نے جواب دیا: "بے شک یہ کنیز آپ کی ہے۔ یہ محفل بھی آپ ہی کی ہے۔ بغداد بھی آپ ہی کا ہے اور یہاں کی ہر چیز آپ ہی کی ہے یہاں تک کہ میں خود بھی آپ ہی کا ہوں۔"

بساسیری اس جواب سے اتنا خوش ہوا کہ اس نے وہ کنیز خمار تگین کو بخش دی اور کہا: "جب محفل برخاست ہو جائے تو یہ کنیز تیری ہوگی۔ اس کو تو اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے۔"

کنیز گھبرا رہی تھی لیکن خمار تگین نے اسے بتایا: "لڑکی! میرا یہ اصول ہے کہ میں جس چیز کی خواہش کرتا ہوں آخر کار اسے حاصل کر لیتا ہوں۔"

بساسیری نے ان دونوں کو باتیں کرنے سے منع کیا: "تم دونوں ہم سب کی طرح رقص و موسیقی سے لطف حاصل کرو اور خواہ مخواہ باتیں کر کے محفل کو بدمزہ نہ کرو۔"

دونوں چپ ہو گئے اور پھر جو رقص و موسیقی کی گرم بازاری ہوئی تو اللہ کی پناہ۔ گھنگھروؤں کی جھنکار کانوں میں اس طرح سرایت ہو کر رہ گئی کہ بعد میں کئی دنوں تک یہ جھنکار کانوں میں گونجتی رہی۔

گلابدن شیم و دیبا کے لباس میں ملبوس مغنیہ جو اشعار گا رہی تھی بساسیری... انھیں بہت بے دلی سے سن رہا تھا۔

"اے زمانے! میں تجھ کو برا بھی نہیں کہہ سکتی کیوں کہ تو خدا ہے۔

کل میں غلام کی حیثیت سے بساسیری ایک سوداگر کے ہاتھ بک گیا تھا۔

پھر اس سوداگر سے آل بویہ کے درخشندہ ستارے عضدالدولہ نے مجھے خرید لیا۔

دو بار غلام کی طرح بکنے والا آج بغداد اور اہالیان بغداد کی قسمتوں کا مالک بن گیا۔

یہ سب کیا ہے؟ یہ زمانے کی نیرنگیاں، زمانے کی دھوپ چھاؤں ہے۔

اب کیا ہوگا؟ کوئی نہیں جانتا۔ نہ میں، نہ تم اور نہ کوئی اور۔

کہاں ہیں وہ ستارہ شناس اور انسانوں کے مستقبل شناس

ادھر آؤ بساسیری کے پاس اور ہمیں بتاؤ کہ اس کا کل کیسا ہے؟

آج سے زیادہ درخشاں یا بلکہ اس غلام سے زیادہ برا۔

جو دو دو بار بک کر ذلیل و خوار ہوا۔ اے زمانے! اے زمانے!

میں نے سنا ہے ہر شے اپنی اصل کی طرف جاتی ہے جیسا کہ اللہ خود فرماتا ہے۔

کل شیءٍ یرجع الی اصلہ...... لوگو! مجھے بتاؤ! اس کی اصل کیا ہے؟

اے ابوالحرث! اے ارسلان! تجھ کو یہ اقبال مندیاں، یہ خوش بختیاں۔ اور خوشیاں میری طرف سے مبارک ہوں لیکن اس روشن دن میں اس سیاہ رات کو مت بھول جانا جو تیرا، ہم سب کا مقدر ہے۔

کیوں کہ یہی یادداشت، یہی عمل تجھ کو انصاف پر مائل کریگا۔ انصاف پر قائم رکھے گا۔ انصاف کا خوگر بنائے گا، انصاف کا خوگر رکھے گا۔

اے بساسیری! اے ابوالحرث! اور اے ارسلان!

سازندوں نے اتنے اچھے ساز بجائے تھے اور مغنیہ نے اتنی اچھی دھن میں یہ گیت گایا کہ محفل وجد میں آ گئی لیکن خود بساسیری مغنیہ سے ناراض ہو گیا۔ گو گانا ختم ہونے کے بعد اس نے مغنیہ کو اپنے پاس بلایا اور اسے اپنے سامنے بٹھا لیا۔

قریش بن بدران نے اس کی بڑی تعریفیں کیں۔ "اے مغنیہ! میں حیران ہوں کہ کیا لاجواب اور حسب حال کلام تجھ کو مل گیا ہے۔"

مہارش نے کہا: "تیری دھن بھی خوب تھی۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ دھن کس نے بنائی تھی؟"

بساسیری نے اپنا چہرہ دونوں ہتھیلیوں پر جھکا رکھا تھا اور دونوں کہنیاں دونوں گھٹنوں پر ٹکی ہوئی تھیں۔

مہارش پوچھ رہا تھا: "ہاں تو تو نے ہمیں یہ نہیں بتایا کہ یہ دھن کس کی تھی؟"

لیکن جواب سے پہلے قریش بن بدران نے سوال کر دیا۔

"اور یہ ضرور بتانا کہ یہ پُراسرار کلام کس کا تھا؟"

مغنیہ نے جواب دیا: "کلام بھی میرا تھا اور دھن بھی میری۔"

حاضرین اور سامعین کو اس جواب سے بڑی حیرت ہوئی

خمار تگین نے پوچھا: "اور بساسیری جو اس وقت ہم سب کا آقا ہے کے بارے میں اتنی ساری معلومات کہاں سے حاصل کیں تو نے؟"

بساسیری نے سب کو ڈانٹ دیا: "بند کرو اپنی بکواس!" اس کے بعد مغنیہ سے کہا: "اس میں کوئی شک نہیں کہ تیرا کلام تیری دھن سے بہتر ہے اور تیری دھن تیرے کلام سے بہتر مگر میں نہیں سمجھ سکتا کہ کس کو کس پر ترجیح دوں۔ دونوں ایک سے ایک بڑھ کر۔"

بساسیری کی ڈانٹ نے سب کو خاموش اور تحیر نے سب کو اس کی طرف متوجہ کر دیا تھا۔

مغنیہ نے لجاجت سے عرض کیا: "نادانستگی میں بات کہہ گئی... دل کی بات ہو گئی ہو تو میں شرمندہ بھی ہوں اور معذرت خواہ بھی۔"

بساسیری نے حاضرین سے کہا: "ندیمو! اپنے

ماضی کو کبھی نہیں بھول سکتا وہ آج بھی کل کی طرح یاد ہے مجھے۔ شمع فروزاں کی طرح وہ میرے حافظے اور یادداشت کے فانوس میں چراغاں کرتا رہتا ہے۔ اس لیے جب کچھ دیر پہلے اس نے گیت میں اس کا ذکر کیا تو میں تڑپ گیا۔"

بساسیری کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

مغنیہ نے دوبارہ معذرت کی۔ "میں اپنی شرمندگی کا دوبارہ اظہار کرتی ہوں اور دوبارہ معذرت خواہ ہوں۔ میرا خیال تھا کہ میرا یہ کلام آپ سے گراں مایہ داد وصول کرے گا لیکن میرے اندازے غلط نکلے۔"

بساسیری نے کہا۔ "مجھ کو تیرے کلام اور تیری دھن سے کوئی اختلاف نہیں، میں نے کہہ تو دیا کہ دونوں ہی خوب ہیں لیکن مجھ کو اختلاف صرف اس بات سے ہے کہ تو نے اپنے کلام میں جب مجھ کو یہ یاد دلایا کہ ہر شے اپنی اصل کی طرف واپس جاتی ہے تو میں ڈر گیا۔ میں خوفزدہ ہو گیا۔"

قریش بن بدران نے پوچھا۔ "وہ کیوں میرے دوست؟"

بساسیری نے جواب دیا۔ "میں اپنی اصل نسل سے ترک ہوں، خانہ بدوش لٹیرا ترک، حقیر اور ذلیل۔ جس کو دو وقت کا کھانا بھی میسر نہ ہو۔ میری اصل تو یہ تھی، میری اصل تو یہ ہے کیا تو نے اپنے کلام میں مجھے ڈرانے کی کوشش کی ہے کہ میں دوبارہ ذلیل و خوار ہو جاؤں گا، میں ایک بار پھر بے آسرا، بے سہارا ہو جاؤں گا۔"

مغنیہ نے جواب دیا۔ "نہیں، میرا یہ منشا ہرگز نہ تھا۔ آپ یقین کریں، میں کسی حال میں بھی آپ کا برا نہیں چاہتی۔"

بساسیری نے محفل برخاست کر دی وہ بہت زیادہ اداس ہو گیا تھا۔

بساسیری تو قصرِ خلافت میں کہیں گم ہو گیا لیکن قریش بن بدران اور مہارش اور خمار تگین دریائے دجلہ کے کنارے ایک کشتی میں جا بیٹھے۔

مہارش نے پوچھا۔ "یہ آپ اس وقت کہاں جا رہے ہیں؟"

قریش بن بدران نے جواب دیا۔ "تو میرا ابن عم ہے۔ میں تجھ سے نہیں چھپاؤں گا۔ میں تجھ کو یہاں اس لیے لایا ہوں کہ چند اہم معاملوں میں تجھ سے مشورہ کروں۔"

مہارش نے کہا۔ "یہ مشورہ ہم دونوں گھر میں بھی کر سکتے تھے۔"

قریش نے جواب دیا۔ "بے شک، لیکن گھر میں یہ قباحت بھی ہے کہ وہاں آنے جانے والوں کا ہجوم رہتا ہے اور میں جو یہاں باتیں کر سکتا ہوں کہیں اور نہیں۔"

مہارش نے کہا۔ "اچھا تب پھر کریں باتیں اور لیں مجھ سے مشورے۔"

خمار تگین ان باتوں میں بڑی دلچسپی لے رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے بھی ایک سوال کر دیا۔ "جناب! یہ آپ لوگ جس قسم کی باتیں کرتے ہیں عوام کی سمجھ میں یعنی میری سمجھ میں بالکل نہیں آ رہیں۔"

مہارش نے کہا۔ "اب تو اتنا گیا گزرا بھی نہیں کہ میری باتیں تیری سمجھ سے بالاتر ہوں۔"

قریش بن بدران ابھی تک مغنیہ کی پیش گوئی میں الجھا ہوا تھا۔ "ہر شے اپنی اصل کی طرف واپس جاتی ہے۔" وہ سوچ رہا تھا "کیا یہ الہامی باتیں نہیں ہیں جو مغنیہ کی زبان سے ادا کرا دی گئیں کیا بساسیری کا زوال قریب ہے؟"

مہارش نے پوچھا۔ "یہ آپ سوچ کیا رہے ہیں؟"

قریش بن بدران نے جواب دیا۔ "کچھ بھی نہیں، مگر صرف یہ کہ کیا بساسیری کا زوال بہت قریب ہے؟"

مہارش نے پوچھا۔ "یہ کس بات سے آپ نے اندازہ لگایا؟"

قریش بن بدران کو اچانک وہ کنیز یاد آ گئی جو خمار تگین کو بساسیری نے بخش دی تھی۔ پوچھا۔ "خمار تگین! تیری وہ کنیز کہاں چلی گئی؟"

مہارش ہنسنے لگا۔ پوچھا۔ "بھائی قریش! یہ آج آپ کو ہو کیا گیا ہے؟ کنیز بھی اسی کشتی میں ہمارے ساتھ ہے۔"

کشتی کا ملاح قریش بن بدران اور مہارش کو پہچانتا تھا اس لیے وہ دم سادھے خاموشی سے کشتی کو کھینے میں مشغول تھا۔

قریش بن بدران نے حیرت سے کنیز کی طرف دیکھا شاید اندھیرے کی وجہ سے وہ صاف نظر نہیں آ رہی تھی۔

قریش نے کشتی میں زور سے پاؤں پٹخا۔ "افسوس کہ تخلیہ یہاں اس کشتی میں بھی نہیں! اب میں کہاں جاؤں؟"

مہارش نے جواب دیا۔ "میں پریشان ہوں کہ آج یہ آپ کو ہو کیا گیا ہے؟ آپ آخر چاہتے کیا ہیں؟"

قریش نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔ "میں کیا بتاؤں کہ میں کیا چاہتا ہوں۔"

مہارش نے اصرار کیا۔ "پھر بھی آپ بتائیں تو سہی کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔"

قریش بن بدران نے کنیز کے بارے میں اطمینان چاہا۔ "یہ ہماری باتیں سن کر بساسیری کو تو نہیں پہنچا دے گی؟"

مہارش نے وعدہ کیا۔ "ایسا نہیں ہوگا آپ یقین کیوں نہیں کرتے اور اب یہ کنیز بساسیری تک جائے گی کس طرح؟"

قریش نے کہا۔ "تب پھر میری باتیں تم دونوں ذرا غور سے سنو۔ بساسیری اور میں یعنی ہم دونوں اقتدار بالشرکت کے معاہدے سے سرگرم عمل ہوئے تھے۔ اب میں سوچ رہا ہوں کہ اگر بساسیری

کو زوال آ گیا تو میرا کیا بنے گا؟"

مدارش نے پوچھا: "لیکن یہ زوال بساسیری کو آئے گا ہی کیوں؟"

قریش نے جواب دیا: "اس دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کو کیوں اور کیا جیسے سوالوں سے کسی حد تک ہی سمجھا جا سکتا ہے بہت زیادہ نہیں۔ سلطان طغرل بیگ اس کے زوال کا سبب بن سکتا ہے۔"

مدارش نے پوچھا: "پھر؟ اس وقت ہم کیا کریں گے؟"

قریش بن بدران نے جواب دیا: "اس دورِ نفسا نفسی میں ہم دونوں مل جل کر قدم اٹھائیں گے۔"

مدارش نے پوچھا: "وہ کس طرح؟"

قریش نے کہا: "امیر المومنین تیرے قبضے میں ہیں؟"

مدارش نے جواب دیا: "ہاں وہ میرے قبضے میں ہیں۔"

قریش نے پوچھا: "اور وہ ارسلان خاتون؟ سلطان طغرل کی بھتیجی وہ کہاں ہے؟"

مدارش نے جواب دیا: "وہ میری خاتون کے ساتھ رہتی ہے۔"

قریش نے مشورہ دیا: "اب اگر تو یہ چاہتا ہے کہ ہم دونوں اسی طرح خوش و خرم اور بااختیار زندگی گزاریں تو تو ان دونوں کو لے کر کسی بیابان یا صحرا میں چلا جا۔ ایسے بیابان یا صحرا میں جس کی دوسروں کو خبر نہ ہو۔"

مدارش نے پوچھا: "اس سے ہمیں کیا فائدہ پہنچے گا؟"

قریش نے جواب دیا: "یہ کہ جب بساسیری کو زوال آ جائے گا تو ہم دونوں ان دو یرغمالیوں کی وجہ سے من مانی شرائط پر وہ سب حاصل کر لیں گے جو بساسیری اپنی بدقسمتی سے گنوا چکا ہو گا۔"

مدارش نے جواب دیا: "شاید ایسا نہ ہو۔"

قریش کو غصہ آ رہا تھا: "کیوں؟ ایسا کیوں نہیں ہو گا؟"

مدارش نے جواب دیا: "میں فی الحال آپ کو یہ نہیں بتا سکوں گا کہ ایسا کیوں نہیں ہو گا۔"

قریش نے پوچھا: "کیا سلطان طغرل ادھر بغداد کی طرف نہیں آئے گا؟"

مدارش نے جواب دیا: "سلطان ادھر ضرور آئے گا لیکن بساسیری کی وجہ سے۔ ہماری آپ کی وجہ سے نہیں۔"

کنیز دجلہ کے پانی میں ہاتھ ڈالے اس سے کھیل رہی تھی۔ خمارتگین نے اس کو منع کیا: "یہ کیا کر رہی ہے۔ اس طرح تو بیمار پڑ جائے گی۔"

مدارش نے بھی اسے منع کیا: "اس خنکی میں اپنے ہاتھ مت بھگو۔"

لیکن کنیز نے نہ تو جواب دیا اور نہ ہی پانی سے ہاتھ نکالا۔

فتاح نے بھی اس کو منع کیا: "جب دو شریف آدمی تجھ کو پانی میں ہاتھ بھگونے سے منع کر رہے ہیں تو باز کیوں نہیں آ جاتی؟"

کنیز نے فتاح کو منع کر دیا: "تو اپنے کام سے کام رکھ۔ میں جو کر رہی ہوں کرنے دے۔ مجھے اس میں مزہ آ رہا ہے۔"

فتاح نے سرد آہ بھری: "سچ کہا ہے کسی عاقل نے کہ عورت ناقص العقل ہوتی ہے۔"

قریش کو ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی وہ مدارش سے پوچھ رہا تھا: "بساسیری کے بعد ہمارا کیا حشر ہو گا؟"

مدارش نے پوچھا: "آپ آخر پریشان کیوں ہیں؟"

قریش نے جواب دیا: "میں اس لیے پریشان ہوں کہ مجھے



عجائب گھر کا افسر (سیاح سے): "آپ نے پانچ ہزار سال پرانا گل دان توڑ دیا۔"
سیاح: "شکر ہے، میں تو ڈر رہا تھا کہیں نیا نہ ہو۔"



بساسیری نے یہ بتایا ہے کہ سلطان طغرل کو مدعا ہے کہ امیر المومنین کو بغداد میں بلالو اور سلطان طغرل کا نام خطبوں میں شامل کر دو وہ عراق سے چلا جائے گا۔"

مہارش نے پوچھا: "اور بساسیری نے اس کا جواب دیا؟"

قریش نے جواب دیا: "بساسیری کا خیال ہے کہ اب سلطان طغرل پہلے کی بہ نسبت کمزور ہے اور اس کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔"

مہارش نے پوچھا: "جواب آپ کے خیال میں کیا ہوگا؟"

قریش نے جواب دیا: "اب ہوگا یہ کہ سلطان بساسیری پر حملہ کرے گا اور اس طرح بساسیری اپنی اصل کی طرف واپس چلا جائے گا۔"

مہارش نے کہا: "اچھا تو یہ بات ہے، ہاں اب بتائیں کہ ہمیں کب کرنا چاہیے؟"

قریش نے جواب دیا: "وہی جس کا میں نے مشورہ دیا تھا یعنی امیر المومنین اور ارسلان خاتون کو لے کر کسی بیابان یا صحرا میں روپوش ہو جا جب سلطان ہم سے ان دونوں کا مطالبہ کرے گا تو ہم اس کے سامنے اپنی شرائط رکھ دیں گے اور جو چاہیں گے حاصل کر لیں گے۔"

قریش نے طیش میں ... جو کچھ کہا تھا یا کہہ رہا تھا مہارش کو اس سے اختلاف تھا مہارش نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔

قریش نے پوچھا: "آخر کیوں؟ اس کی کوئی خاص وجہ؟"

مہارش نے جواب دیا: "میں نے بھی امیر المومنین سے چند وعدے کر رکھے ہیں۔"

قریش نے سختی سے کہا: "ہم تیرے وعدوں کے پابند نہیں ہیں۔"

مہارش نے عرض کیا: "آپ نہ ہوں پابند۔ میں تو ہوں ان کا پابند۔"

قریش نے پوچھا: "تیرے وعدے وعید میرے کام کیوں آنے لگے؟"

مہارش نے قریش کو مشورہ دیا: "یہ بہترین وقت ہے کہ آپ بساسیری سے پیچھا چھڑا لیں۔"

قریش نے جواب دیا: "میں سوچوں گا لیکن میرا خیال ہے اس وقت تو غلطی پر ہے۔"

خمار تگین مہارش سے بہت پریشان تھا۔ وہ یوں تو سبھی کو پریشان کر رہے تھے لیکن خمار تگین اس کو زیادہ محسوس کر رہا تھا۔ مہارش کے طفیل وہ گھر والوں کو جانے پر مجبور ہو گئے۔

قریش ہی کی حویلی میں مہارش نے بھی قیام کیا اور خمار تگین اور

کنیز نے بھی۔ معلوم نہیں کس چیز کی دھونی دی گئی تھی کہ اس کے دھوئیں سے مچھر بھاگ چکے تھے۔

دوسرے دن صبح جب یہ لوگ سو کر اٹھے تو وہاں خمار تگین اور کنیز نہیں تھے۔ وہ حدیثہ عانہ جا چکا تھا۔

قریش بن بدران نے اس کے بارے میں پوچھا تک نہیں لیکن جب بساسیری نے خمار تگین کو طلب کیا تو قریش کو کچھ تشویش محسوس ہوئی۔

مہارش بھی حدیثہ عانہ روانہ ہو گیا۔ اس کے ذرا دیر بعد بساسیری خود آ گیا۔ اس کے ساتھ چند سپاہی بھی تھے۔ بساسیری نے آتے ہی خمار تگین کو پوچھا: "وہ کب گیا ہے؟"

قریش نے جواب دیا: "میں نہیں جانتا لیکن مہارش ابھی کچھ دیر پہلے گیا ہے۔"

بساسیری نے بددلی سے کہا: "قریش! امیں معاہدہ یا اشتراکت ختم کر دوں گا۔"

قریش نے پوچھا: "اس کی کوئی خاص وجہ؟"

بساسیری سخت برہم تھا: "ہاں اس کی ایک خاص وجہ ہے یہ خمار تگین کون تھا؟"

قریش نے جواب دیا: "ابراہیم اینال کے باقیات میں سے ایک سلطان طغرل کا دشمن۔"

بساسیری شعلے کی طرح بھڑکا: "نہیں یہ جھوٹ ہے۔ وہ ابراہیم اینال کا نہیں سلطان طغرل کا آدمی ہے تھا ابراہیم اینال مرحوم کا دشمن۔"

قریش نے کہا: "ایسا کیوں کر ہو سکتا ہے۔ میرے ابن عم مہارش نے مجھے یہی بتایا تھا اور وہ جھوٹ کیوں بولے گا؟"

بساسیری نے کہا: "میں نہیں جانتا کہ مہارش نے ایسا کیوں کیا لیکن میں یہ ضرور جانتا ہوں کہ مہارش سلطان طغرل سے مل گیا ہے۔ اب وہ ہمارا آدمی نہیں رہا۔"

قریش اور زیادہ فکر مند ہو گیا "یہ دوسری حیران کن بات ہے یہ میں سن کیا رہا ہوں؟"

بساسیری تلملا رہا تھا: "افسوس کہ اس وقت میں یا میرے آدمی ان دونوں کا تعاقب بھی نہیں کر سکتے۔"

قریش نے اپنی رائے دی: "برادر عزیز! ان دونوں کے بارے میں اگر یہ خبریں درست ہیں تو ہم کو امیر المومنین اور ارسلان خاتون کو فوراً اپنے قبضے میں کر لینا چاہیے ورنہ ہمارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔"

بساسیری نے قریش کا مذاق اڑایا: "میں پوچھتا ہوں کیا وقت ہے تمہارے پاس ان کاموں کے لیے؟"

قریش نے کہا: "کیوں، وقت کو کیا ہوا ہے؟"

بساسیری نے جواب دیا: "سلطان طغرل اپنی فوجوں کے ساتھ ایک آدھ دن میں ہمارے سر پر ہو گا۔"

قریش نے حیرت سے پوچھا: "کیا سچ ہے؟"

بساسیری نے جواب دیا: "یہ خبر میرے مخبر لائے ہیں اور وہی مخبر یہ خبر بھی لائے ہیں کہ خمار تگین نے مہارش کو سلطان کے حق میں ملا لیا ہے۔"

قریش کو افسوس ہوا۔ آہستہ سے کہا: "یا اللہ یہ میں کیا سن رہا ہوں؟"

بساسیری نے دل کی بات صاف صاف کہہ دی: "اب میں تم پر بھی اعتبار نہیں کر سکتا۔ اب یہ بتاؤ کہ تمہارے کیا ارادے ہیں؟"

قریش نے جواب دیا: "میں تیرے ساتھ ہوں، میرا اعتبار کر میں دغا باز نہیں ہوں۔"

بساسیری نے کہا: "اگر یہ بات ہے تو تیاری کرو جنگ کی تیاری۔ سلطان طغرل آیا ہی چاہتا ہے۔"

قریش نے اسی وقت مہارش کے نام ایک خط لکھا:

"مہارش! میرے چچا کے بیٹے! جس وقت تجھ کو میرا یہ خط ملے گا سلطان طغرل بغداد کے در پر اپنی فوجوں کے ساتھ آ چکا ہو گا اس لیے میں تجھ کو حکم دیتا ہوں کہ امیر المومنین اور ارسلان خاتون کو کسی صحرا یا بیابان میں لے جا کر روپوش ہو جا اس طرح میں سلطان سے باآسانی سودے بازی کر لوں گا۔ خدا کرے وہ خبریں غلط ہوں جو میں تیرے بارے میں سن رہا ہوں۔ غدار اور دھوکے باز کبھی بھی خوش نہیں رہتے۔"

اس کے بعد قریش اپنی فوج یکجا کرنے لگا۔

⁂

سلطان طغرل کو جیسے ہی یہ خبر ملی کہ بساسیری گفت و شنید کو سلطان کی کمزوری پر محمول کر رہا ہے، اس نے اپنی فوج کو کوچ کا حکم دے دیا۔ اس کی یہ یلغار ترکوں کی فطرت کے عین مطابق تھی۔ برق رفتاری سے۔

سلطان کے دل میں قریش بن بدران کی بڑی عزت تھی کیونکہ اس کی وجہ سے امیر المومنین اور ارسلان خاتون زندہ اور باعزت زندگی گزار رہے تھے اس نے دو وفد الگ الگ روانہ کیے تھے۔ ایک تو قریش بن بدران کے پاس۔ اس وفد کو قریش بن بدران کے لیے چند تحفے بھی دیے گئے تھے اور دوسرا وفد مہارش کے پاس حدیثہ عانہ بھیجا گیا تھا۔ مہارش کو بھی چند تحفے بھیجے گئے تھے اور ایک پُر اثر خط بھی۔ اس خط اور تحائف کو خمار تگین لے گیا تھا۔

سلطان نے مہارش کو لکھا تھا!

"اے اللہ کے نیک بندے! تجھ کو کسی طور بھی یہ بات زیب نہیں دیتی کہ تو اپنے آقا اور اپنی قوم سے غداری کرے۔ وہ لوگ جو غداری اور دغابازی کے مرتکب ہوئے ہیں ہم سب ان کا حشر اپنی آنکھوں سے عنقریب دیکھ لیں گے۔

مہارش! کیا تو یہ پسند کرے گا کہ بغداد اور پورے عالم اسلام پر مصر کے فاطمی حکومت کریں؟ پھر وہ کیا چیز ہے جس نے تجھ جیسے شریف انسان کو بساسیری کا ساتھ دینے پر مجبور کر دیا ہے؟ تجھ کو بساسیری کی خدمت کے عوض کیا دیا گیا ہے؟ کیا دنیا اور آخرت کی قیمت تو نے بساسیری سے وصول کر لی؟

شاید ہی نہیں، یقیناً نہیں۔ دونوں جہانوں کی قیمت یہاں کون ہے جو ادا کرے گا۔ امیر المومنین قائم بامر اللہ رسول اللہ کے چچا عباسؓ کی اولاد میں ہیں تو ان کے ساتھ جو کچھ کرے گا اس کی جزا یا سزا دونوں جہانوں میں پائے گا۔

میں نے تیری رہنمائی کر دی ہے اب تجھ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ جس کا ساتھ دینا چاہے دے۔ ایک طرف صرف دنیا ہے، یہ دنیا جس میں ہم نغمہ میں فانی یعنی دنیا اور دوسری طرف دو دنیاؤں کا اجر ہے۔ اس فانی دنیا کا بھی اور دوسری دائمی دنیا کا بھی۔

ہم عنقریب بغداد میں داخل ہو جائیں گے اور وہاں تیرا اور امیر المومنین کا بے چینی سے انتظار کریں گے۔"

جب خمار تگین اس خط کے ساتھ مہارش سے ملا تو مہارش کی دنیا ہی بدل گئی اور وہ سلطان طغرل کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گیا۔

مہارش نے اس سے پوچھا: "مجھ سے صرف یہی کام لینا ہے یا کوئی اور کام بھی ہے؟"

خمار تگین نے جواب دیا تھا: "ایک کام اور، بساسیری کو میں پہچانتا نہیں ہوں۔ میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

مہارش نے کہا: "یہ آسان کام ہے بہت آسان۔"

مہارش اسی وقت اس کو بغداد لے گیا اور بساسیری کی محفل رقص و موسیقی میں جا بٹھایا۔ وہاں اس نے بساسیری کو خوب اچھی طرح قریب سے دیکھا اور اس سے باتیں بھی کیں اور

جب وہ اس سے ایک کنیز لے کر چلا گیا تو بساسیری کے مخبروں نے خمارتگین اور صمارش کے بارے میں صحیح... خبریں پہنچائیں۔

اب بساسیری سلطان طغرل سے خوفزدہ تھا۔ اس کو اندازہ نہیں تھا کہ سلطان اس کے جواب کے بعد اتنی عجلت میں کوئی قدم اٹھائے گا۔ اس نے جنگ کے لیے تیاری تو کر لی لیکن دل اس کا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ مصر کی فاطمی خلافت بھی خاموش تھی۔ اس نے بھی کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

ایسی تشویش اور الجھن میں اس کا مصر روانہ کیا ہوا وفد بھی واپس آ گیا۔ فاطمی خلیفہ مستنصر علوی نے اس کو جواب میں لکھا تھا۔

"تو فکر نہ کر۔ ہماری تائید تیرے حق میں اور تیرے ساتھ ہے۔ ہم تیرے لیے فوج بھی روانہ کر دیں گے لیکن ابھی نہیں۔ اس کے لیے کچھ وقت درکار ہے اور پھر جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ تو نے اپنے حصے کا سارا کام بفضلِ ایزدی ہماری مدد کے بغیر ہی انجام دے دیا ہے تو دل کو بڑی خوشی ہوتی ہے۔ بہر حال، یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم تیری دلانے دے' سے... مدد کریں اور یہ تیرا حق ہے کہ تو ہم سے مدد چاہے۔"

اس گول مول جواب سے اس کی ہمت ٹوٹ گئی۔

بساسیری نے یہ سمجھ لیا تھا کہ بات وہ نہیں ہے جو خط میں لکھی گئی ہے بلکہ بات کچھ اور ہے جو خط میں نہیں لکھی گئی۔

اس نے اپنے وفد کے ایک آدمی سے پوچھا "تو سچ سچ بتا بات کیا ہے؟"

لیکن اس نے بھی وہی بتایا جو خط میں تحریر تھا۔

بساسیری نے اسے جھڑک دیا "میں تجھ سے اس خط کی بابت نہیں پوچھ رہا جو فاطمی خلیفہ نے مجھے بھیجا ہے بلکہ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ فاطمی خلیفہ نے جب یہ خط لکھوایا ہے تو وہاں کون کون تھا اور وہاں کیا باتیں ہو رہی تھیں؟"

اس نے جواب دیا "اس وقت خلیفہ کے پاس اس کا وزیر ابن المغربی بھی موجود تھا اور وہ آپ کی سخت مخالفت کر رہا تھا۔"

بساسیری نے اپنے حافظے پر زور دیا اور کہا "تو یہ ابن المغربی ہے جو وہاں میری مخالفت کر رہا ہے حالانکہ یہ کبھی آلِ بویہ کی حکومت میں ایک ذمہ دار منصب پر فائز تھا۔ پھر اس کے بارے میں یہ معلوم ہوا کہ مجھ سے خوفزدہ ہو کر مصر چلا گیا اور اب وہ مصر کی فاطمی خلافت کا وزیر ہے۔"

اس شخص نے جواب دیا "ہاں یہ وہی ہے اور میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے کہ وہ خلیفہ کو یہ باور کرا رہا تھا کہ بساسیری نے یہ جو کچھ کیا ہے اپنے طور پر اپنے فائدے کے لیے کیا ہے۔ وزیر نے یہ بھی کہا کہ بساسیری اپنے منصوبوں میں کامیاب ہو گیا تو وہ فاطمی خلافت پر قابض ہو جانے سے بھی دریغ نہیں کرے گا اور اس نے خلیفہ کو یہ بھی باور کرا دیا کہ اگر بساسیری کی مدد کی گئی تو عباسی خلافت اور اس کے حامی اور ساوتگین کل مصری فاطمی خلافت کے خلاف بھی محاذ آرائی شروع کر دیں گے اور اس کا یہ نتیجہ بھی نکل سکتا ہے کہ جوابی کارروائی سے مصر میں بھی عباسی خلافت قائم ہو جائے۔ اس لیے میرا مشورہ یہ ہے کہ ہمیں بساسیری کی کسی طور بھی مدد نہیں کرنا چاہیے۔"

بساسیری کو بہت دکھ ہوا۔ اس نے ابن المغربی کو بری گالیاں دیں اور کہا "اے ابن المغربی! تیرا مشورہ حاسدانہ ہے اور تو نہیں جانتا کہ میں نے جو کچھ کر دکھایا تھا اگر یہ قائم رہتا اور مصر کی فاطمی خلافت میرا ساتھ دے تو آئندہ چند سو سالوں میں پورے عالمِ اسلام میں ہماری حیثیت ہی کچھ اور ہو جاتی اور شاید ہماری اقلیت اکثریت میں بدل جاتی۔ مگر افسوس ابن المغربی، تو نے ہماری اور اپنی قوم کو بہت پیچھے دھکیل دیا!"

اب بساسیری کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ فاطمی خلافت نے اسے بالکل مایوس اور بے کار کر دیا تھا۔

اب اس کے سامنے ایک ہی راستہ تھا۔ سلطان طغرل کا مقابلہ اور اپنی قوتِ بازو سے وہ کر دکھاتا جو فاطمی خلافت کی مدد سے بھی نہیں ہو سکا تھا۔

قریش بن بدران اور دوسرے حلیف بھی اس کے ساتھ ہی تھے۔

قریش کو صمارش نے پھر وہی جواب لکھ بھیجا تھا "افسوس کہ میں نے بھی امیر المومنین سے کچھ وعدے کیے ہیں اور میں یہ نبھاؤں گا۔ اس لیے امیر المومنین اور سلطان خاتون کو کسی صحرا یا بیابان میں لے جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

قریش بن بدران نے مایوس ہو کر بساسیری کا دامن پکڑا۔ بساسیری نے کہا "میں تو پہلے ہی صمارش کو شک کی نظر سے دیکھ رہا تھا۔"

تو ذوالقعدہ ۴۵۱ھ آیا تو بساسیری نے جشنِ مسرت منانے کا اعلان کیا۔ ٹھیک اسی تاریخ کو ایک سال قبل سلطان نے بغداد پر قبضہ کیا تھا اور اس تاریخ کو اس نے اپنی زندگی کی اہم ترین تاریخ قرار دیا تھا۔ اس کے امرا اور دوسرے بے تکلف ساتھی اس جشن میں اس کے ساتھ تھے۔ قریش بن بدران نے بساسیری کو یاد دلایا "بساسیری! تم کو یاد ہو گا کہ ایک سال پہلے تم نے اس تاریخ کو اپنی سعد ترین تاریخ قرار دیا تھا۔ آج بھی وہی سعد ترین تاریخ

ہے۔ تمھارا کیا خیال ہے تم کو اس سے فائدہ پہنچے گا یا نقصان؟"

بساسیری نے جواب دیا: "اس تاریخ کو میں آج بھی سعد ترین تاریخ سمجھتا ہوں اس لیے اس کا جشن منا رہا ہوں۔"

ابھی بات پوری ہی ہوئی تھی کہ ایک سپاہی بدحواس، دیوانہ وار اندر داخل ہوا: "جناب والا! غضب ہو گیا۔"

بساسیری نے پوچھا: "کیا ہوا؟"

اس آنے والے نے جواب دیا: "سلطان طغرل کا... مقدمۃ الجیش قصر شیریں تک آ چکا ہے۔"

بساسیری کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی، پوچھا: "کیا یہ خبر بالکل درست ہے؟"

اس نے جواب دیا: "بالکل درست۔ ہماری فوج مقابلے کے بغیر راہِ فرار اختیار کر گئی۔"

بساسیری نے آواز دی: "وقائع نویس کو بلوایا جائے۔ وہ کہاں ہے؟"

وقائع نویس کو تلاش کیا گیا۔ وہ اپنے دفتر میں مہارش، فاطمی خلافت اور سلطان طغرل کی فوج کشی کے بارے میں کچھ لکھ رہا تھا اسے بساسیری کے سامنے پیش کر دیا گیا۔

بساسیری نے پوچھا: "میری زندگی کی سعد ترین تاریخ کون سی ہے؟"

وقائع نویس سوچ میں پڑ گیا اور جواب دیا: "یہی آج کی تاریخ 'نو ذیقعدہ'۔"

بساسیری نے کہا: "اب یہی تاریخ منحوس ترین قرار پائی۔ وقائع کے دفتر میں لکھ دے بساسیری کی زندگی کی منحوس ترین تاریخ نو ذیقعدہ۔"

بساسیری نے کہا: "اب یہی تاریخ منحوس ترین قرار پائی۔ وقائع کے دفتر میں لکھ دے۔ بساسیری کی زندگی کی منحوس ترین تاریخ نو ذیقعدہ۔"

وقائع نویس نے سوالیہ نظروں سے بساسیری کو دیکھا اور پھر دفتر سوانح میں جلی حروف میں لکھ دیا۔

"بساسیری کی زندگی کی سعد ترین تاریخ نو ذیقعدہ ۴۵۰ھ اور منحوس ترین تاریخ نو ذیقعدہ ۴۵۱ھ۔"

بساسیری نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا: "تم سب کے کیا ارادے ہیں؟"

سب نے جواب دیا: "ہمارا مرنا جینا آپ کے ساتھ ہے۔"

بساسیری نے ایک سرد آہ بھری اور کہا: "اب جنگ فضول ہے، میری فوج نے حوصلے ہار دیے اس لیے میں بھی حوصلہ ہار چکا ہوں۔"

قریش بن بدران نے پوچھا: "کیا ہم سلطان سے جنگ نہیں لڑیں گے؟"

بساسیری نے جواب دیا: "نہیں، اب ہم جنگ نہیں لڑیں گے کیوں کہ اب ہم سلطان کو شکست نہیں دے سکیں گے۔"

قریش بن بدران کو اس سے اس جواب کی توقع نہیں تھی۔

بساسیری نے قریش کو مشورہ دیا: "مجھے تمھارے کسی منصوبے کا علم نہیں لیکن میں شام نکل جاؤں گا اور وہاں کوشش کروں گا کہ اپنی طاقت مجتمع کروں اور ایک بار پھر سلطان سے دو دو ہاتھ کروں۔"

قریش کو اب احساس ہوا کہ اس کا ابن عم مہارش درست تھا۔ اس نے حالات کا اندازہ دوسروں سے بہتر لگایا تھا۔

بساسیری جانے کے لیے تیار تھا: "قریش! جو فیصلہ کرنا ہے جلدی کرو۔ سلطان کا مقدمۃ الجیش قصر شیریں تک آ چکا ہے شاید چند ساعتوں بعد ہم یہاں سے نکل بھی نہ سکیں گے۔"

بساسیری کا خیال بالکل درست نکلا۔ سلطان کے لشکر نے ان کا راستہ روک دیا اور جنگ شروع ہو گئی۔ لیکن بساسیری فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ قریش بن بدران اس کے ساتھ تو نہیں جا سکا لیکن وہ دوسری طرف نکل بھاگا۔ جان اس کی بھی بچ گئی۔

سلطان طغرل نے جب یہ سنا کہ بساسیری فرار ہو چکا ہے تو اس نے امام ابوبکر بن فورک سے درخواست کی کہ حدیثہ عانہ تشریف لے جائیں اور امیر المومنین کو فتح کی خوش خبری سنا کر واپس بغداد لائیں۔ ان دنوں بغداد میں ایسے آدمیوں کی کمی واقع ہو گئی تھی جو خلیفہ کے پاس بھیجے جا سکتے۔

یہی حکم ابو نصر کندری کو دیا گیا: "تو خشم و خدم اور لاؤ لشکر کے ساتھ کہیں راستے میں منزل کر اور خلیفہ کا استقبال کرتے ہوئے اپنے ساتھ بغداد لے آ۔"

ابو نصر بھی حدیثہ عانہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

سلطان طغرل بذاتِ خود بغداد اور واسط کے درمیان، نہروان میں خلیفہ کی تشریف آوری کا انتظار کرنے لگا۔

مہارش کو بساسیری کی شکست کی خبر مل چکی تھی، وہ امیر المومنین کو وہاں سے لے کر سلطان طغرل کی طرف چل دیا۔

امام ابوبکر بن فورک ابھی راستے ہی میں تھے کہ چند سواروں سے ان کی ملاقات ہو گئی۔ یہ سوار حدیثہ عانہ سے آ رہے تھے اور ان کے پاس مہارش کا یہ پیغام تھا کہ سلطان طغرل کو معلوم ہونا چاہیے کہ امیر المومنین تشریف لا رہے ہیں اس لیے ان کے شایانِ شان... استقبال کے لیے معززین کو بغداد کے باہر موجود رہنا چاہیے۔

امام ابوبکر نے پوچھا: "اس وقت امیر المومنین کہاں ہیں؟"

سواروں نے اس راستے کی نشاندہی کر دی جس پر مہارش

خلیفہ کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ امام ابوبکر نے اپنا راستہ بدلا یا اور سواروں کے بتائے ہوئے راستے کی طرف مڑ گئے۔

انہی سواروں نے ابوالنصر کو بھی ہمارش اور خلیفہ کے سفر کی نشاندہی کر دی اور ابوالنصر نے بھی نشان زدہ سمت تیزی سے سفر کیا۔

امام ابوبکر نے خلیفہ سے ملاقات کی اور چند تحفے بطورِ نذرانہ پیش کیے۔

خلیفہ نے پوچھا۔ "مردود بساسیری کہاں ہے؟"

امام ابوبکر نے جواب دیا۔ "وہ جان بچا لے گیا۔ وہ فرار ہو گیا، پتا نہیں کہاں چلا گیا۔"

خلیفہ نے پوچھا۔ "تو وہ گرفتار نہیں ہوا؟"

امام ابوبکر نے جواب دیا۔ "افسوس کہ اسے گرفتار نہیں کیا جا سکا۔"

خلیفہ بہت جذباتی ہو رہا تھا۔ اس کو خطرہ تھا کہ کہیں کسی طرف سے اچانک نمودار ہو کر وہ خلیفہ پر حملہ آور نہ ہو جائے۔

ہمارش خلیفہ کی کیفیات کو کچھ کچھ سمجھ رہا تھا۔ اس نے تسلی دی۔ "بساسیری سلطان طغرل سے بے حد خوفزدہ ہے۔ وہ ادھر آنے کی ہمت تک نہیں کر سکتا۔"

خلیفہ نے آہستہ سے کہا۔ "اللہ تیری زبان مبارک کرے۔"

خلیفہ اپنے خیمے میں چلا گیا۔ اب اس کو سکون میسر آ ہی گیا تھا۔

خلیفہ کے خیمے کے چاروں طرف ہمارش کے سپاہی پہرا دے رہے تھے۔ خیمے کا در کھلا ہوا تھا اور اس کے باہر دور تک خیمے کے اندر ہی سے دیکھا جا سکتا تھا۔

خلیفہ کی نظریں اچانک اس گرد و غبار پر پڑیں جو خیمے کے اندر سے صاف نظر آ رہا تھا۔ یہ کوئی لشکر تھا جو خلیفہ کی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا۔ وہ بے چینی سے باہر نکل کھڑا ہوا اور اپنے محافظین سے کہا۔ "جاؤ، ہمارش کو فوراً خبردار کرو کہ بساسیری ہماری طرف بڑھا چلا آ رہا ہے۔ اس کا مقابلہ کیا جائے۔"

کئی سپاہی خلیفہ کا حکم لے کر ہمارش کے پاس گئے اور اس کو مذکورہ فوج کی طرف جانے اور راستہ روکنے کا حکم دے دیا۔

ساری تدابیر اور سارے احکام اپنی جگہ۔ مذکورہ لشکر اب بھی ان کی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا۔

خلیفہ نے اپنا خیمہ چھوڑ دیا اور باہر نکل کر امام ابوبکر اور ہمارش کو بلوا لیا۔

دونوں فوراً آ گئے اور خلیفہ سے پوچھا۔ "کیا بات ہے۔ آپ پریشان کیوں نظر آ رہے ہیں؟"

خلیفہ نے فضا میں چھا جانے والے گرد و غبار کی طرف اشارہ کیا۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ بساسیری ہماری طرف بڑھ رہا ہو؟"

ہمارش مسکرانے لگا۔ "نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔"

خلیفہ کی پریشانی میں کوئی کمی نہ آئی۔ بے قراری سے پوچھا۔ "پھر یہ گرد و غبار؟ یہ کیا ہے؟"

ہمارش نے جواب دیا۔ "اس کو ہمارے پاس آ جانے دیں۔ پھر بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ یہ کون ہیں۔"

خلیفہ کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ اس کو اندیشہ تھا کہ کہیں ہمارش نے بساسیری سے معاملہ نہ کر لیا ہو۔

پھر گرد و غبار کا پردہ چاک ہوا اور اس میں سے ایک ایسا لشکر نمودار ہوا جو زیادہ تیزی سے ان کی طرف نہیں آ رہا تھا۔ اور وہ سپاہی بھی نہیں معلوم ہو رہے تھے۔

ہمارش نے درخواست کی۔ "امیر المومنین! آپ اپنے خیمے میں تشریف لے جائیں۔"

خلیفہ نے جواب دیا۔ "میں خیمے میں جا کر قیدی نہیں بن جانا چاہتا۔ مجھ کو تم لوگ یہ تو بتاؤ کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟"

ہمارش نے کہا۔ "امیر المومنین! آپ ہم پر شبہ نہ کریں یہ بڑی تکلیف دہ بات ہے۔"

خلیفہ نے پھر وہی سوال کیا۔ "آخر یہ لوگ ہیں کون؟"

امام ابوبکر بن فورک نے خلیفہ کو بتایا۔ "امیر المومنین! افسوس کہ ہم لوگ جو کچھ چاہتے ہیں آپ نے اس کی کبھی بھی پرواہ نہیں کی اور اب..."

خلیفہ نے اصرار کیا۔ "ہاں تو اس وقت ایسی کوئی بحث نہیں چھیڑنا چاہیے۔ جس سے ہماری قدریں مجروح ہو جائیں اور ہم کسی بڑے نقصان سے دوچار ہو جائیں۔"

اب لشکر سوار خلیفہ کے قریب پہنچ چکے تھے۔ خلیفہ نے محسوس کیا کہ اب خاموش رہنے میں نقصان ہے۔ اس نے ہمارش سے کہا۔ "میں خیمے میں جا رہا ہوں۔"

وہ خیمے میں چلا گیا اور اس کے ذرا دیر بعد ہمارش ابوالنصر کندری کے ساتھ خلیفہ کے خیمے میں داخل ہوا۔

خلیفہ ان دونوں کو دیکھ کر کھڑا ہونا چاہتا تھا لیکن ابوالنصر اور ہمارش نے خلیفہ کو ایسا کرنے سے منع کیا۔ "آپ امیر المومنین ہیں، اس لیے ہم نہیں چاہتے کہ آپ کی کسی طرح بے عزتی ہو۔ آپ ہماری ہی نہیں عالمِ اسلام کی بھی آبرو ہیں۔"

خلیفہ نے دونوں کو بڑی دعائیں دیں اور ابوالنصر نے خلیفہ کی خدمت میں سلطان کے گراں قدر تحائف پیش کیے۔

ابوالنصر کندری نے ہمارش کا شکریہ ادا کیا۔

ہمارش نے پوچھا۔ "میرا شکریہ کیوں؟ میری کس بات کا شکریہ؟"

ابونصر نے جواب دیا۔ "اسی بات کا کہ تم نے امیرالمومنین کی حفاظت کی اور انھیں آرام سے رکھا۔"

مہارش نے کہا۔ "یہ میں نے اس لیے کیا کہ بساسیری نے ہم سے وعدہ خلافیاں کیں اور وہ یہاں عباسی خلافت کو ختم کر دینا چاہتا تھا اور مصر کی فاطمی خلافت کو قائم کرنا چاہتا تھا۔ میں اسے کس طرح گوارا کر لیتا؟"

خلیفہ نے مہارش کو دوبارہ دعائیں دیں اور کہا۔ "تو نے ہمارے لیے جو کچھ کیا اس کا صلہ تجھے ملے گا مگر اس کی ایک اور جزا ابھی ہے اور وہ اللہ کی طرف سے ملے گی۔"

ان لوگوں نے یہاں سے کوچ کیا تو نہروان پر دم لیا۔ وہاں سلطان طغرل خلیفہ کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔

سلطان طغرل نے خلیفہ کو دور سے اپنی طرف آتے دیکھا تو گھوڑے سے اتر کر پیدل ہی خلیفہ کی طرف بڑھا۔ قریب پہنچ کر خلیفہ کی سواری کے پیچھے سات بار زمین بوس ہوا۔ اس کو محبت اور احسان مندی کی نظروں سے دیکھتا رہا۔

جب وہ مؤدبانہ خلیفہ کی رکاب کے پاس کھڑا ہو گیا تو خلیفہ نے کرب ناک لہجے میں کہا۔ "میں نے یہ ایک سال اور بیس دن بڑی اذیت میں گزارے ہیں۔"

سلطان نے خلیفہ کی رکاب کو بوسہ دے کر عذر پیش کیا۔

"افسوس کہ بھائی ابراہیم ینال نے سرکشی اختیار کی اور میں اس سے جنگ کرنے پر مجبور ہو گیا۔" اس کے بعد شاعرانہ انداز اختیار کیا۔ "امیرالمومنین! یہ درست کہ میں ایک سال بیس دن آپ کی نظروں سے اوجھل رہا لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ دل سے دور کبھی بھی نہ ہوئے۔ میں نے ہر وقت اور ہر لمحہ آپ کو یاد رکھا۔"

خلیفہ نے جواب دیا۔ "مجھے یقین ہے کہ تو جھوٹ نہیں بولے گا۔ تو سچا ہے اور اس سچ کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ بساسیری دفع ہوا اور میں دوبارہ بغداد جا رہا ہوں۔"

سلطان طغرل نے عرض کیا۔ "اگر آپ اجازت دیں تو..."

خلیفہ نے جلدی جلدی کہا۔ "ہاں ہاں۔ کہو کہو کیا...؟"

سلطان طغرل نے کہا۔ "رسول اللہؐ کے چچا عباسؓ کی اولاد پر جو مصائب نازل ہوئے اس کے ذمے دار ابراہیم ینال اور بساسیری تھے۔ ایک کو تو میں نے قتل کر دیا۔ دوسرا ابھی زندہ ہے۔"

مہارش نے عرض کیا۔ "اور فاطمی خلافت، مصر کی فاطمی خلافت! یہ سب کچھ اسی کی شہ پر اسی کے ایما سے ہوا۔ سلطان نے اسے کیوں نظر انداز کر دیا؟"

سلطان نے اپنے سہو کا اعتراف کیا۔ "بے شک بے شک! اب میں پہلے تو بساسیری کا کام تمام کروں گا اس کے بعد مصر کی طرف رجوع کروں گا۔"

خلیفہ نے کہا۔ "بساسیری تک بات مناسب اور معقول ہے لیکن مصر سے الجھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

دونوں میں کچھ دیر اسی قسم کی باتیں ہوتی رہیں۔ اس کے بعد سلطان نے عرض کیا۔ "جیسا کہ امیرالمومنین کو علم ہو گا کہ بساسیری کی آمد کے بعد بغداد اپنے قابلِ ذکر افراد سے محروم ہو گیا اور وہاں کوئی بھی ایسا شخص موجود نہیں جو امیرالمومنین کا استقبال کر سکے اس لیے میں بغداد جا رہا ہوں تاکہ شہر کے دروازے پر امیرالمومنین کا استقبال کر سکوں۔"

خلیفہ کے پاس دعاؤں کے سوا کچھ بھی نہ تھا اور وہ اپنے معین و حامی لوگوں کو مسلسل دعاؤں سے نوازے جا رہا تھا۔

سلطان نے خلیفہ سے جدا ہو کر خمار تگین کو دریافت کیا۔

"خمار تگین کہاں چلا گیا؟ وہ بساسیری کو پہچانتا ہے۔"

خمار تگین کو حاضر کیا گیا تو مہارش اس کو دیکھ کر مسکرایا۔ آہستہ سے پوچھا۔ "تیری وہ کنیز کہاں ہے، بساسیری والی؟"

خمار تگین نے جواب نہیں دیا کیوں کہ یہ جواب دینے کا موقع بھی نہیں تھا۔ سلطان اور خلیفہ قریب ہی موجود تھے۔

سلطان نے اسے حکم دیا۔ "تو بساسیری کے تعاقب میں نکل جا کیوں کہ ابھی وہ زیادہ دور نہیں گیا ہو گا۔ اسے اب آزاد نہیں رہنا چاہیے۔" اس کے بعد ابونصر کو حکم دیا۔ "اور تو اس کے پیچھے رہ کیوں کہ خمار تگین کو کسی بھی جگہ کمک بھی درکار ہو سکتی ہے۔"

مہارش نے خمار تگین سے پوچھا۔ "تیرے دستے میں کوئی اور بھی ایسا ہے جو بساسیری کو پہچانتا ہو؟"

خمار تگین نے جواب دیا۔ "پتا نہیں شاید!"

سلطان نے کہا۔ "اس کی کیا ضرورت ہے؟"

مہارش نے جواب دیا۔ "اگر فوج میں بساسیری کے دو چار صورت شناس ہوں تو اس کے قتل یا گرفتاری کا کام زیادہ آسان ہو جائے گا۔"

مہارش کی تجویز معقول تھی اور جب خمار تگین کے دستے سے یہی سوال کیا گیا تو اس کے نائب سرہنگ سار تگین نے سب کو بتایا کہ بساسیری کو وہ بھی پہچانتا ہے۔

ایک ایرانی نسل سردار انوشیرواں نے بھی اقرار کیا کہ وہ بھی بساسیری کو اچھی طرح جانتا ہے کیوں کہ وہ اس کے ساتھ رہ چکا تھا۔

سلطان نے اس کو بھی خمار تگین کے ساتھ کر دیا اور تاکید کر دی۔ "دیکھو بساسیری کا آزاد رہنا ہم سب کے لیے خطرناک ہے اس لیے اس کو گرفتار کر کے امیرالمومنین کے سامنے لایا جائے اور اگر یہ کام دشوار نظر آئے تو اسے قتل کر دیا جائے اور اس کا سر امیرالمومنین کو تحفے میں پیش کیا جائے۔"

خلیفہ قائم بامر اللہ بھی سلطان کی تجویز سے متفق تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے سلطان کی طرف دیکھا اور بآواز بلند دعا دی "اللہ تیری دنیا اور آخرت کو سنوار دے"۔

سلطان نے بھی اس دعا کے جواب میں خلیفہ کے داہنے ہاتھ کو بوسہ دیا اور بغداد روانہ ہو گیا۔ وہ خلیفہ سے پہلے بغداد پہنچ کر اس کا شاندار استقبال کرنا چاہتا تھا۔

خمار تگین، سرہنگ سار تگین اور انوشیرواں تین ہزار سپاہیوں کے ساتھ بساسیری کے تعاقب میں چلے گئے۔

ابو نصر ایک بڑے لشکر کے ساتھ اس کے عقب میں روانہ ہو گیا۔

بغداد میں قاضی ابو عبداللہ الدامغانی کے سوا کوئی بڑا آدمی موجود نہیں تھا۔ سلطان طغرل نے اسے اپنے ساتھ لیا اور خلیفہ قائم بامر اللہ کا بغداد کے دروازے پر استقبال کیا۔ وہ باب النوبی کے سامنے خلیفہ کے حاجب کی طرح کھڑا تھا۔

خلیفہ نے اس کے گلے میں ایک تلوار حمائل کر دی اور معذرت کی "افسوس کہ اس وقت میرے پاس اس کے سوا کچھ نہیں ہے جو تجھ کو پیش کروں۔ باقی جو کچھ ہے وہ تیرا ہی دیا ہوا ہے اور تیری دی ہوئی چیزوں میں سے تجھ کو کچھ پیش کر دینا کسی طرح مناسب نہیں"۔

سلطان طغرل کی آنکھیں بھیگ گئیں "امیر المومنین! آپ کی عاجزی اور انکساری میرے دل کو تمجیلا رہے رہی ہے۔ میرے پاس جو کچھ ہے آپ ہی کا ہے اور میں نے آپ کو جو کچھ نذر کے بطور پیش کیا وہ بھی آپ ہی کا تھا"۔

خلیفہ نے پوچھا "آج کون سی تاریخ ہے؟"

اس بار عمار تکش نے جواب دیا "۱۵۴ھ کی ۵ ذیقعدہ"۔

خلیفہ بھی رونے لگا "ٹھیک ایک سال پہلے یعنی ۵ ذیقعدہ کو مجھے حدیثہ عانہ بھیج دیا گیا تھا"۔

سلطان نے خلیفہ کے گھوڑے کی لگام پکڑی اور پیادہ خلیفہ کے محل کی طرف چل دیا۔ خلیفہ گھوڑے پر سوار بغداد کی عمارتوں، بازاروں اور سڑکوں کو جذباتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ جن لوگوں نے سلطان طغرل کو خلیفہ کا سائیس بنے ہوئے دیکھا وہ بھی سلطان کی نیک نفسی کے قائل ہو گئے۔

خلیفہ محل میں چلا گیا تو طغرل بھی انہی محلات میں سے ایک میں فروکش ہو گیا۔

ارسلان خاتون بھی خلیفہ کے بعد محل میں پہنچا دی گئی۔ اس نے خلیفہ سے درخواست کی کہ اسے اس کے چچا طغرل سے ملوا دیا جائے۔

خلیفہ اس کا زیر بار احسان ہو چکا تھا اس لیے تامل یا تساہل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ارسلان خاتون کو سلطان طغرل سے ملنے کی اجازت دے دی گئی۔

ارسلان خاتون جب اپنے چچا کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ کچھ دیر کے لیے گم سا ہو گیا۔ ایک خوب صورت دوشیزہ جو بُردہ نامی لباس میں لپٹی ہوئی تھی۔ بُردہ ایک لمبا سا لباس تھا جو نقش و نگار سے مزین ہوتا تھا۔ اس کو خز سے تیار کیا گیا تھا۔ نہایت بیش قیمت، اوپر سے کھلا ہوا اور کمر سے نطاق کے ذریعے بندھا ہوا۔ نطاق کا اوپری سرا نیچے کے سرے کے پاس سے گزار کر زمین پر چھوڑ دیا گیا تھا اور وہ زمین سے گھسٹ رہا تھا۔

بُردہ کے نیچے ٹھوڑی کے بعد اور شکم سے اوپر غلالت سے جکڑ دیا گیا تھا اس سے وہ حصہ کچھ زیادہ ہی نمایاں ہو گیا تھا۔ اس کو خواتین زیریں جامہ کے طور پر استعمال کرتی تھیں۔ غلالت کو سندس نامی قیمتی کپڑے سے تیار کیا گیا تھا۔ باریک اور نہایت گراں مایہ۔

گلے میں عقیق یمنی کا ہار، ہاتھوں میں سونے کے کنگن جن کو اس دور میں دستوار کہا جاتا تھا۔ کانوں میں دو طرح کے زیور تھے۔ شنف (بالی) جو کان کے اوپری حصے میں پہنی جاتی تھی اور قرط (گوشوارہ) جو کان کے نچلے نازک حصے میں پہنے جاتے تھے۔ اس حلیے اور شان میں سلطان طغرل نے اپنی بھتیجی کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ اسے اپنے سامنے دیکھ کر بے اختیار کھڑا ہو گیا۔ اس کی زبان سے بے اختیار نکل گیا "ارے ارسلان خاتون بیٹی کتنی خوب؟"

ارسلان خاتون نے اپنے چچا کو بڑی پریشانیوں کے بعد دیکھا تھا اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ خلیفہ قائم بامر اللہ اور خود اس کی بغداد واپسی اس کے چچا سلطان طغرل کی مرہون منت تھی۔ اگر سلطان طغرل نہ ہوتا تو وہ بیوہ ہو چکی ہوتی اور شاید اس کو بھی قتل کر دیا جاتا یا پھر کسی کی کنیز بن چکی ہوتی۔

سلطان طغرل نے اپنی بھتیجی کو بڑی محویت سے اپنی طرف دیکھتے ہوئے دیکھا، پوچھا "کیا دیکھ رہی ہے ارسلان خاتون؟ تو خیریت سے تو ہے؟"

ارسلان خاتون اب بھی کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ رونے لگی۔

سلطان طغرل کھڑا ہو گیا اور شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا "کیا بات ہے ارسلان خاتون؟ تو خیریت سے تو ہے؟"

ارسلان خاتون سلطان کے شانے سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔

سلطان طغرل نے کچھ دیر بعد اس کو اپنے سامنے بٹھا لیا اور اس کو خوش کرنے کی کوشش کی "میں نے آج پہلی بار تجھ کو اس لباس اور زیور میں دیکھا ہے واللہ تو کسی بھی عرب شہزادی سے کسی طرح کم نہیں ہے"۔

ارسلان خاتون کی سلطان سے نظریں نہیں ملا رہی تھی۔ کہنے لگی: "عم محترم! میں یہاں خوش نہیں ہوں۔"

سلطان نے پوچھا: "کیوں؟ اس کی کوئی خاص وجہ؟"

ارسلان خاتون نے جواب دیا: "میں یہاں محفوظ نہیں ہوں۔ خلیفہ میری حفاظت نہیں کر سکتا۔"

سلطان نے اس کو تھپتھپایا: "میں تیری حفاظت میں کروں گا۔ تیری حفاظت میں کر رہا ہوں۔"

ارسلان خاتون نے کہا: "میری حفاظت آپ کیوں کریں اور آپ کہاں تک کریں گے؟"

سلطان نے کہا: "میں اللہ کے فضل و کرم سے خلیفۂ بغداد اور خلافتِ عباسیہ کی مدد کر رہا ہوں۔ ان کی حفاظت کر رہا ہوں جب کوئی اور اس عدم تحفظ کے ماحول سے پریشان یا دل برداشتہ نہیں تو پھر تو کیوں پریشان ہو رہی ہے؟"

ارسلان خاتون نے چچا کی بات سے اتفاق نہیں کیا کہنے لگی: "میں اپنے گھر میں زیادہ خوش تھی۔"

سلطان اس کی صورت مسلسل دیکھے جا رہا تھا: "ارسلان خاتون! یہ تو کیا کہہ رہی ہے؟ تیرا یہ شاندار لباس، عمدہ زیورات! اس وقت تو پورے عالمِ اسلام کی ملکہ ہے۔ سب سے زیادہ عزیز اور معتبر خاتون۔ پھر تو خوش کیوں نہیں ہے؟"

ارسلان خاتون نے پوچھا..... "عم محترم! میں آپ سے ایک سوال کروں؟"

سلطان نے جواب دیا: "تو کر سوال۔ میں اس کا نہایت معقول جواب دوں گا۔"

ارسلان خاتون نے پوچھا: "کیا آپ ایک ایسے محل میں رہنا پسند فرمائیں گے جہاں اپنی کوئی عزت ہی نہ ہو اور اپنے پاؤں کے نیچے کی زمین تیزی سے کھسکی جا رہی ہو؟"

سلطان نے پریشان لہجے میں پوچھا: "میری بھتیجی! یہ سب تو کیا کہہ رہی ہے؟ تو امیر المومنین کی شکایتیں مجھ سے نہ کر کیوں کہ میں تیری باتیں فی الحال نہیں سمجھ سکوں گا۔"

ارسلان خاتون نے جواب دیا: "اگر آپ میری باتیں خوش نہیں سنیں گے تو میں واپس چلی جاؤں گی۔ میں نے کہا تو آپ سے کہ میں یہاں خوش نہیں ہوں۔"

سلطان نے کہا: "لیکن میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تو خوش کیوں نہیں ہے؟"

ارسلان خاتون نے جواب دیا: "میں ایسے تنگ اور گھٹے ماحول میں پہلے کبھی نہیں رہی۔ قصرِ خلافت میرے لیے بہت ہی ناخوشگوار جگہ ہے۔"

سلطان نے کہا: "ہاں! یہ تو ہے۔ یہ میں بھی محسوس کر رہا ہوں۔"

ارسلان خاتون نے اپنے ماحول کی دوسری شکایت کی: "محل کی زندگی یہاں کے آداب اور اصولوں کی پابند ہوتی ہے۔ جب کہ میں ایک آزاد ماحول کی پروردہ ہوں۔"

سلطان نے پوچھا: "ہاں! اور؟"

ارسلان خاتون نے جواب دیا: "اور یہ کہ یہاں کی خواتین مجھے قبول نہیں کریں گی۔ رشک و حسد کی آنچ ہر طرف سے محسوس ہوتی رہتی ہے اور اس سے میرا جسم ہی نہیں میری روح بھی ایک تھکن سی محسوس کرتی رہتی ہے۔"

سلطان سوچ میں پڑ گیا: "ہاں یہ ایک پریشان کن بات ہے۔ واقعی اذیت ناک اور تکلیف دہ صورت حال۔"

ارسلان خاتون اپنی شکایات بیان کرتی رہی اور سلطان انھیں پوری توجہ سے سنتا رہا۔

آخر سلطان نے پوچھا: "تو کیا چاہتی ہے؟"

ارسلان خاتون نے بھی سوال کیا: "اب آپ ہی بتائیں کہ میں کیا کروں؟"

سلطان نے جواب دیا: "گزارا کرتی رہ۔ فی الحال میں یہی مشورہ دوں گا۔"

ارسلان خاتون نے مایوسی سے کہا: "تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں اس جہنم میں یونہی گزارا کرتی رہوں۔"

سلطان نے اس سے پوچھا: "اگر تو اجازت دے تو میں امیر المومنین سے تیرے بارے میں کوئی بات کروں۔"

ارسلان خاتون نے جواب دیا: "آپ بات کریں لیکن اس سے حاصل کچھ نہ ہوگا۔ کیوں کہ خلیفہ اپنی روایات سے کسی طور انحراف نہیں کرتا۔"

اس بار سلطان خاموش رہا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ اس کا دل کہیں اور تھا۔ اس کا دماغ بھی کہیں اور تھا۔

ارسلان خاتون اپنے دکھ کا اظہار کرتی رہی: "خلیفہ کی ماں بھی مجھے قبول نہیں کر رہی۔ آخر میں کب تک وہاں اجنبی اور غیر رہوں گی۔"

سلطان نے آہستہ آہستہ کہنا شروع کیا: "اب میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ کیا تو جانتی ہے کہ میں اپنی زندگی کے کتنے سال گزار چکا ہوں؟"

ارسلان خاتون نے جواب دیا: "شاید ستر سال یا اس سے دو ایک سال کم۔"

سلطان نے اس سے اتفاق کیا: "اس وقت میں ایک کم ستر سال کا ہوں۔ میں نے پوری زندگی مستقل اور مسلسل جنگ و دو میں گزاری ہے۔"

ارسلان خاتون نے عرض کیا "میں آپ کی بات نہیں سمجھ رہی۔ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں اس کا آپ کی کمسن سالی سے کیا تعلق ہے؟"

سلطان نے جواب دیا "اس کا تعلق ہے۔ میں تجھ سے یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ تو وہاں سے میرے پاس چلی آ۔ یہ میں کہہ بھی کس طرح سکتا ہوں۔ میں نے امیر المومنین کو اپنے تعاون اپنی مدد کا یقین دلایا ہے اور پھر میں ہی خلیفہ کے داخلی سکون کو درہم برہم کروں! میں یہ نہیں کر سکتا۔"

ارسلان خاتون نے پوچھا "یہ آپ مجھ کو کیا باور کرانا چاہتے ہیں۔ آپ مجھ کو کیا بتانا چاہتے ہیں؟"

سلطان نے جواب دیا "یہ کہ اب میں امیر المومنین کو کوئی اذیت نہیں دینا چاہتا۔"

ارسلان خاتون نے پوچھا "تو کیا میں یوں ہی آپ سب کے رحم و کرم پر زندہ رہوں گی؟"

سلطان نے جواب دیا "نہیں۔ یہ صورتِ حال ہمیشہ نہیں رہے گی۔"

ارسلان خاتون نے کہا "لیکن جب تک یہ صورتِ حال رہے گی میں مر جاؤں گی۔"

سلطان نے اسے گھور کر دیکھا "میں تجھ کو اتنا کمزور نہیں سمجھتا۔ ہم لوگ تو صحراؤں اور بیابانوں کے پروردہ ہیں۔ بادِ سموم کی نازبرداریاں اٹھانے والے تو اتنی کمزور نہیں ہے پھر میں کس طرح مان لوں کہ تو ان ناتوانوں کے ہاتھوں اپنی جان گنوا بیٹھے گی۔ ایسا نہیں ہوگا۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔"

ارسلان خاتون یہ سمجھ رہی تھی کہ اس کا چچا طغرل اس کے لیے کچھ نہ کچھ کرے گا ضرور لیکن سلطان نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔

ارسلان خاتون اٹھ کھڑی ہوئی "اب میں جا رہی ہوں۔"

سلطان نے جواب دیا "تجھ کو محل میں جانا تو ہے ہی لیکن جانے سے پہلے میری ایک بات سنتی جا۔"

ارسلان خاتون ذرا دیر کے لیے ٹھہر گئی۔ وہ سلطان کو کن انکھیوں سے دیکھ رہی تھی۔

سلطان نے اسے بتایا "رے سے خبر آئی ہے کہ وہاں میری بیوی کی حالت اچھی نہیں ہے!"

ارسلان خاتون نے پریشان ہو کر پوچھا "کون؟ میری ماں؟ وہ کیا بیمار ہیں؟"

سلطان نے جواب دیا "وہ ٹھیک ہے۔ میں اپنی اس بیوی کی بات کر رہا ہوں جس سے کوئی اولاد نہیں۔ وہ بہت سخت بیمار ہے۔"

ارسلان خاتون سوچنے لگی "ان باتوں کا ان معلومات کا ان حالات سے کیا تعلق؟"

سلطان کہہ رہا تھا "میں وقت کا انتظار کر رہا ہوں۔ میں تیری اہانت، تیری بے عزتی کا بدلہ لوں گا لیکن ابھی نہیں۔"

ارسلان خاتون کو شبہ تھا کہ سلطان اس وقت اپنے ہوش و حواس میں نہیں ہے اس لیے وہ جو کچھ کہہ رہا تھا اس کا موضوعِ گفتگو سے کوئی تعلق نہ تھا۔ بے تعلق، غیر متعلق اور بے ربط باتیں تھیں۔

سلطان طغرل اپنی بھتیجی کو یقین دلا رہا تھا "ہر چند کہ میں یہ جانتا ہوں کہ اب میں اس لائق نہیں ہوں کہ کسی نوجوان یا جوان لڑکی سے شادی کروں لیکن میں تیری خاطر یہ بھی کر لوں گا۔ میں یہ شادی ضرور کروں گا اور اس شادی سے تیری انا کو سکون ملے گا۔ ہم دونوں کو اس سے یک گونہ خوشی ہوگی۔"

اب ارسلان خاتون کو بالکل یقین ہو چکا تھا کہ اس کا چچا سلطان طغرل کسی وجہ سے اپنا ذہنی توازن برقرار نہیں رکھ سکا۔

سلطان طغرل نہ معلوم کن خیالوں میں تھا کہ ارسلان خاتون دل شکستہ اور دل گرفتہ وہاں سے چلی گئی۔ اس کے چلے جانے کا علم سلطان کو کچھ دیر بعد ہوا۔ اس نے بڑی حیرت اور تجسس آمیز نظروں سے ادھر ادھر ارسلان خاتون کو تلاش کیا لیکن جب وہ کہیں نظر نہ آئی تو اس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا "تو چلی گئی؟ مجھے بتائے بغیر ہی چلی گئی۔ ارسلان خاتون! تو میری بھتیجی ہے۔ میں تیرے کرب، تیری اذیت سے اچھی طرح واقف ہوں لیکن تو مت پریشان ہو، کیوں کہ مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ مجھ کو کیا کرنا چاہیے۔ میں وہی کروں گا جو مجھے ان حالات میں کرنا چاہیے اور جب میں یہ کروں گا تو قصرِ خلافت کے در و دیوار ہل جائیں گے۔ اور عباسی شرافت اور نجابت لرزہ براندام ہو جائیں گے۔"

اب سلطان طغرل کو بساسیری کی سرکوبی کی سب سے زیادہ فکر تھی کیوں کہ جب تک بساسیری آزاد یا زندہ تھا خطرے ہی خطرے تھے۔ وہ اپنی تھوڑی سی فوج کے ساتھ ابو نصر اور خمارتگین کے پیچھے بساسیری کی جستجو میں نکل کھڑا ہوا۔

بساسیری کو بالکل پتا نہ تھا کہ اس کا اتنی سرگرمی سے پیچھا کیا جائے گا۔ اس نے شام جاتے ہوئے یہ منصوبہ بنا لیا تھا کہ عراق سے جتنی دولت بھی لے جا سکے گا لے جائے گا۔

اس نے کوفہ میں داخل ہو کر لوٹ مار شروع کر دی۔ قریش بن بدران اور دوسرے حلیف بھی یہاں پہنچ گئے اور مل جل کر لوٹ مار شروع کر دی۔ لیکن ابھی وہ لوٹ مار سے فارغ ہو کر کوفہ سے نکلا بھی نہ تھا کہ خمارتگین اس کے سر پر پہنچ گیا۔

بساسیری گھبرا گیا اور اس نے بھی مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ اپنی فوج کے ساتھ خمارتگین کی طرف بڑھا۔

بساسیری کو بتا دیا گیا کہ اس کے مقابلے پر آنے والے

لشکر کا سالار خمار تگین سب سے بڑی خمار تگین جو اس کی محفلِ رقص و موسیقی میں اس کے دوست کی حیثیت سے شریک ہوا تھا۔

بساسیری نے خمار تگین کو پیغام بھیجا: ”جب تو محفل میں آیا تھا تو میں نے تیری گستاخیاں بھی برداشت کر لی تھیں اور میں نے تجھ کو ایک کنیز بھی مرحمت کی تھی۔ کیا یہ مناسب نہ ہو گا کہ تو مجھے یہاں سے نکل جانے دے؟“

خمار تگین نے جواب میں کہلا دیا: ”اگر تجھ کو اس وقت یہ معلوم ہو جاتا کہ میں سلطان طغرل کا آدمی ہوں تو تو مجھے ہرگز معاف نہ کرتا اور میرے ساتھ وہ سلوک کرتا جو تو نے بغداد کے ... نیں اردسلان کے ساتھ کیا تھا۔ اس وقت ہم دونوں میدانِ جنگ میں ہیں اور یہاں سے تو مردانہ وار ہی جا سکتا ہے۔ میں سلطان سے غداری نہیں کر سکتا۔“

خمار تگین کے ساتھی سار تگین نے کہا: ”باتوں میں وقت برباد نہ کریں۔ جنگ کا آغاز کر دیں تاکہ بساسیری ہمیں باتوں میں لگا کے خود فرار نہ ہو جائے۔“

لیکن جنگ پہلے ہی شروع ہو چکی تھی۔ اس وقت بساسیری کے ساتھ قریش بن بدران کا حقیقی بھائی منصور بن بدران بھی تھا۔ اس نے بڑی شدت سے خمار تگین کی سپاہ پر حملہ کر دیا۔ سار تگین کی نظریں بساسیری کو تلاش کر رہی تھیں۔ وہ ایک اونچی جگہ نظر آ گیا۔ وہاں سے وہ اپنے سپاہیوں کے حوصلے بڑھا رہا تھا۔ سار تگین نے اس کو اپنے تیر کا نشانہ بنایا۔ تیر بساسیری کے داہنی طرف شانے سے ذرا نیچے سینے میں پیوست ہو گیا۔ بساسیری گر گیا مگر دوسرے ہی لمحے اس نے اٹھ کر اپنے گھوڑے پر سوار ہونے کی کوشش کی مگر ہمت جواب دے رہی تھی۔

سار تگین چند سپاہیوں کے ساتھ وہاں پہنچنے کی کوشش کرنے لگا۔

بساسیری نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا: ”مجھے میرے گھوڑے پر بٹھا دو۔“

منصور بن بدران اس کے پاس آ گیا اور سینے میں پیوست تیر کی طرف اشارہ کیا: ”یہ کب لگا اور اس حالت میں آپ گھوڑے پر سوار ہو کر کہاں جائیں گے؟“

بساسیری نے اس کو برا بھلا کہا: ”میں جو کہتا ہوں وہ کر۔ اس تیر کی کیا بات کرتا ہے؟“

پھر بساسیری نے اس تیر کو کھینچ کر باہر نکال لیا اور سانس تیر کے پھل کے ساتھ پھیپھڑے کا کچھ حصہ بھی باہر آ گیا۔ بساسیری نے ایک چیخ ماری اور زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

سار تگین اپنے سپاہیوں کے ساتھ مارتا کاٹتا وہاں پہنچ چکا تھا۔ منصور بن بدران وہاں سے ہٹ گیا۔

سار تگین گھوڑے سے کود کر بساسیری پر جھک گیا اور اس کا سر جسم سے الگ کر دیا۔ پھر سر کو نیزے میں پرو کر اپنے گھوڑے پر دوبارہ سوار ہو گیا اور سر بلند کرتے ہوئے اعلان کیا: ”میں نے بساسیری کو مار دیا۔ واللہ میں یعنی سار تگین نے بساسیری کو قتل کر دیا ہے۔ کسی اور نے نہیں کیوں کہ بساسیری کا سر میرے نیزے کی انی میں پرو دیا ہوا ہے۔“

اس اعلان نے بساسیری کی فوج کے حوصلے پست کر دیے اور وہ ادھر اُدھر بھاگنے لگے۔

خمار تگین کو اس اعلان سے دکھ پہنچا اور وہ رشک کا شکار ہو گیا۔

منصور بن بدران دوسرے کئی سرداروں کے ساتھ بھاگتے ہوئے پکڑا گیا۔

خمار تگین نے بساسیری کے سر کو دیکھا اور سار تگین سے پوچھا: ”اس کو تو نے قتل کیا ہے؟“

سار تگین نے جواب دیا: ”ہاں! اس کو میں نے ہلاک کیا ہے۔ واللہ بساسیری کو میں نے قتل کیا ہے۔“

خمار تگین نے درخواست کی: ”اگر تجھ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو اس کامیابی کو مجھ سے منسوب کر دے۔“

سار تگین نے جواب دیا: ”نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔“

اور وہ اسی وقت بساسیری کے سر کو لے کر ابونصر کے پاس چل دیا جو خمار تگین کی فوج سے چند فرسخ پیچھے خیمے ڈالے پڑا ہوا تھا۔

ابونصر بساسیری کے سر کو اپنے سامنے دیکھ کر بے حد خوش ہوا: ”سار تگین! تو نے بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ میں اس کی جتنی بھی تعریف کروں کم ہے۔“

سار تگین نے خمار تگین کی شکایت کی: ”یہ کارنامہ میں نے انجام دیا ہے اور خمار تگین کہتا ہے کہ میں پیچھے ہٹ جاؤں، اور یہ سر وہ سلطان طغرل کی خدمت میں پیش کرے۔“

ابونصر نے اس کو یقین دلایا: ”تو میرے پاس آ گیا اور مجھ کو سب کچھ بتا دیا۔ اب اس کامیابی کا سہرا کسی اور کے سر نہیں بندھ سکتا۔“

اور یہ سر اسی وقت سلطان طغرل کے پاس روانہ کر دیا گیا۔ سلطان طغرل بھی قریب ہی موجود تھا۔ ابونصر نے سار تگین کی بہت تعریفیں کیں اور سلطان سے کہا: ”یہ کارنامہ اس نے تنہا انجام دیا ہے لیکن خمار تگین بھی اس کامیابی میں خود کو شریک کرنا چاہتا ہے۔“

سلطان خمار تگین کی بڑی عزت کرتا تھا۔ کہنے لگا: ”سار تگین! تو اس کا نائب ہے۔ اس کی شکایت نہ کر۔ یہ بشریت ہے ویسے

میں تیری بھی بڑی عزت کرتا ہوں۔"

ساوتگین نے سر اطاعت خم کر دیا: "اگر سلطان کا یہ حکم ہو کر میں اپنی اس کامیابی کو خمار تگین سے وابستہ کر دوں تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

سلطان نے جواب دیا: "نہیں یہ بات نہیں۔ یہ تیری کامیابی تیری ہی کہلائے گی۔"

اور سلطان نے یہ سر ساوتگین ہی کے ذریعے بغداد روانہ کر دیا اور اپنے خط میں خلیفہ کو مبارک باد دی کہ بالآخر بساسیری کا فتنہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔

خلیفہ نے ایک طشت میں اس سر کو رکھ کر اپنے امراء اور عمائدین کو اس کا دیدار کرایا۔

خلیفہ نے اس کے منہ کو خنجر کی نوک سے چھیڑا اور کہا۔ "تو اس منہ سے گستاخیاں کیا کرتا تھا اور یہیں سے بڑے بڑے بول بولا کرتا تھا۔ میں جانتا تھا ایک نہ ایک دن تیرا یہی انجام ہوگا۔ کہاں گئیں تیری بڑ بولیاں؟"

اس کے بریدہ سر کو نیزے پر بلند کر کے پورے بغداد میں گشت کرایا۔ اس سر کے آگے آگے اعلان کرنے والا اعلان کر رہا تھا: "بساسیری جس نے بغداد اور اس کے نواح کو بے حد پریشان کر رکھا تھا بالآخر قتل کر دیا گیا۔ اس کا سر نیزے پر موجود ہے دیکھو اور عبرت پکڑو۔"

پھر اس سر کو باب نوبی پر نصب کر دیا گیا۔

سلطان اور ابو نصر بغداد واپس آ گئے۔ خلیفہ نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی۔

بساسیری کے ساتھی امراء کو قید خانے میں ڈال دیا گیا۔

خلیفہ نے سلطان کی دعوت کی اور دوسرے بہت سے معززین اور عمائدین کو اس دعوت میں بلوا لیا گیا۔

سلطان نے ابو نصر کندری سے بعض اہم معاملات میں مشورہ کیا۔ سلطان نے کہا: "اے ابو نصر! میں نے خلیفہ اور خلافت کو خطرات سے پاک کر دیا۔ میرے پاس جو فوج ہے میں اس کا خرچ اس کے مصارف کہاں سے لاؤں۔ جناب اس کا کوئی مستقل اور پائیدار کام ہونا چاہیے۔ میں اتنے بڑے لشکر کو کہاں سے تنخواہیں دوں گا؟"

ابو نصر نے پوچھا: "اس سلسلے میں آپ کیا کرنا پسند کریں گے؟"

سلطان نے جواب دیا: "میں بغداد اور اس کے نواح کو اپنے ساتھ مانگ لوں گا۔"

ابو نصر نے سلطان کو سختی سے منع کیا: "آپ ایسا ہرگز نہ کیجیے گا۔ خاموش رہیے اور دیکھیے کہ وقت کیا فیصلہ کرتا ہے۔"

سلطان نے کہا: "وقت کیا کرے گا؟ میں نے خلافت کی جو خدمت کی ہے اس کا وہ دل سے اعتراف کرتا ہوگا۔"

ابو نصر نے پوچھا: "اگر وہ ایسا نہ کرے تو؟"

سلطان نے کہا: "اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو اپنا نقصان کرے گا۔"

ابو نصر نے جواب دیا: "میں جو بات آپ کو بتانا چاہتا ہوں وہ کچھ اور ہے۔ آپ خلیفہ سے کیا مانگیں گے؟ وہ آپ کو کیا دے گا؟ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ آپ ہی کا دیا ہوا ہے اس لیے آپ انتظار کریں کہ خلافت مآب اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں!"

سلطان نے خلیفہ کی طرف سے دی جانے والی دعوت میں اپنے امراء کے ساتھ شرکت کی۔ انواع و اقسام کے کھانوں میں وہ مزہ نہیں تھا جو سلطان طغرل کی پذیرائی اور عزت افزائی میں تھا۔ وہاں سب کی نظریں سلطان طغرل کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ ہر آنکھ کسی بھی طرح سلطان طغرل ہی کو دیکھنا چاہتی تھی۔

خلیفہ نے اس تقریب میں اپنے لیے وزراء اور دوسرے مناصب کے اہل افراد کا انتخاب کیا اور اس میں بھی سلطان طغرل کی مرضی اور رائے کا خاص خیال رکھا گیا۔

مدرسۂ عالیہ میں تراب ایثری نامی ایک شخص نے خلیفہ کا بڑا خیال رکھا تھا۔ خلیفہ نے اسے امیر البحر کا منصب عطا کیا اور دریائے دجلہ کا انتظام اس کے سپرد کر دیا۔ کشتیوں کی فراہمی اور اس سے متعلق جملہ امور ابو تراب کے سپرد کر دیے گئے۔ حاجب الحجاب کا لقب بھی مرحمت ہوا۔

ابو الفتح احمد کو اہواز سے بلا کے وزارت اس کے حوالے کی گئی۔ ابو الفتح اس سے پہلے ابو کالیجار کی طرف سے تجارت کیا کرتا تھا۔ ابو الفتح نے معلوم نہیں کیا سوچ کر خلیفہ سے درخواست کی کہ میں صرف آپ کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے اپنی اس خدمت کے عوض تنخواہ یا جاگیر نہیں چاہیے بلکہ میں ہر سال نذرانے کے طور پر امیر المومنین کو معقول رقم پیش کیا کروں گا۔"

سلطان کو ابو الفتح کی باتوں پر ہنسی آ رہی تھی کہ وہ کیسی بے سروپا باتیں کر رہا ہے۔

آخر میں خلیفہ نے تخلیے میں سلطان طغرل سے پوچھا۔ "میں تو عہدے اور مناصب لوگوں میں بانٹتا ہی رہوں گا اب تو مجھے بتا کر تو مجھے کیا دے گا؟"

ابو نصر وہیں سلطان کی مدد کے لیے موجود تھا۔ سلطان نے ابو نصر کی طرف دیکھا۔

ابو نصر نے عرض کیا: "امیر المومنین سے کسی قسم کا وعدہ

کرنے سے پہلے آپ یہ ضرور معلوم کریں کہ امیر المومنین کو آپ سے پہلے کیا ملتا رہا ہے بس آپ اس میں ایک معقول اضافہ فرما کے مشاہرہ مقرر فرما دیجیے گا۔"

سلطان نے جواب دیا: "میں امیر المومنین کے سوال کا جواب بعد میں دے سکوں گا۔"

اب سلطان کو معلوم ہو چکا تھا کہ ابو النصر نے خلیفہ سے بات کرنے سے کیوں روکا تھا۔

دعوت سے فارغ ہونے کے بعد سلطان وہاں زیادہ نہیں ٹھہرا۔ اس نے خلیفہ کو بتایا کہ اب آپ کو کسی طرف سے کوئی خطرہ نہیں اس لیے میں اب واپس چلا جاؤں گا۔ وہاں میری بیوی کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ وہاں سے آذر بائیجان اور آرمینیا چلا جاؤں گا۔

خلیفہ اس سے احسان مندی کی حد تک خوش تھا۔ جواب دیا: "میری طرف سے اجازت ہے اب تو جا سکتا ہے۔"

سلطان نے کہا: "ہاں! ایک بات اور، خلافت مآب کی بیوی اور میری بھتیجی ارسلان خاتون میرے ساتھ جائے گی۔"

خلیفہ کو اس پر اعتراض ہوا: "وہ ساتھ کیوں جائے گی؟"

سلطان نے جواب دیا: "فی الحال اس کیوں کا میرے پاس کوئی جواب نہیں۔"

سلطان کے لہجے سے اس کی ناخوشی ظاہر ہو رہی تھی اس لیے خلیفہ نے فوراً اجازت دے دی: "اسے تو اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے۔"

سلطان نے خلیفہ کا شکریہ ادا کیا۔

خلیفہ نے کسی قدر تامل سے سلطان کو خبردار کیا: "ارسلان خاتون کے سلسلے میں بس ایک بات کا خیال رکھا جائے۔ اب وہ میری بیوی ہے اور اگر وہ کسی طور میری یا میرے خاندان کی کوئی شکایت کرے تو اس پر کوئی توجہ نہ دی جائے۔"

سلطان نے بھی خشک سا جواب دے دیا: "یہ تو شکایت کی نوعیت پر منحصر ہے۔ وہ میری بھتیجی بھی ہے میں اس کی شکایت کو غور سے سن کر کوئی فیصلہ کروں گا۔"

خلیفہ نے کہا: "وہ ہمارے ماحول سے مطابقت نہیں پیدا کر سکی۔"

سلطان نے جواب دیا: "اس میں کچھ وقت لگے گا۔"

خلیفہ نے بے رخی سے کہا: "اب تو جا سکتا ہے۔ ارسلان خاتون تیرے پاس پہنچ جائے گی۔"

سلطان ابو النصر کے ساتھ محل سے باہر آ گیا۔ ابو النصر نے سلطان کو سمجھایا: "آپ کو فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

سلطان نے جواب دیا: "میں امور مملکت کی کسی بات سے فکر مند نہیں ہوں بلکہ فکر مند اس بات پر ہوں کہ آج خلیفہ نے مجھ سے اس طرح بات کی کہ ہم دونوں بیک وقت آقا اور رعایا نظر آ رہے تھے۔"

ابو النصر نے کہا: "آپ لوگ آقا بھی ہیں اور رعایا بھی۔ لیکن سلطان محترم! آپ کو ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا ہو گی۔"

سلطان نے پوچھا: "کون سی بات؟"

ابو النصر نے جواب دیا: "خلیفہ جیسے لوگوں کے حافظے بہت کمزور ہوتے ہیں اس لیے ان سے زیادہ امیدیں وابستہ نہ کیجیے گا۔"

سلطان نے کہا: "میں اس بات کا بطور خاص خیال رکھوں گا۔"

سلطان ادھر سے مطمئن ہو کر واسط چلا گیا کیونکہ واسط اور اس کے نواح کا علاقہ سلطان نے اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔

سلطان نے واسط کا انتظام کیا اور ادھر سے مطمئن ہو کر بغداد واپس آ گیا۔ بغداد میں خلیفہ اس کا انتظار کر رہا تھا۔ روشن التاج میں جو محل کا ایک خاص حصہ تھا، دونوں کی ملاقات ہوئی۔ خلیفہ نے نہایت خوشگوار لہجے میں بتایا: "میں تیرا انتظار کر رہا تھا۔ تو کہاں چلا گیا تھا؟"

سلطان نے جواب دیا: "میں یہاں سے نکل کر آذر بائیجان اور آرمینیا کا رخ کروں گا اور وہاں میں کب تک رہوں گا کچھ پتا نہیں، اس لیے میں واسط اور اس سے ملحقہ علاقوں کا نظم و نسق درست کر رہا تھا۔"

خلیفہ نے اسے دعائیں دیں: "اللہ تجھ کو ہمیشہ کامیاب و کامران رکھے۔ اب تو ارسلان خاتون کو اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے۔"

سلطان نے خلیفہ کا شکریہ ادا کیا۔

کچھ دیر بعد ارسلان خاتون بنی سنوری سلطان کے سامنے لائی گئی۔ خلیفہ نے ارسلان خاتون کو سمجھایا: "ارسلان خاتون! میری ایک بات توجہ سے سن لے۔"

ارسلان خاتون خلیفہ کی صورت دیکھنے لگی۔

خلیفہ نے سلطان کی طرف اشارہ کیا: "یہ سلطان طغرل تیرا چچا بھی ہے اور تیرا سرپرست بھی۔ اس طرح کہ تیری ماں نے تیری پیدائش کے بعد اس سے شادی کر لی۔ یہ جو کچھ بھی ہے اپنی صلاحیت اور قابلیت سے ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ میں تیرا شوہر اور عالم اسلام کا خلیفۃ المسلمین ہوں۔ میں ایک بڑا آدمی ہوں۔ تیرے چچا سلطان طغرل سے بہت بڑا۔ میں نے ہی تیرے چچا سلطان طغرل کو مشرق اور مغرب کا بادشاہ بنا

دیا۔ اب تجھ کو ہمیشہ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ تو میری یا میرے اعزا کی کوئی شکایت سلطان طغرل سے نہ کرے کیونکہ اس سے تجھ کو نقصان تو پہنچ سکتا ہے، فائدہ بالکل نہیں۔"

ارسلان خاتون نے کوئی جواب نہیں دیا اور اپنے چچا سے کہنے لگی۔ "آیئے پھر چلیں۔"

خلیفہ نے درشت لہجہ اختیار کیا۔ "تم نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا۔"

ارسلان خاتون خلیفہ کو کوئی جواب دینا بھی نہیں چاہتی تھی اس نے دوبارہ سلطان طغرل سے کہا۔ "آیئے پھر چلیں۔ اب کس کا انتظار ہے؟"

سلطان طغرل نے محسوس کر لیا تھا کہ اس بار خلیفہ ارسلان خاتون کو ڈانٹ دے گا اس لیے ارسلان خاتون کی طرف سے اس نے جواب دیا۔ "یہ آپ سے شرما رہی ہے اس کی طرف سے میں جواب دے رہا ہوں۔ آپ نے جو کچھ کہا ہے اس کا پورا پورا جواب دیا جائے گا۔ اور اس کا بھرپور جواب میں دوں گا۔ آج نہیں چند ماہ بعد۔"

خلیفہ نے پوچھا۔ "کیسا جواب؟ اور چند ماہ بعد کیوں؟"

سلطان طغرل نے کہا۔ "میں اپنا قد بڑھانا چاہتا ہوں۔ اتنا بڑا کہ آپ کا ہم سر ہو جاؤں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ مجھے ایسا کرنے نہیں دیا جائے گا مگر میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میں ایک بار جو ارادہ کر لیتا ہوں اس کو پورا کر کے رہتا ہوں۔"

سلطان طغرل ارسلان کو ڈیرے لے گیا۔ وہاں اس کی بیوی کی حالت بہت خراب ہو رہی تھی۔ شاید وہ اپنے شوہر کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے سلطان کو جی بھر کے دیکھا اور دنیا سے ہمیشہ کے لیے منہ موڑ لیا۔

ڈیرے کا محل کچھ دنوں کے لیے غم کدہ بن گیا۔ سلطان نے آنسو تو بہا لیے مگر بین کر کے نہیں رویا۔

ارسلان خاتون کو اب بھی یہی شبہ تھا کہ اس کا چچا صحیح الدماغ نہیں رہا۔

سلطان نے چند دنوں کے لیے خود کو ایک کمرے میں قید کر لیا۔ وہ کسی سے بھی نہیں مل رہا تھا۔ شہزادہ سلیمان کی ماں جو اب سلطان طغرل کی حد درجہ چہیتی بیوی تھی، وہ دروازے پر بار بار دستک دیتی رہی اور وہ باہر سے یہی پوچھتی کہ یہ اندر کیا کر رہے ہو؟ باہر نکلو۔

تین دن کی شبانہ روز کوششوں کے بعد سلطان طغرل نے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ اس نے سلیمان کی ماں کو غضبناک نظروں سے دیکھا۔

سلیمان اپنی ماں کے ساتھ دروازے پر کھڑا تھا سلطان نے پوچھا۔ "تم لوگوں کو میرے اس غم کا احساس نہیں۔"

سلیمان کی ماں نے اس کو تسلی دی اور کہا۔ "میں نے آپ کو اتنا غمزدہ کبھی نہیں دیکھا۔ کیا یہ سوگ صرف اس موت کا ہے یا پھر...؟"

سلطان طغرل نے جواب نہیں دیا اور ارسلان خاتون کو پوچھا۔ "وہ کہاں ہے؟ اسے میرے پاس لاؤ۔"

سلیمان کی ماں نے اپنے بیٹے سلیمان کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ جو موجود ہے۔ ارسلان خاتون کی مجھے کوئی فکر نہیں کیونکہ وہ خلیفہ کی بیوی ہے۔ مجھے سلیمان کی فکر ہے جو فی الحال کچھ بھی نہیں۔"

سلطان نے سلیمان کو اپنے قریب بلایا۔ "یہ میرا بیٹا ہے۔ اس لیے تو اس کی فکر کیوں کر رہی ہے؟"

پھر اس نے سلیمان کو اپنے پاس بلا لیا اور اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرنے لگا۔

شہزادے کی ماں نے شکایت کی۔ "میں نے سنا ہے، آپ الپ ارسلان پر زیادہ توجہ دیتے ہیں اور اسی کو اپنا جانشین سمجھتے ہیں؟"

سلطان پریشان تھا اور اس وقت اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

شہزادے کی ماں نے اس خاموشی کا کچھ اور ہی مطلب لیا۔ "تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں نے جو کچھ کہا وہ درست تھا۔"

سلطان نے جواب دیا۔ "یہ درست نہیں ہے۔ میں الپ ارسلان کو بہت پسند کرتا ہوں لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ میں نے اسے اپنا جانشین نامزد کر دیا ہے۔"

سلیمان نے اپنی بات کی۔ "ان لوگوں نے مجھے بالکل نظر انداز کر دیا تھا۔"

سلطان نے جواب دیا۔ "وہ تینوں بھائی اپنی اپنی فوج کے ساتھ وہاں موجود تھے اور ابراہیم اینال کے ساتھ جنگ میں انھوں نے بھرپور حصہ لیا اور ابراہیم کو شکست دی۔ کیا میں ان کی ان خدمات کو نظر انداز کر دوں؟"

شہزادے کی ماں نے کہا۔ "میرا بیٹا مستقبل کا سلطان ہے۔ اس کو حکومت کرنا ہے اس لیے دوسرے بھائیوں کو اس کی تابعداری کرنا ہو گی۔ ان کو اپنی اپنی فوج کے ساتھ اسی طرح چاق و چوبند رہنا ہو گا۔"

اب ارسلان خاتون بھی آ چکی تھی۔ سلطان اس کو دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا۔

شہزادے کی ماں نے سلطان کو مشورہ دیا۔ "میں نے یہ بھی سنا ہے کہ الپ ارسلان کا اتالیق خواجہ حسن اس کو میرے بیٹے کے خلاف ورغلاتا رہتا ہے۔ آپ کسی بھی طرح خواجہ حسن کو

الپ ارسلان سے جدا کرا دیں۔"

سلطان نے معذرت کرلی۔"افسوس کہ میں ایسا نہیں کرسکتا۔"

وہ ناراض ہوگئی۔"آپ سلطان ہیں اور اتنا معمولی کام بھی نہیں کرسکتے؟"

سلطان نے جواب دیا۔"ہاں میں یہ کام نہیں کرسکتا۔"

وہ ضد کرتی رہی۔"تب پھر آپ آج ہی یہ اعلان کردیں کہ شہزادہ سلیمان آپ کا ولی عہد ہے۔"

سلطان نے اس سے بھی معذوری ظاہر کی۔"افسوس کہ سردست میں یہ بھی نہیں کرسکتا۔"

اس نے پوچھا"کیوں؟ آخر کیوں؟" اس کی تیوریاں چڑھ گئیں اور پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔"آپ ایسا کیوں نہیں کرسکتے؟"

سلطان نے جواب دیا۔"اگر میں ایسا کروں گا تو اس سے سلیمان کی زندگی کو خطرہ لاحق ہو جائے گا۔ اس کے خلاف سازشیں ہونے لگیں گی۔"

ماں نے پوچھا۔"کیوں؟ سازشیں کیوں ہونے لگیں؟"

سلطان نے جواب دیا۔"وہ سب طاقتور ہیں اور اس طاقت سے سلیمان کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔"

ماں کی سمجھ میں کچھ کچھ آرہا تھا۔ اس نے کہا۔"اگر یہ بات ہے تو میں خاموش ہو جاؤں گی مگر میں یہ ضرور چاہوں گی کہ سلیمان کو سلطان کی حیثیت سے نامزد تو آج ہی کر دیا جائے لیکن اس کا اعلان بعد میں کر دیا جائے۔"

سلطان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔"ہاں ایسا ممکن ہے، ایسا ہو سکتا ہے۔"

اس نے کہا۔"تب پھر آپ وزیر عمید الملک ابونصر کو بلا کر یہ کام آج ہی کرا دیں۔"

سلطان اس کے لیے تیار نہیں تھا لیکن شہزادے کی ماں کے اصرار اور دباؤ نے اس کو مجبور کر دیا۔ سلطان نے کہا"پہلے میں چند باتیں ارسلان خاتون سے کرلوں اس کے بعد یہ کام کروں گا۔"

اس نے پوچھا۔"میں یہاں موجود رہوں یا چلی جاؤں؟"

سلطان نے جواب دیا۔"تم دونوں جاؤ۔ میں اس سے تخلیے میں بات کروں گا۔"

وہ دونوں چلے گئے۔ سلطان نے اپنی پیشانی پکڑ رکھی تھی۔ کچھ دیر بعد سلطان نے اس سے پوچھا۔"ارسلان خاتون! تم نے خلیفہ کی باتیں سنی تھیں؟"

اس نے جواب دیا۔"ہاں میں نے وہ تکلیف دہ باتیں، تکلیف دہ دل سے سن لی تھیں۔"

اب سلطان نے اس کی ماں کے بارے میں پوچھا۔"اور تو نے اپنی ماں کی باتیں بھی سن لیں؟"

اس نے جواب دیا۔"ہاں یہ باتیں بھی سن لیں۔"

سلطان نے پیشانی کو سہلاتے ہوئے کہا۔"ان دونوں کی باتوں نے میرے سر میں درد پیدا کر دیا۔ میرا سر گھوم رہا ہے اور میرا دل ڈوب سا رہا ہے۔"

ارسلان خاتون نے کہا۔"آپ ان سب کی پروا نہ کریں اور آپ کو جو کچھ کرنا ہے کرتے رہیں۔"

سلطان نے آہستہ سے کہا۔"وہ تو میں کروں گا ہی۔ میں خلیفہ سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لوں گا۔ میں خلیفہ اور اس کی اولاد سے تیری بے عزتیوں کا بدلہ لوں گا۔"

ارسلان خاتون حیران ہو رہی تھی، پوچھا۔"وہ کس طرح؟ کیا آپ خلیفہ کو خلافت سے دستبردار کر دیں گے؟"

سلطان نے جواب دیا۔"نہیں، میں یہ نہیں کروں گا۔"

ارسلان خاتون کو پھر وہی شبہ ہوا کہ سلطان کا دماغی توازن شاید درست نہیں۔

سلطان نے پوچھا۔"خلیفہ کی بیٹی سیدہ کی کیا عمر ہوگی؟"

ارسلان خاتون نے جواب دیا۔"وہ میری ہم عمر ہے۔"

سلطان نے دوسرا سوال کیا۔"اس کی صورت شکل کیسی ہے؟"

ارسلان خاتون حیران تھی کہ سلطان اس سے کس قسم کی باتیں کر رہا ہے۔ جواب دیا۔"وہ بہت حسین ہے، بہت خوبصورت۔"

سلطان نے تیسرا سوال کیا۔"خلیفہ سیدہ سے کتنی محبت کرتا ہوگا؟"

ارسلان خاتون نے جواب دیا۔"بہت زیادہ، شاید وہ سب سے زیادہ سیدہ ہی کو چاہتا ہے۔"

سلطان کچھ دیر خاموشی سے سوچتا رہا۔ اس کے بعد ارسلان خاتون کو حکم دیا۔"اب تو جا سکتی ہے۔"

ارسلان خاتون سوچتی ہوئی چلی گئی۔

سلطان اپنے کمرے سے نکل کر دیوان رسالت چلا گیا۔ وہاں کا عملہ سلطان کو غیر متوقع اپنے دیوان میں دیکھ کر گھبرا گیا۔ وہ سب ادب سے قطار میں کھڑے ہوگئے۔

سلطان کچھ دیر وہاں کھڑا کچھ سوچتا رہا۔ اس کے بعد پوچھا۔"ابونصر کندری کہاں ہے؟"

جواب دیا گیا۔"کچھ دیر پہلے یہیں تھا لیکن اب شاید دیوان [illegible] ہو گا۔"

کسی نے پوچھا"کیا ابونصر کو یہاں بلوایا جائے؟"

سلطان نے جواب دیا۔"نہیں میں اس سے وہیں مل لوں گا۔"

سلطان یہاں سے نکل کر دیوانِ قضاۃ کی طرف چل دیا۔ سلطان کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی اس کی خبر وہاں پہنچ چکی تھی۔

جب سلطان وہاں پہنچا تو دیوانِ قضاۃ کا عملہ اس کے استقبال کے لیے باہر ہی کھڑا ہوا تھا۔ قاضی ابو سعد سب سے آگے تھا اور ابو نصر اس کے ساتھ ہی کھڑا تھا۔

سلطان ان سب کے ساتھ دیوانِ قضاۃ کی عمارت میں داخل ہوا۔

وہ سب پریشان ہو رہے تھے کہ آج کوئی خاص بات ضرور ہے۔

سلطان ابو نصر کو لے کر ایک گوشے میں چلا گیا اور اس کو شہزادہ سلیمان کی ماں کا قصہ سنایا: "وہ بے وقوف عورت بضد ہے کہ میں سلیمان کو آج ہی اپنا جانشین نامزد کر دوں لیکن تو خود سوچ کہ میں یہ کام اتنی جلدی کس طرح انجام دے سکتا ہوں؟"

ابو نصر نے جواب دیا: "آپ فکر نہ کریں۔ میں ان دونوں کو سنبھال لوں گا۔"

سلطان نے کہا: "اور ہاں اس کا خیال رہے کہ میں اس عورت کو بہت چاہتا ہوں۔ اس کی دل شکنی نہ ہو کسی بات سے۔ اس کو تو یہ تسلی دے سکتا ہے کہ یہ کام کسی اور دن ہو جائے گا۔ آج پر اصرار نہ کرے۔"

ابو نصر نے پھر وہی بات کی: "آپ فکر مند نہ ہوں۔ میں ان دونوں کو راضی کر لوں گا۔"

سلطان نے کہا: "دیکھ، بات بگڑ نہ جائے۔"

ابو نصر نے وعدہ کیا: "میں کہتا ہوں کہ بات نہیں بگڑے گی۔"

سلطان نے کہا: "اچھا اب تو ان دونوں کے پاس جا سکتا ہے۔"

ابو نصر اسی وقت ان دونوں کے پاس چلا گیا۔

ابو نصر کے چلے جانے کے بعد سلطان قاضی ابو سعد سے مخاطب ہوا: "قاضی ابو سعد! آج میں تیرے سپرد اپنا ایک اہم کام کر رہا ہوں۔"

قاضی ابو سعد فوراً سر جھکا کر کھڑا ہو گیا: "آپ مجھے حکم دیں۔ میں اپنی پوری صلاحیتوں سے اسے انجام دوں گا۔"

سلطان نے جواب دیا: "میں بغداد سے یہاں آیا تو جوان تھا اور زوال کا شکار ہو گیا۔"

قاضی ابو سعد نے عرض کیا: "سلطانِ محترم! زندگی اور موت کا اختیار اللہ کو ہے اور یہ بھی ایک امرِ مسلمہ ہے کہ جو بھی وہاں سے آیا ہے اسے واپس بھی جانا ہے۔"

سلطان نے کہا: "تو بغداد چلا جا۔ امیر المومنین کے پاس اور نہایت ادب اور سلیقے سے خلافت مآب کی خدمت میں میری طرف سے اس کی بیٹی سیدہ کے لیے میرا رشتہ دے یعنی سیدہ کو میرے لیے مانگ لے۔"

قاضی ابو سعد کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس نے آہستہ سے پوچھا: "جی!"

سلطان نے کہا: "ہاں، میں نے جو کچھ کہا وہ وہی ہے جو تو نے سنا۔ میں اس کی بیٹی سیدہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ میں یعنی میں طغرل۔ سلطان طغرل۔ میں خود کو خلافت مآب کی فرزندی میں دے دینا چاہتا ہوں۔"

قاضی ابو سعد نے سلطان کے سر کے بالوں کی طرف دیکھا جو بالکل سفید ہو چکے تھے۔

سلطان نے پوچھا: "ادھر میرے بالوں کی طرف کیا دیکھ رہا ہے۔ جو میں کہہ رہا ہوں وہ سن اور اس پر عمل کر۔"

قاضی ابو سعد کو اپنی جان کا خوف تھا: "اور وہ... جب میں امیر المومنین سے یہ بات کہوں گا تو کیا اس وقت امیر المومنین کے پاس کوئی سیاف (جلاد) نہیں ہوگا؟"

سلطان نے جواب دیا: "اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ جلاد تو یہاں بھی موجود ہے۔"

قاضی ابو سعد کو اپنے چاروں طرف جلاد ہی جلاد نظر آنے لگے۔ اس کے جسم میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔

سلطان نے کہا: "میں تجھ کو اتنا کمزور نہیں سمجھتا تھا۔"

قاضی نے جواب دیا: "اور میں اتنا کمزور ہوں بھی نہیں۔ میں آپ کا یہ حکم ضرور بجا لاؤں گا۔ میں امیر المومنین سے ذرا بھی خوفزدہ نہیں ہوں۔"

لیکن وہ زبان سے جو کچھ کہہ رہا تھا اس کی زبان اور اس کا پورا جسم اس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

قاضی ابوسعد اپنے آپ کو ایک ایسی جگہ کھڑا ہوا محسوس کر رہا تھا
جہاں اس کے آگے تو ایک خطرناک خندق تھی اور پیچھے چاہِ ہلاکت۔ وہ سلطان سے انکار نہیں کر سکتا تھا اور خلیفہ سے اس نسبت کی خواہش کی بات نہیں کر سکتا تھا۔ سلطان اس کے تذبذب کو سمجھ چکا تھا۔ اس نے قاضی ابوسعد کو حوصلہ دیا۔ "تو یہ کام کرے گا اور نہایت ہوشیاری اور دانائی سے کرے گا۔ تیرے اس کام کی کامیابی پر تیرے مستقبل کا انحصار ہے۔"

قاضی ابوسعد نے پوچھا۔ "میں بغداد کب جاؤں؟"

سلطان نے جواب دیا۔ "جلد از جلد، بلکہ کل ہی۔ اور تو اس کام کو تنہا انجام نہیں دے گا۔ میرا وزیر ابونصر کندری تیری مدد کرے گا بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ جس بات کی ابتدا تو کرے گا اس کا انصرام ابونصر کندری کے ہاتھوں ہو گا۔"

اب قاضی ابوسعد میں اتنی ہمت آ گئی تھی کہ وہ خلیفہ سے اس کی بیٹی سیدہ کو سلطان طغرل کے لیے مانگ لے۔ اپنی مدد کے لیے قاضی نے چند بہادروں اور عاقلوں کا انتخاب کیا۔ جن میں ابراہیم اینال کے دو بیٹے بھی تھے کیوں کہ ابوسعد کا خیال تھا کہ ابراہیم اینال کے دونوں بیٹے اپنے عم سلطان طغرل کے مزاج میں اثر و رسوخ پیدا کرنے کے لیے اپنی جانیں تک دے سکتے تھے۔ یہ کام اتنا بڑا اور اہم تھا کہ بصورتِ ناکامی ان کو قتل بھی کیا جا سکتا تھا اور بصورتِ کامیابی وہ دوبارہ اپنے باپ کا سا مقام حاصل کر سکتے تھے۔

سلطان کا خیال تھا کہ قاضی ابوسعد اپنے ساتھ خمارتگین کو لے جائے کیوں کہ خمارتگین بہادر بھی تھا اور عقل مند بھی لیکن جب اسے یہ بتایا گیا کہ ابراہیم اینال کے دونوں بیٹے قاضی ابوسعد کے ساتھ جانا چاہتے ہیں تو اس نے اجازت دے دی۔ قاضی انہیں اپنے ساتھ لے کر بغداد چلا گیا۔

اس کے بعد سلطان نے ابونصر کو بلوایا اور اس کو بتایا کہ قاضی ابوسعد بغداد کیوں بھیجا گیا ہے۔

ابونصر کو بڑی حیرت ہوئی کہ یہ اچانک سلطان کو شادی کا خیال کیوں آ گیا؟ اور شادی بھی کس سے؟ خلیفہ کی بیٹی سیدہ سے!
اس نے شکوہ کیا۔ "آپ نے یہ نازک کام میرے ذمے کیا ہوتا۔"

سلطان نے جواب دیا۔ "یہ کام بالآخر تو ہی انجام دے گا۔ ابوسعد تو میرا ہراول دستہ ہے۔ اس مہم کی تسخیر بالآخر تجھ سے ہو گی۔"

ابونصر نے پوچھا۔ "جنابِ والا! کیا میں یہ معلوم کر سکتا ہوں کہ ابوسعد کے ساتھ کون کون گیا ہے؟"

سلطان نے جواب دیا۔ "بھائی ابراہیم اینال کے دونوں بیٹے، اسماعیل اور امجد۔ ان کا باپ میرا بھائی تھا۔ دونوں میرے بھتیجے ہیں اور ان کا مجھ پر حق تو ہے حالانکہ قاضی اگر مجھ سے مشورہ کرتا تو میں خمارتگین کا مشورہ دیتا۔"

ابونصر کو بھی ابراہیم اینال کے بیٹوں سے ہمدردی تھی۔ اس نے بھی انہی دونوں کی تائید کی۔ "وہ دونوں اب آپ کی خصوصی توجہ کے مستحق ہیں۔ وہ آپ کے لیے اپنی جانیں قربان کر سکتے ہیں۔"

سلطان نے کہا۔ "حالانکہ میں ان دونوں کی جگہ خمارتگین کو ساتھ بھیجنا چاہتا تھا۔ مگر قاضی ابوسعد نے میری رائے کو مناسب نہ سمجھا۔"

ابونصر نے بھی خمارتگین کی مخالفت کی۔ "امیر المومنین کے پاس خمارتگین کا نہ بھیجنا مناسب ہوا کیوں کہ خمارتگین نہیں جانتا کہ امیر المومنین سے بات کس طرح کی جانی چاہیے۔"

سلطان نے کہا۔ "میں دو چار دن میں آذربائیجان چلا جاؤں گا پھر وہاں سے آرمینیا جانے کا ارادہ ہے۔ اس دوران میری عدم موجودگی میں تجھ کو یہ اختیار حاصل ہو گا کہ جس طرح چاہے میری طرف سے خلیفہ سے بات طے کر لے۔"

سلطان یہ ہدایت دے کر محل میں چلا گیا۔ وہاں سلیمان کی ماں کو یہ بتا دیا کہ اب میں خلیفہ کی بیٹی سیدہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔

شہزادہ سلیمان کی ماں نے حیرت سے سیدہ کی عمر پوچھی۔ "اس کی عمر کیا ہو گی؟"

سلطان نے جواب دیا۔ "تیری بیٹی ارسلان خاتون جتنی۔"

شہزادے کی ماں کو ہنسی آ گئی۔ "کیا آپ مجھ سے مذاق کر رہے ہیں؟"

سلطان نے اپنی سنجیدگی برقرار رکھی۔ "عورت! میں سلطان ہوں کوئی مسخرہ نہیں۔ اس عمر میں ہنسی مذاق کروں گا؟"

شہزادے کی ماں بھی سنجیدہ ہو گئی۔ اس کی مسکراہٹ کافور ہو گئی۔ طنزیہ لہجے میں کہا۔ "ہاں یہ تو میں بھول ہی گئی تھی کہ آپ مشرق اور مغرب کے بادشاہ ہیں۔ میرے شوہر اور مشرق اور مغرب کے بادشاہ اور بادشاہ مسخرے نہیں ہوتے۔"

سلطان کے دل و دماغ اس طنز کی چوٹ سے زخمی ہو گئے۔ اس نے حکم دیا۔ "اپنی بیٹی ارسلان خاتون کو بلا۔ وہ اس خبر سے بہت خوش ہو گی۔"

وہ ناراض ناراض خفا خفا خود ہی ارسلان خاتون کی تلاش میں چلی گئی اور تھوڑی دیر بعد اس کے ساتھ ہی واپس آ گئی۔

سلطان نے اسے خوش خبری سنائی "ارسلان خاتون! اب خلیفہ کی تیری ہم عمر بیٹی سیدہ عنقریب میری دلہن بن جائے گی۔ قاضی ابوسعید بغداد چلا گیا ہے، وہ بات پکی کر کے بہت جلد واپس آجائے گا اور تو اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ لے گی کہ تیری اہانت کرنے والا خود کتنا ملک سار ہو رہا ہے۔"

ارسلان خاتون فوری طور پر کسی خوشی یا غم کا اظہار نہ کر سکی کیوں کہ اس نے جو کچھ سنا تھا اس پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

سلطان اسے یقین دلا رہا تھا "قاضی ابوسعید واپس آجائے پھر ابونصر کے ساتھ تو بغداد جائے گی، یہ کام تیرے ہاتھوں انجام پائے گا کیوں کہ اس کی اصل لذت اور حقیقی خوشی کا احساس تجھ سے زیادہ کوئی بھی نہ کر سکے گا۔"

سلطان بات تشنہ چھوڑ کر وہاں سے چلا گیا۔ ارسلان خاتون اور اس کی ماں ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

ارسلان خاتون نے اپنی ماں سے پوچھا "ماں! یہ کیا ہو رہا ہے؟ سلطان کو کچھ ہو تو نہیں گیا؟"

ماں نے یہی سوال بیٹی سے کر دیا "میں سلطان کو تجھ سے زیادہ تو نہیں جانتی، جب تو بغداد میں تھی تو وہاں بھی سلطان نے اس قسم کی باتیں کیں کبھی؟"

ارسلان خاتون نے ذہن پر زور دیتے ہوئے جواب دیا "ہاں، وہاں بھی کئی بار ایسی باتیں ہو چکی ہیں۔"

ماں کو سلطان پر غصہ بھی آ رہا تھا "جو کام کرنے کا ہے وہ تو کرتا نہیں۔ نوجوان لڑکی سے شادی کرے گا۔ سلیمان کی ولی عہدی کا اعلان نہیں کرتا۔"

ارسلان خاتون نے ماں کو منع کیا "ماں! اس قسم کی باتیں نہ کریں کیوں کہ سلطان کے دماغی توازن کا کوئی اعتبار نہیں۔ سلطان کو آپ اپنا شوہر نہ سمجھیں کیوں کہ میں انھیں اپنے عم سے زیادہ سلطان سمجھتی ہوں، آپ بھی انھیں سلطان ہی سمجھیں۔ مشرق اور مغرب کا سلطان۔"

ماں نے بھی وقتی طور پر حالات سے سمجھوتا کر لیا "ٹھیک ہے، میں خاموش ہو جاؤں گی لیکن میرا بیٹا سلیمان سلطان کے بعد بادشاہ ہوگا۔ یہ کام اور یہ اعلان میں کرا کے ہی دم لوں گی، باقی دکھ، ہنسی، خوشی جھیل لوں گی۔"

محل کے ہر فرد کو یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ سلطان خلیفہ کی بیٹی سیدہ سے شادی کر رہا ہے لیکن سبھی دم بخود خاموش ہیں، کیوں کہ یہ نکتہ ہر ایک کی سمجھ میں آچکا تھا کہ سلطان کا محل کے اندر یا باہر کسی سے کوئی رشتہ نہیں، سلطان صرف سلطان ہے۔ اس لیے جو چاہے کرے اور کسی کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ سلطان کے کسی ذاتی یا غیر ذاتی معاملے میں دخل دے۔ سلطان کا ہر قدم درست اور اس کا ہر فیصلہ حق بجانب ہے۔

شہزادہ سلیمان اپنی ماں اور بہن ارسلان خاتون کے سامنے ہنسنے لگا "یہ میں کیا سن رہا ہوں؟"

ماں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا "خبردار جو مسکرایا۔ طغرل تیرا عم یا میرا شوہر نہیں، وہ بادشاہ ہے، جو چاہے سو کرے۔"

ارسلان خاتون نے بھی بھائی کو نصیحت کی "اگر تو بادشاہ بننا چاہتا ہے تو اپنے عم کی ہاں میں ہاں ملاتا رہ، قسمت اور اقبال تیرے عم پر حد درجہ مہربان ہیں۔"

سلطان آذربائیجان چلا گیا تو شہزادہ سلیمان کی ماں نے محل میں ابونصر کندری کو طلب کیا۔ اس کو محل کے اندر خفیہ راہداری سے لایا گیا۔

محل کے اس کمرے میں پرندوں والے کپڑے دیواروں کو ڈھانپے ہوئے تھے اور شیروں والے قالین فرش پر بچھے ہوئے تھے۔ یہ ترک خواتین جو صحرا سے اٹھ کر محلوں میں آگئی تھیں ان کو مناظر فطرت اور پرندوں، چرندوں اور درندوں سے بڑی دلچسپی تھی۔ ابونصر یہاں چلا تو آیا تھا لیکن اس بار وہ کچھ پریشان بھی تھا۔ وہ سلطان کی عدم موجودگی میں شہزادہ سلیمان کی ماں سے کسی قسم کی باتیں نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کو محل میں کیوں طلب کیا گیا تھا اور یہاں اس سے کس قسم کی باتیں کی جانے والی تھیں۔

یہاں شہزادہ سلیمان بھی موجود تھا اس نے محل میں اپنے سامنے ابونصر کو دیکھا تو ہنستے ہوئے کہا "سلطان آپ کی بڑی عزت کرتا ہے کیا آپ ان کو منع نہیں کر سکتے کہ وہ یہ غیر انسانی کام نہ کریں۔"

ابونصر نے شہزادے کو منع کر دیا "میں یہاں آپ کا نہیں آپ کی ماں کا مہمان ہوں، ان کو یہاں بلائیں تاکہ وہ مجھے بتائیں کہ میں یہاں کیوں بلوایا گیا ہوں۔"

شہزادے نے جواب دیا "آپ سلطان کو دلیلیں دے کر سمجھائیں کہ وہ ایسا نہ کریں۔"

لیکن اسی وقت شہزادے کی ماں بھی وہاں پہنچ گئیں اور سلیمان کو سمجھانے لگیں "تو بالکل خاموش رہ، کچھ لوگ غلط سلط حوالوں کو تجھ سے منسوب کر کے تجھے جس اذیت میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں، تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔"

پھر وہاں سے شہزادہ سلیمان کو ہٹا دیا گیا۔ اس کے جاتے ہی شہزادے کی ماں نے پوچھا "تجھ کو اس شادی کے بارے

میں کیا کچھ معلوم ہے؟"

ابونصر نے جواب دیا: "مجھ کو سب کچھ معلوم ہے اور یہ کام شاید میرے ہی ہاتھوں انجام پائے۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور اندر جا کر دوبارہ آ گئی۔ وہ اپنے اندرونی کمرے سے ایک تھیلی لائی تھی۔ اس نے تھیلی ابونصر کی طرف بڑھا دی: "اسے رکھ لے۔ اس میں میرے جواہرات ہیں۔ تیری کئی پشتیں آسودہ حال رہیں گی۔"

ابونصر نے شرمندگی سے جواب دیا: "آپ کن پشتوں کی بات کر رہی ہیں۔ اب میری ساری پشتیں مجھ پر ہی ختم ہو جائیں گی اس لیے یہ تھیلی کسی اور کو دے دیں۔"

ماں نے یہ تھیلی زبردستی ابونصر کی گود میں ڈال دی۔

"انکار نہ کر۔ میں خوشی سے دے رہی ہوں۔"

ابونصر نے جواب دیا: "لیکن میں اسے بخوشی قبول نہیں کر سکتا۔"

اس نے پوچھا: "وجہ؟ سبب؟"

ابونصر نے جواب دیا: "میرے پاس آپ کا دیا ہوا بہت کچھ ہے۔"

ماں نے ناخوشگوار لہجہ اختیار کیا: "کیا تو میری خفگی کا متحمل ہو سکے گا؟"

ابونصر نے جواب دیا: "شاید نہیں۔"

اس نے کہا: "تب پھر اس تھیلی کو قبول کر لے۔ میں یہ تجھ کو یوں ہی نہیں دے رہی۔ اس کے بدلے میں تجھ سے کام لوں گی۔"

ابونصر نے عہد کیا: "آپ کام بتائیں۔ میں وہ کام بخوشی کروں گا کسی معاوضے یا لالچ کے بغیر۔"

اس نے پوچھا: "کیا یہ درست ہے کہ نعیم کی بیٹی سیدہ اور سلطان کی شادی کی بات تیرے ذریعے طے ہونے والی ہے؟"

ابونصر نے جواب دیا: "ابھی میں خود کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن سلطان کا یہی خیال ہے۔"

اس نے تند و تیز نظروں سے ابونصر کو گھورا: "اور اگر تو چاہے تو یہ رشتہ نہ طے پائے، کیا ایسا بھی ممکن ہے؟"

ابونصر نے بے مروتی سے جواب دیا: "مگر میں چاہوں گا ہی کیوں۔ میں تو چاہتا ہوں کہ یہ شادی ہو جائے۔"

وہ آپے سے باہر ہونے لگی: "تو یہ کیوں چاہتا ہے؟ آخر کیوں؟"

ابونصر نے سیدھا سا جواب دیا: "میں اس لیے یہ چاہتا ہوں کہ سلطان کی بھی یہی مرضی ہے۔"

وہ آہستہ آہستہ اپنے سنجیدہ خول سے باہر نکل رہی تھی: "لیکن میں یہ نہیں چاہتی اور جو میں نہیں چاہتی وہ نہیں ہونا چاہیے۔"

ابونصر خاموش ہو گیا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

وہ گرجنے لگی: "تو خاموش کیوں ہو گیا؟ میری بات کا جواب کیوں نہیں دیتا؟"

ابونصر نے جواب دیا: "افسوس کہ میں سلطان کی خوشی کے لیے اپنی جان تک دے سکتا ہوں۔"

وہ اچانک نرم پڑ گئی: "وہ تو ٹھیک ہے۔ تو جان دے سکتا ہے سلطان کی خوشی کے لیے لیکن میں چاہتی ہوں کہ تو زندہ رہے۔"

ابونصر نے سوالیہ نظروں سے سلیمان کی ماں کو دیکھا۔

وہ ابونصر کو کن انکھیوں سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے کہا: "سب کی طرح تو بھی یہ نہیں جانتا کہ تو اس دنیا میں کتنی عمر لے کر آیا ہے لیکن میں یہ جانتی ہوں کہ تو..." وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی پھر پوچھا: "میں صرف یہ جاننا چاہتی ہوں کہ تو میرا کام کرے گا یا نہیں؟"

ابونصر نے تجاہل عارفانہ سے کام لیا: "کون سا کام؟ آپ کا کون سا کام؟"

اس نے جواب دیا: "یہ شادی نہیں ہونا چاہیے۔ تو خلیفہ سے کچھ اس طرح بات کر کہ وہ صاف انکار کر دے۔"

ابونصر نے پوچھا: "محترم خاتون! یہاں کوئی جلاد ہو گا؟"

اس نے حیرت سے پوچھا: "جلاد سے تیرا کیا کام آن پڑا؟"

ابونصر فرش پر سجدے میں گر گیا: "آپ جلاد کو حکم دیں کہ وہ مجھے اسی وقت یہیں قتل کر دے کیونکہ مجھے اندازہ ہو چکا ہے کہ میری زندگی کے دن پورے ہو گئے۔"

اس نے میٹھی میٹھی باتیں شروع کر دیں: "یہ امر مسلمہ ہے کہ سلطان کے بعد حکومت میرے بیٹے سلیمان کے پاس آ جائے گی۔ اور سلیمان میرے حکم پر تجھ کو اپنا وزیر بنائے گا۔ ایسا وزیر نہیں، جیسا آج ہے۔ با اختیار وزیر۔ لیکن آنے والے خوشگوار اور حسین دنوں کے لیے تجھ کو آج کچھ کر گزرنا ہو گا۔"

ابونصر کے پاس ایک ہی جواب تھا: "افسوس کہ میں فرائض منصبی سنبھالنے میں بددیانتی سے کام نہیں لوں گا۔"

وہ ایکدم گرم ہو گئی اور ابونصر کے سامنے پڑی ہوئی تھیلی اٹھا کر بغل میں داب لی: "تجھ کو یہ غلط فہمی معلوم نہیں کیوں ہو گئی ہے کہ تو جو کام نہیں کرے گا وہ کوئی

اور بھی نہیں کر سکے گا۔ جا آرام کر۔ میں یہ کام کسی اور سے کسی اور طرح کرا لوں گی۔"

ابو نصر نے سجدے سے سر اٹھایا اور اس کو سمجھانے کی کوشش کی: "آپ جو کچھ کرنا چاہتی ہیں، وہ نہ کریں کیوں کہ یہ آگ اور پانی کا کھیل ہے۔ سلطان کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ سلطان کی یہ فطرت ہے کہ وہ جس کام کا ارادہ کر لیتے ہیں اسے تکمیل تک پہنچائے بغیر دم نہیں لیتے۔"

شہزادے کی ماں نے جواب دیا: "میں سلطان کو تجھ سے ہی نہیں، سب سے زیادہ جانتی ہوں۔ اب تو جا سکتا ہے اے بدقسمت انسان!"

ابو نصر وہاں سے چلا تو آیا لیکن وہ اس عورت سے ڈرتا تھا۔ وہ خوب جانتا تھا کہ وہ سازشیں جو محلات کے اندر سے شروع ہوتی ہیں ان پر قابو پانا تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔ وہ اپنے محل میں گیا تو اس کی وہ کنیز جو کبھی اس کی تباہی کا باعث بن چکی تھی اور جس کی وجہ سے ابو نصر اپنی نسل کا سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر چکا تھا، خلافِ معمول ناراض ناراض سی ملی۔ ابو نصر کے تکدر میں اور اضافہ ہو گیا۔ ابو نصر اس کو نظر انداز کر کے اپنی ماں کے پاس جانے لگا۔ کنیز نے اس کا راستہ روک لیا: "آپ رکیں، مجھے آپ سے چند باتیں کرنا ہیں۔"

ابو نصر نے اس کو اپنے ہاتھ سے ایک طرف ہٹا دینا چاہا۔ "اس وقت میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے پھر کسی وقت بات کر لوں گا۔"

کنیز زبردستی سامنے کھڑی ہو گئی: "جب سے آپ نے وزارتِ عظمیٰ کا منصب سنبھالا ہے آپ محل میں کم رہتے ہیں۔ کبھی رے میں، کبھی بغداد میں اور کبھی جنگ کے میدان میں۔ اس لیے میں اس وقت بات کر کے رہوں گی۔"

ابو نصر بھی اپنی ضد پر قائم رہا اور غصے میں کنیز کو ایک طرف دھکیل کر ماں کے پاس چلا گیا۔

ماں نے مدتوں بعد بیٹے کو اپنے سامنے دیکھا تو خوشی سے پھولی نہیں سمائی۔ وہ کھڑی ہو گئی اور محبت آمیز لہجے میں کہا: "تیرے وزیر بن جانے سے میں بے حد خوش ہوں۔ لوگ دور دور سے تیرا ذکر فخریہ کرتی ہوں مگر افسوس کہ جب اللہ نے تجھ کو اتنا بڑا منصب دیا تو تو میرے لیے کمیاب ہو گیا!"

ابو نصر نے اپنی بوڑھی ماں کی پیشانی کو چوم لیا: "یہ سب کچھ آپ کی دعاؤں کا ثمرہ ہے اور آپ سے نہ مل سکنے کا مجھے بھی بے حد افسوس ہوتا ہے لیکن آپ ہی بتائیں کہ میں کیا کروں؟"

ماں نے فراخدلی سے جواب دیا: "میں تو تیری خوشی

ایک جوتا فروش نے نئی نئی دکان کھولی تو اکبر الٰہ آبادی کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا: "حضرت! میں نے جوتوں کی دکان کھولی ہے، کوئی شعر عطا فرمائیے۔"

اکبر الٰہ آبادی نے فوراً یہ شعر لکھ کر دے دیا۔

شو میکری کی کھولی ہے ہم نے جو یہ دکان
روٹی کو ہم کمائیں گے جوتوں کے زور سے۔

میں خوش رہتی ہوں۔ اللہ تجھ کو یوں ہی ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔"

ماں نے ابو نصر کو اپنے تخت پر اپنے پاس کر ہی بٹھا لیا اور پوچھا: "تو یہاں میرے پاس کتنی دیر کے لیے آیا ہے؟"

ابو نصر نے جواب دیا: "میں خود نہیں جانتا کہ میں یہاں کتنے دن رہوں گا لیکن شاید دو تین دن رکنے کا ارادہ تو ہے ورنہ دوسری صورت میں کسی وقت بھی جا سکتا ہوں۔"

ماں نے اپنی کنیزوں کو حکم دیا کہ وہ ان کے بیٹے ابو نصر کے لیے خوانچہ لائیں اور جب خشک میوہ اس کے سامنے رکھ دیا گیا تو وہ مزے لے لے کر کھانے لگا اور ماں اس کے پاس بیٹھ کر اپنے آنچل سے گٹھلیاں اکٹھی کرنے لگی۔

اچانک ابو نصر کی نظر اپنی کنیز پر پڑی جو اس سے پندرہ بیس قدم دور برآمدے میں کھڑی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

ماں نے اپنے بیٹے کو برآمدے کی طرف نظریں جمائے دیکھا تو خود بھی اس طرف دیکھنے لگی۔ اس نے بھی کنیز کو دیکھ لیا اور کچھ دیر بعد ابو نصر سے پوچھا: "بیٹے ابو نصر! میں تجھ سے ایک بات پوچھوں؟"

ابو نصر نے جواب دیا: "پوچھیں، میں آپ کے ہر سوال کا جواب دوں گا۔"

ماں نے پوچھا: "ابھی جب تو آیا تھا تو تیری کنیز نے تجھ سے کوئی بات کی تھی؟"

ابو نصر نے جواب دیا: "اس نے بات کرنا چاہی تھی لیکن میں یہاں آپ کے پاس چلا آیا۔"

ماں نے نظریں ملائے بغیر مشورہ دیا: "اس سے بات کر لے، اسے جو چاہتی ہے اسے مان لے کیوں کہ تو اس لائق نہیں رہا کہ تو ہمیشہ اسے اپنے پاس رکھے۔"

ابو نصر کے دل میں ایک اچنبا کا سا ہوا جیسے جلتے توے پر پانی کی بوند پڑ گئی ہو۔

ملازمہ بات کر کے سامنے سے ہٹ گئی۔ ابونصر کے تکدر میں اور اضافہ ہو گیا۔

ابونصر اٹھا اور کنیز کے پاس سے گزرتے ہوئے کہا: "آج میں جس آگ میں جل بھن رہا ہوں وہ تیری ہی لگائی ہوئی ہے۔ اب میں تجھ کو بھی اپنی ہی طرح محروم اور مایوس دیکھوں گا۔ کل میں بغداد چلا جاؤں گا۔"

کنیز نے جواب دیا: "آپ ظالم ہیں۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔ جو کچھ کیا آپ نے کیا تھا اور آپ نے اپنے ہی کیے کی سزا پائی۔"

لیکن ابونصر نے اس کا جواب سنا ہی نہیں۔ وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اس نے اپنے کمرے کو اندر سے بند کر لیا۔ اب اس کو سلطان طغرل پر غصہ آ رہا تھا۔

نصف شب کے بعد وہ اپنے کمرے سے باہر نکلا۔ وہ کھانے کے لیے بھی باہر نہیں نکلا تھا اور کسی نے کھانے کے لیے اسے پوچھا بھی نہیں۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ گھر کا ہر شخص اسے نظر انداز کر چکا تھا۔ کسی کو بھی اس کی پرواہ نہ تھی۔

جب وہ اپنے کمرے سے باہر نکلا تو راہداری کی طاق میں ایک پنج شاخہ شمع روشن دیکھی۔ اس کی روشنی پوری راہداری کے لیے ناکافی تھی۔ اب اس کا غصہ سرد پڑ چکا تھا اور اس نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اب کنیز سے بات کر لی جائے۔ اس نے شمع کی جھلملاتی روشنی میں ایک گٹھری سی سامنے کی دیوار سے ملحق پڑی دیکھی۔ اس نے اس گٹھری کو ہاتھ سے ٹٹول کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ کوئی جاندار ہے جو چادر میں لپٹا منہ چھپائے بیٹھا ہے۔ اس نے اسے چھوڑ دیا اور گھبرا کے پوچھا: "تو کون ہے اور یہاں کیا کر رہا ہے؟"

جاندار کے چہرے پر سے چادر ہٹ گئی اور ابونصر نے اسے پہچان لیا۔ یہ وہی کنیز تھی جس کے پاس وہ جا رہا تھا۔

ابونصر کی زبان سے بے اختیار نکلا: "ارے، یہ تو ہے! تو یہاں بیٹھی کیا کر رہی ہے۔ میں تو تیرے ہی پاس جا رہا تھا اس وقت۔"

کنیز ادب سے کھڑی ہو گئی۔ جواب دیا: "میں شام سے یہیں بیٹھی ہوں اور میں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ میں اس وقت تک یہیں بیٹھی رہوں گی جب تک کہ میں وہ بات نہ کر لوں جو میں کرنا چاہتی ہوں۔"

ابونصر نے پھر وہی بات کی: "اس وقت میں تیرے پاس جا رہا تھا۔"

کنیز نے سرد آہ بھری اور بے یقینی سے کہا: "اللہ جانے، میں کس طرح یقین کر لوں۔"

ابونصر نے اس کو شانوں سے پکڑ کر اٹھا لیا اور کہا: "آ میرے ساتھ میرے کمرے میں، وہیں بات ہو جائے گی۔"

کنیز اس کے ساتھ اس کے کمرے میں چلی گئی۔ یہاں بھی دو مختلف طاقوں میں کئی کئی شمعیں روشن تھیں اور ان کی ٹھنڈی روشنی میں کمرا بہت اچھا لگ رہا تھا۔

کمرے میں تخت نما اس جیسی ایک چیز بھی نہ تھی۔ ہاں، سفید فرش پر گاؤ تکیے رکھے ہوئے تھے۔ ابونصر خود بھی ایک گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور اپنے سامنے کنیز کو بٹھا لیا اور کہا: "ہاں اب بتا تو کیا بات کرنا چاہتی ہے؟"

کنیز نے کچھ دیر ابونصر کے چہرے کا جائزہ لیا اور ڈرتے ڈرتے کہا: "میں آپ سے جو بات کرنا چاہتی ہوں آپ اس سے خوش نہیں ہوں گے، ناراض ہو جائیں گے یہی سوچ کر میں خاموش ہوں۔"

ابونصر نے کرخت لہجے میں کہا: "بدنصیب عورت! میرا اور اپنا وقت ضائع نہ کر۔ جو بات کرنا ہے فی الفور کر لے۔"

کنیز نے پوچھا: "میری وجہ سے آپ کو جو سزا ملی تھی اس میں میں خود کو بھی مجرم محسوس کرتی رہی اور آپ کے ساتھ اتنے دن رہ کر میں نے اپنے حصے کی سزا بھگت لی۔ اب آپ مجھے رہا کر دیں۔ میں زندگی بھر آپ کی احسان مند رہوں گی۔"

ابونصر کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گیا۔ کنیز کو شبہ گزرا کہ شاید وہ اس کی درخواست مسترد کر دے گا اس لیے وہ خوشامد کرنے لگی: "میں پوری زندگی آپ کے ساتھ گزار سکتی تھی لیکن اب میں تھک گئی ہوں اور مزید ساتھ نہیں دے سکوں گی۔"

ابونصر نے پوچھا: "کیا کوئی شخص تجھ کو مل گیا؟"

کنیز نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ابونصر نے پھر اپنا سوال دہرا دیا: "تو نے کس کو پسند کر لیا جو تجھ میں مجھ سے بات کرنے کی اتنی ہمت آ گئی؟"

کنیز نے آہستہ سے جواب دیا: "ہے ایک شخص بہت اچھا ہے وہ۔"

ابونصر نے بے زاری سے پوچھا: "کیا میں اس سے واقف ہوں؟"

اس نے جواب دیا: "ہاں آپ اس سے اچھی طرح واقف ہیں۔"

ابونصر نے پوچھا: "کون ہے وہ؟ مجھ کو بھی تو کچھ بتا۔"

کنیز بتانا نہیں چاہتی تھی۔ آخر ابونصر نے اس کو دھمکی دے دی: "دیکھ میں جو کچھ پوچھ رہا ہوں اس کا ٹھیک ٹھیک جواب دے دے ورنہ..."

کنیز نے جواب دیا: "خمار تگین۔ آج کل وہ سلطان کا

خاص مصاحب ہے اور اس کی جو عزت و توقیر ہے اس کے پیش نظر میرا انتخاب غلط نہیں ہے۔"

ابونصر کو خمارتگین اُسی دن سے بُرا لگنے لگا تھا جس دن خمارتگین نے بساسیری کو شکست دے کر اس کا کٹا ہوا سر اس کے توسط سے سلطان اور خلیفہ کو روانہ کروایا تھا۔ اس کارنامے یا واقعے نے خمارتگین کو قابلِ ذکر اور اہم شخصیت بنا دیا تھا اور سلطان نے اسے اپنا مصاحبِ خاص بنا لیا تھا۔

کنیز نے پوچھا "آپ کیا سوچنے لگے؟ آپ نے میری درخواست کا کوئی جواب نہیں دیا۔"

ابونصر نے اس کا مذاق اڑایا "عورت! یہ تُو نے کس کو پسند کر لیا؟"

کنیز نے جواب دیا "آپ نے مجھ سے جو کچھ پوچھا میں نے اس کا صحیح جواب دے دیا۔ اب آپ اس پر جرح و تعدیل نہ فرمائیں۔"

ابونصر نے ڈرتے ڈرتے پوچھا "کیا خمارتگین بھی تجھ کو پسند کرتا ہے؟"

کنیز نے جواب دیا "ہاں، بہت زیادہ، وہ مجھ کو بہت زیادہ چاہتا ہے۔"

ابونصر نے کہا "اور میں یہ سوچ رہا ہوں کہ تم دونوں آخر ملے کہاں؟ جو ایک دوسرے کو پسند کرنے لگے۔ تُو تو کبھی اس محل سے باہر نہیں گئی؟"

کنیز نے جواب دیا "آپ کس فکر میں پڑ گئے۔ آپ مجھ کو آزاد کر دیں، میں زندگی بھر آپ کی احسان مند رہوں گی۔"

ابونصر نے اپنا فیصلہ سنا دیا "افسوس کہ میں خمارتگین کے حق میں تجھ سے دستبردار نہیں ہوں گا۔"

کنیز رونے لگی "تب پھر میں مر جاؤں گی، میرا دم گھٹتا جا رہا ہے۔"

ابونصر نے نہایت نرمی سے کہا "تُو فضول باتیں مجھ سے مت کر، خمارتگین حاسد ہے، وہ میرا دشمن، میرا مخالف ہے۔"

کنیز نے کسمساتے ہوئے کہا "خمارتگین اچھا آدمی ہے۔ آپ اس کو بُرا نہ کہیں۔"

ابونصر نے جواب دیا "وہ اچھا ہو یا بُرا، لیکن وہ مجھ کو اچھا نہیں لگتا۔"

کنیز نے نہایت تحمل اور بردباری سے جواب دیا "مجھ کو وہ اچھا لگتا اور اگر آپ مجھ کو آزاد کر دیں گے تو میں اس کے پاس چلی جاؤں گی۔"

ابونصر نے مضبوط لہجے میں کہا "لیکن میں خمارتگین کے لیے تجھ کو آزاد نہیں کروں گا۔ میں اس سے نفرت کرتا ہوں۔"

کنیز نے اس کو اس کے مرتبے کا احساس دلایا "آپ جاہ و منصب میں خمارتگین سے بہت بڑے ہیں، اس لیے آپ ہم دونوں پر رحم کریں۔"

ابونصر نے کنیز کو کمرے سے نکل جانے کا حکم دیا "اب تُو جا سکتی ہے۔ میں خمارتگین سے نفرت کرتا ہوں۔"

کنیز سے چلا نہیں جا رہا تھا۔ وہ بوجھل قدموں سے باہر جا رہی تھی۔

جب وہ کمرے سے باہر نکل گئی تو ابونصر نے دروازے کو اتنی زور سے بند کیا کہ اس کے شور سے محل کے دوسرے لوگ بیدار ہو گئے۔

●

شہزادہ سلیمان کی ماں نے ابونصر سے مایوس ہونے کے بعد خمارتگین کو محل میں طلب کر لیا اور اس کو اعتماد میں لینے کی کوشش کی۔ خمارتگین اب خود کو ایک ایسے موڑ پر کھڑا دیکھ رہا تھا جہاں وزارتِ عظمیٰ بہت قریب نظر آ رہی تھی۔ سلطان طغرل کا اعتماد وہ پہلے ہی حاصل کر چکا تھا اور اب شہزادہ سلیمان کی ماں کا اعتماد بھی حاصل ہو رہا تھا۔ اس نے شہزادہ سلیمان کو بھی اپنی طرف راغب اور متوجہ دیکھا۔

شہزادے کی ماں نے اس سے پوچھا "سلطان طغرل خلیفہ کی جوان بیٹی سیدہ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اس سلسلے میں تیرا کیا خیال ہے؟"

خمارتگین نے باتوں سے سمجھ لیا تھا کہ یہ خاتون اس شادی کے خلاف ہے اس لیے اس نے بھی مخالفت کر دی "سلطان کو ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ اب اُن کو ان خرافات میں نہیں پڑنا چاہیے اور میں اس کی مخالفت کروں گا۔"

شہزادے کی ماں خوش ہو گئی "بے شک لیکن سلطان کو اس سے کس طرح باز رکھا جائے؟"

خمارتگین نے مشورہ دیا "اس سلسلے میں دو مختلف محاذوں پر ہمیں کام کرنا پڑے گا۔"

شہزادے کی ماں سوالیہ نشان بن گئی "یعنی، مثلاً؟"

خمارتگین نے جواب دیا "آپ سلطان پر دباؤ ڈالیں، میں در پردہ خلیفہ پر دباؤ ڈالوں گا کہ وہ رشتہ نہ دے، انکار کر دے۔"

شہزادے کی ماں کو یہ مشورہ پسند آیا "اچھی تجویز ہے لیکن سلطان ضدی ہے نہیں مانے گا۔"

خمارتگین نے کہا "لیکن خلیفہ میری بات مان لے گا اور

مجھے امید ہے کہ شادی سے انکار کر دے گا۔"

شہزادہ سلیمان نے سلطان کا مذاق اڑایا۔ "آخر عم محترم کو یہ سوجھی کیا ہے، وہ شادی کیوں کرنا چاہتے ہیں؟"

ماں نے جواب دیا۔ "ان کی بڑی بی بی انتقال جو کر گئیں شاید اس لیے۔"

شہزادے نے کہا۔ "تو کر لیں کسی بڑی بی سے شادی، رہ گئی خلیفہ کی بیٹی سیدہ تو وہ ہر طرح میرے لیے مناسب ہے۔"

ماں نے بیٹے کو ڈانٹ دیا۔ "فی الحال یہ وقت اس قسم کی باتوں کا نہیں ہے۔"

شہزادے نے پوچھا۔ "وہ کیوں؟"

ماں نے جواب دیا۔ "یہ بات سلطان کے کان میں پڑے گی تو وہ ناراض ہو جائے گا۔"

خمارتگین نے کہا۔ "لیکن یہ بات سلطان کے کان میں پڑے گی کس طرح؟"

ماں نے جواب دیا۔ "پتا نہیں، لیکن ایسی باتیں کسی نہ کسی طرح وہاں تک پہنچ ضرور جاتی ہیں۔"

ناعاقبت اندیش شہزادے کو اپنی بات کی نزاکت کا احساس تک نہ تھا۔ اس نے پوچھا۔ "ویسے آپ دونوں یہ بتائیں کہ میری بات کیسی ہے؟"

ماں نے پھر خبر لی۔ "میں کہتی ہوں تو اپنی زبان بند رکھ، اور اس وقت تک بند رکھ جب تک تیری ولی عہدی کا اعلان نہ کر دیا جائے۔"

خمارتگین نے شہزادے کی حمایت کی۔ "ویسے شہزادے کی بات درست ہے، میں خلیفۂ بغداد سے شہزادے کے لیے بات کروں گا اور اگر بات بن گئی تو شہزادے کی ولی عہدی اور بادشاہی یقینی ہو جائے گی۔"

خمارتگین کی ان باتوں سے ماں نے بھی اتفاق کیا۔ "ہاں! لیکن یہ بات اس طرح کی جائے کہ جب تک بات پایۂ تکمیل کو نہ پہنچے سلطان کو اس کی کانوں کان خبر نہ ہو۔"

خمارتگین نے وعدہ کیا۔ "آپ اس کی تو فکر ہی نہ کریں۔ اور جب میں اپنے منصوبے میں کامیاب ہو جاؤں تو ایک کام میری خاطر آپ کو بھی کرنا ہوگا۔"

مالکہ نے پوچھا۔ "وہ کیا؟ میں ضرور کروں گی۔ میں تیرے لیے ہر کام کروں گی۔"

خمارتگین نے جواب دیا۔ "یہ تو آپ دونوں نے دیکھ ہی لیا کہ ابونصر کو آپ دونوں سے کوئی دلچسپی ہی نہیں، وہ صرف سلطان کا وفادار ہے۔"

ماں نے کہا۔ "ہاں! یہ دیکھ بھی لیا اور خوب اچھی طرح سمجھ بھی لیا۔"

خمارتگین نے کہا۔ "پھر جب اللہ کی مہربانی اور میری کوششوں سے شہزادہ برسرِ اقتدار آ جائے تو اس کی وزارتِ عظمیٰ مجھے ملنی چاہیے۔"

ماں کو ہنسی آ گئی۔ "یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے، کام ہو جانے پر تیری وزارتِ عظمیٰ پکی۔ پھر ابونصر کا کیا کام!"

خمارتگین کو اپنی زندگی میں اتنی بڑی خوشی کبھی بھی نہیں ملی تھی۔ اسے وزارتِ عظمیٰ اپنی نظروں کے سامنے بالکل قریب نظر آ رہی تھی۔ محل سے نکلنے سے پہلے اس نے اس بات کی تصدیق کر لی کہ باہر کوئی ایسا شخص تو موجود نہیں جو اسے محل سے نکلتے دیکھ کر اس کی خبر ابونصر کو پہنچا دے۔ باہر کوئی نہ تھا۔

خمارتگین محل سے نکل کر سیدھا اپنے گھر گیا۔ اس کا گھر ابونصر کے محل کے سامنے تھا۔ بلند و بالا صدر دروازہ دربانوں نے کھول دیا اور خمارتگین گھوڑے سمیت اس میں داخل ہو گیا۔ کافی اندر جانے کے بعد اس نے گھوڑا سائیس کے حوالے کر دیا اور خود بالکل اندرونی حصے میں چلا گیا۔ یہاں اس کی مستورات رہتی تھیں اور اس زنان خانے کو پختہ چہار دیواری نے بالکل الگ کر رکھا تھا۔ یہاں اس کی بیوی اور بچے رہتے تھے اور وہ کنیز بھی جو وہ لبا سیری سے حاصل کر کے لایا تھا۔

گھر پر اس کو دو پیغام ملے۔ ایک پیغام سلطان طغرل کا تھا اور اس میں سلطان نے اس کو ہدایت کی تھی کہ اگر قاضی ابو سعد کو کسی وقت اس کی مدد درکار ہو تو وہ بے چون و چرا فراہم کرے اور تاخیر کی شکایت سننے کو نہ ملے۔

دوسرا پیغام ابونصر کا تھا۔ اس نے اپنے پیغام میں کہا تھا۔ "آگ سے مت کھیل، جل جائے گا۔ ہمیشہ اپنے آقا کی مرضی اور خواہش پیش نظر رکھ۔ باقی حدود سے طفیلی ہیں، تجھ کو جو کچھ کرنا چاہیے اگر تو یہ بھی نہ جان سکا تو تیری امارت اور تیری مصاحبت فضول اور بے معنی ہے۔"

یہ دونوں پیغام اس کے لیے بڑے اہم تھے۔ وہ دیر تک متعلقہ مسائل پر غور کرتا رہا۔ وہ دونوں پیغاموں سے قطع نظر بس ایک کام کرنا چاہتا تھا۔ شادی کو کس طرح رکوا لیا جائے؟ وہ اپنے اس سوال کا جواب تلاش کر رہا تھا۔ اس کو اپنی لیاقت اور چالاکی پر یقین تھا۔ وہ اپنے خود اعتمادی پر بھروسا کرتا تھا۔

شام کو گھر سے باہر نکلا اور ابونصر سے ملاقات کرنے اس کے محل چلا گیا۔ وہ دراصل یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ابونصر نے اس کو جو پیغام بھیجا تھا اس کا مطلب کیا ہے؟

اس وقت ابو نصر اپنے محل میں نہیں تھا وہ دیوان انشا سے محل واپس آ رہا تھا۔ دونوں کا آمنا سامنا اپنے گھر اور محل کے درمیان ہو گیا۔

خمار تگین نے سلام میں پہل کی اور خیریت دریافت کی۔

ابو نصر اس سے ناراض تھا۔ سلام کا جواب خوش دلی سے نہیں دیا اور کہا: "اگر تیرے پاس کچھ وقت ہو تو میرے ساتھ میرے محل میں چل تھوڑی دیر کے لیے۔"

خمار تگین تو خود بھی یہی چاہتا تھا۔ وہ کسی طرح ابو نصر کے احساسات اپنے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔ اس نے جواب دیا: "میرے پاس وقت ہے آپ جہاں چاہیں مجھے لے جا سکتے ہیں، میں چلوں گا۔"

ابو نصر نے جواب دیا: "اگر یہ بات ہے تو میرے ساتھ چل۔ میں اپنے محل میں تجھ سے ... تیرے مطلب اور تحسین خواہشات سے متعلق چند باتیں کروں گا۔"

خمار تگین نے کہا: "آپ جو باتیں کرنا چاہیں کر لیجیے گا۔ لیے ان باتوں پر عمل کرنا ضروری نہ ہو گا۔"

محل میں داخل ہونے کے بعد دونوں کے گھوڑے سائیس لے گئے اور ابو نصر، خمار تگین کو ستبرے پر بٹھا کر خود بھی بیٹھ گیا۔

دونوں کچھ دیر خاموش رہے۔ خمار تگین منتظر تھا کہ ابو نصر بات شروع کرے اور ابو نصر چاہتا تھا کہ خمار تگین کوئی سوال کرے تو بات شروع کی جائے۔

آخر ابو نصر کو ہی بات کا آغاز کرنا پڑا: "محل میں کیوں گئے تھے؟"

خمار تگین جھوٹ نہ بول سکا: "مجھ کو محل میں طلب کیا گیا تھا۔"

ابو نصر نے یہ نہیں پوچھا کہ وہاں کس سے کیا بات ہوئی بلکہ متنبہ کیا: "تجھ کو وہاں نہیں جانا چاہیے تھا۔"

خمار تگین نے پوچھا: "کیوں؟ مجھ کو بلایا گیا تھا میں کیوں نہ جاتا؟"

ابو نصر نے کہا: "اب تو کیا کرے گا؟ وہاں تیرے سپرد جو کام کیا گیا ہے کیا تو اسے انجام دے سکے گا؟"

خمار تگین نے بات ٹالنا چاہی: "میرے سپرد کوئی کام نہیں کیا گیا۔ وہاں مجھ سے صرف یہ پوچھا گیا کہ ان دنوں سلطان کہاں ہے؟"

ابو نصر نے کہا: "تو آگ سے کھیل رہا ہے۔ یہ کام بڑے آدمیوں کے ہی ہیں اور تو ابھی اتنا بڑا نہیں ہے۔"

خمار تگین نے طنز سے کام لیا: "اس خناسی بات کے لیے مجھ کو یہاں تک لے آنا بڑی مضحکہ خیز بات ہے۔"

ابو نصر نے سخت لہجہ اختیار کیا: "میں تیرے چہرے پر موت کی پرچھائیں دیکھ رہا ہوں۔"

خمار تگین کو فوراً خیال آیا کہ شاید اس کو ابو نصر کے محل میں قتل کر دیا جائے گا۔ پریشان ہو کر کہنے لگا: "افسوس کہ میں آپ کو کھرا اور دیانت دار سمجھتا تھا۔ کیا آپ اپنے محل میں مجھ کو مہمان کی طرح بلا کے قتل کر دیں گے؟"

ابو نصر نے جواب دیا: "میں ایسا نہیں کر سکتا۔ تو یہاں سے جب بھی جانا چاہے جا سکتا ہے۔"

خمار تگین نے پوچھا: "پھر آپ نے مجھے یہاں تک۔۔۔"

ابو نصر نے اس کو سمجھانے کی کوشش کی: "سلطان خلیفہ کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اس کو شادی کرنے دے۔ شہزادہ سلیمان کی ماں اس شادی کے خلاف ہے۔"

خمار تگین نے کہا: "ہاں محل میں اس شادی کی مخالفت کی جا رہی ہے۔"

ابو نصر نے اس پر واضح کیا: "میں خوب جانتا ہوں کہ سلطان یہ شادی کیوں کرنا چاہتا ہے لیکن تو نہیں جانتا۔ تو صرف یہ جانتا ہے کہ موقع اور وقت سے فائدہ کس طرح اٹھایا جائے۔"

خمار تگین نے اس قسم کی باتیں کرنے سے منع کر دیا: "آپ مجھ سے اس قسم کی باتیں نہ کریں۔ میں یہاں اس لیے نہیں آیا۔"

ابو نصر نصیحت کرنے لگا: "دیکھ خمار تگین! بلندی اچھی ہے اور یہ ہر شخص کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ بھی کوئی بلند مقام حاصل کرے لیکن اسے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ بلندی پر برقرار رہنا بہت دشوار ہوتا ہے۔ یہ شاق بازی گری کا کھیل ہے۔ تماشائی اس سے محظوظ ہوتے ہیں۔ لطف اندوز ہوتے ہیں لیکن بازی گر جب چوک جاتا ہے تو بلندی سے زمین پر آ رہتا ہے اور جسم چکنا چور ہو جاتا ہے۔ سیاست عملی بھی بازی گری کا

"ایک ہزار سے زائد ایجادات کے خالق تھامس ایلوا ایڈیسن نے ایک مرتبہ کہا تھا۔
"میری اپنی ایجاد فقط ایک ہے اور وہ ہے فونوگراف۔ بقیہ تمام چیزیں میں نے ایسے لوگوں کے خیالات اور نظریات کو ترقی دے کر ایجاد کی ہیں جو اپنے خیالات اور نظریات کو عملی روپ دینے پر قادر نہیں تھے۔"

کہیں بہتر ہے۔ دور سے اس کا تماشا کرو تو یہ بہت اچھی لگتی ہے کسی سہانے حسین خواب کی طرح۔ لیکن بادشاہی کی طرح وزارت عظمیٰ بھی کانٹوں کا تاج ہوتی ہے۔ اس میں بڑی مصیبتیں ہیں، غضب ہے اور اس میں ذرا سی بھول چوک انسان کو قعر مذلت میں گرا دیتی ہے۔"

خمار تگین کو یہ باتیں گراں گزر رہی تھیں۔ جواب دیا۔ "اللہ نے مجھے بھی عقل دی ہے۔ آپ کو سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

ابونصر نے اس کی بات جیسے سنی ہی نہیں۔ وہ اسے ایک ایسے درخت کے پاس لے گیا جو پچاس پچپن سال سے سر اٹھائے کھڑا تھا لیکن اس کی بلندی بیس تیس ہاتھ سے زیادہ نہیں تھی اور اس درخت کے پاس ہی جو دیوار تھی اس پر ایک بیل چڑھی ہوئی تھی اور یہ بیل تقریباً پچاس ساٹھ ہاتھ لمبی تھی۔ ابونصر نے اس درخت کی طرف اشارہ کیا۔ "اس درخت کو دیکھ رہے ہو، بیس تیس ہاتھ بلند درخت پچاس پچپن سال میں یہاں تک پہنچا ہے۔"

خمار تگین نے اس درخت کو دیکھا یہ واقعی تناور، مضبوط اور باوقار تھا۔

ابونصر نے کہا۔ "یہ درخت کتنے ہی طوفانوں کا مقابلہ کر چکا ہے کتنی ہی آندھیوں کے تھپیڑے سہہ چکا ہے اور اسی طرح زمین میں پاؤں جمائے کھڑا ہے اس کے برعکس دیوار کی یہ بیل جو اس درخت سے لمبی اور صرف مہینے بھر میں ہی وہاں تک پہنچ گئی جہاں یہ درخت پچاس پچپن سال میں نہیں پہنچ سکا لیکن یہ بیل اپنے پاؤں پر نہیں کھڑی رہ سکتی۔ اس کو کھڑے رہنے کے لیے تھونی چڑھے رہنے کے لیے دیوار چاہیے دیوار نہیں تو کوئی اور سہارا ہو۔ سہارے کے بغیر اس کو ہوا کا ذرا سا جھونکا زمین بوس کر دینے کے لیے کافی ہے اور یوں بھی دنوں کی مہمان ہے۔ اس کی ہر شے عارضی اور وقتی ہے۔"

خمار تگین پریشان ہو رہا تھا کہ یہ جھکی آدمی آخر کہنا کیا چاہتا ہے؟

ابونصر نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔ "میری اور تیری ترقی میں بھی فرق واضح ہے میں نے جو ترقی سالوں میں کی ہے وہ اس درخت کی طرح پائیدار ہے۔ میں نے یہ مقام سالوں میں حاصل کیا ہے اس لیے اس کو حوادث اور مصائب کے تھپیڑے بآسانی زمین بوس نہیں کر سکتے۔ اور تو... تو اس بیل کی طرح ہے جو سازشوں اور عارضی سہاروں کی مدد سے مجھ سے زیادہ قد آور ہو سکتا ہے لیکن کسی مصیبت کا ایک ہی جھونکا تجھ کو زمین پر لے آنے کے لیے کافی ہوگا۔"

خمار تگین غصے کی آگ میں جل رہا تھا۔ پوچھا۔ "آپ کو جو کچھ کہنا تھا کہہ چکے یا ابھی کچھ باقی ہے؟"

ابونصر نے جواب دیا۔ "مجھ کو کہنا تو بہت کچھ ہے لیکن فی الحال اتنا ہی کافی ہے۔"

خمار تگین نے کہا۔ "میں نے آپ کی بے سروپا باتیں سن لیں۔ اب آپ مجھے اجازت دیں۔"

ابونصر نے کہا۔ "تو چاہے تو میری اجازت کے بغیر بھی یہاں سے جا سکتا ہے۔"

خمار تگین نے جواب دیا۔ "بہر حال میں آپ سے اجازت لے کر نہیں جاؤں گا یوں ہی چلا جاؤں گا۔"

اور واقعی اجازت کے بغیر ہی وہ وہاں سے چلا گیا۔ ابونصر اس کو دیکھتا ہی رہ گیا۔

آخر ابونصر تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا خمار تگین کے پاس پہنچا اور کہا۔ "اب ہم دونوں آپس میں جنگ و جدل اور سازشیں کرنے کے لیے آزاد ہیں۔"

خمار تگین نے جواب دیا۔ "اگر یہ بات ہے تو ٹھیک ہے لیکن پہل میری طرف سے نہیں ہوگی۔"

ابونصر گرم ہو گیا۔ "پہل تو تیری طرف سے ہو چکی اب تو کس پہل کی بات کر رہا ہے؟"

خمار تگین محل سے نکل گیا وہ بھی سخت غصے میں تھا۔

ابونصر بھی محل سے نکل کر دروازے پر کھڑا ہو گیا۔

سائیس خمار تگین کا گھوڑا آہستہ آہستہ چلا کے باہر لے گیا۔ خمار تگین نے جھٹکے سے گھوڑے کی لگام لی اور گھوڑے پر سوار ہو کر یہ جا وہ جا، وہاں سے ہوا ہو گیا۔

ابونصر اس کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو ابونصر نے جیسے خود سے کہا۔ "ابھی تو اتنا بڑا نہیں ہے جتنا خوش فہمی میں سمجھ بیٹھا ہے۔"

ابونصر ذہنی طور پر بہت پریشان تھا۔ اس کو سب سے زیادہ ڈر اس بات کا تھا کہ شہزادہ سلیمان کی ماں اور خمار تگین کہیں الپ ارسلان کے خواجہ حسن سے رابطہ قائم نہ کر لیں۔ اس کی نظر میں بس خواجہ حسن ہی وہ شخص تھا جو اس کا مد مقابل ہو سکتا تھا۔ اس نے محل کے دربانوں کو اس بات کا پابند کر دیا کہ خمار تگین جب بھی محل میں جائے ابونصر کو اس سے مطلع کر دیا جائے۔

اس کے بعد اس نے چند کنیزوں کو اس کام پر مامور کر دیا کہ خمار تگین اور شہزادہ سلیمان کی ماں میں جو گفتگو ہو ابونصر کو اس سے آگاہ کیا جائے۔

ادھر سے فارغ ہونے کے بعد ابونصر نے ایک وفد الپ ارسلان

کی.... خدمت میں روانہ کر دیا۔ اس وفد نے الپ ارسلان کو ابونصر کی طرف سے مطلع کیا کہ سلطان طغرل، شہزادہ سلیمان کی ماں کے دباؤ میں آ کر نااہل شہزادے سلیمان کو اپنا ولی عہد مقرر کر دینا چاہتا ہے جب کہ آپ اس کے ہر طرح اہل اور مستحق ہیں۔

اس وفد نے خواجہ حسن سے بھی ملاقات کی اور اسے ابونصر کی طرف سے بتایا کہ وہ اپنے بعض اہم معاملات میں خواجہ حسن سے مشورہ کرنا چاہتا ہے۔

خواجہ حسن اس تبدیلی سے الجھن میں پڑ گیا۔ ایسا کیوں ہوا؟ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ ایک جیسے کئی سوالات اس کو پریشان کر رہے تھے۔

اس وفد کے بعد ہی شہزادہ سلیمان کی ماں نے الپ ارسلان کو یہ پیغام بھیجا کہ تو میرا بیٹا ہے۔ ابونصر ہماری پریشانیوں کا سبب بن گیا ہے اس لیے اس سے نجات دلا۔

الپ ارسلان نے یہ کام خواجہ حسن کے سپرد کر دیا کہ رے چلا جا اور وہاں ان دونوں سے علیحدہ علیحدہ ملاقات کر کے معلوم کر کے آ کہ کون حق بجانب ہے اور کون ناحق بجانب۔

خواجہ حسن رے پہنچا اور سیدھا شہزادہ سلیمان کی ماں کے پاس گیا اور کہا: "مادرِ محترم! اب آپ بتائیں کہ ہم آپ کے لیے کیا کریں؟"

ماں خواجہ حسن کا قصیدہ پڑھ رہی تھیں۔ خواجہ حسن نے بتایا: "میں یہاں دو چار دن سے زیادہ نہیں ٹھہروں گا۔"

ماں نے سب کچھ سنا کر اس سے پوچھا: "تو میری مدد کرے گا؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا: "دل و جان سے۔ بسر و چشم۔"

ماں نے پوچھا: "پھر کب؟"

خواجہ حسن نے بتایا: "محترم خاتون! آپ نے جو کچھ کہا میں شہزادہ الپ ارسلان کے روبرو عرض کر دوں گا پھر جو حکم ملے گا اس پر عمل کیا جائے گا۔"

ماں نے افسوس کا اظہار کیا: "پھر تو دیر ہو جائے گا۔"

خواجہ حسن نے جواب دینے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ باہر سے پیغام ملا کہ خمار تگین اذنِ باریابی چاہتا ہے۔

خواجہ حسن کو ذرا تعجب ہوا، پوچھا: "یہ خمار تگین کون ہے؟"

ماں نے جواب دیا: "یہ بہادر شخص میرا پشت پناہ ہے میں اس سے بہت خوش ہوں۔"

خواجہ حسن خمار تگین کا انتظار کر رہا تھا جب وہ آ گیا تو

ایک
شخص حضرت بایزید بسطامیؒ
کے دروازے پر آیا اور آواز دی۔ آپ
باہر نکلے اور پوچھا: "کس کو بلاتے ہو؟" اس
نے کہا: "بایزید کو۔" آپ نے فرمایا: "چلے
بایزید کو تو میں خود پچھلے تیس برس سے تلاش کر
رہا ہوں اور ابھی تک ناکام ہوں۔" یہ بات جب
حضرت ذوالنون مصری تک پہنچی تو انہوں نے فرمایا
کہ بایزید حق تعالیٰ میں ایسے محو ہو گئے تھے کہ اپنا آپ
انہوں نے اسی میں گم کر دیا تھا۔"

شہزادے کی ماں نے دونوں کا تعارف کرایا۔

خمار تگین نے کہا: "میں خواجہ حسن سے خوب واقف ہوں۔ ان سے تو ابونصر تک گھبراتا ہے۔"

شہزادے کی ماں نے کہا: "اور میں نے اسی لیے خواجہ حسن کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے۔"

خواجہ حسن نے خمار تگین کی محل میں موجودگی پر اعتراض کیا: "خمار تگین! کیا میں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ تو یہاں کیوں آیا ہے؟"

خمار تگین نے گھبرا کر جواب دیا: "میں یہاں خود سے نہیں آتا۔ جب بلایا جاتا ہے تو آ جاتا ہوں۔"

خواجہ حسن نے پوچھا: "تجھ کو محل میں کون بلاتا ہے؟"

خمار تگین نے شہزادے کی ماں کی طرف دیکھا: "اس کو میں بلواتی ہوں۔" ماں بولیں۔

خواجہ حسن نے پوچھا: "وہ کیوں؟ آپ اس کو کیوں بلواتی ہیں؟"

خمار تگین نے کہا: "اس قسم کے سوال آپ کیوں کر رہے ہیں؟ کس رشتے سے؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا: "میری تیری حیثیت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔"

خمار تگین نے کہا: "پھر بھی۔"

خواجہ حسن مشتعل ہو گیا: "خمار تگین! تو اپنی حد میں رہ۔" پھر شہزادے کی ماں سے کہا: "آپ اس محل کی آبرو ہیں۔ آپ اس کو محل میں کیوں بلاتی ہیں؟"

شہزادے کی ماں گھبرا گئی، جواب دیا: "میں نے اس کو مشکل

دوبار بلایا ہوگا اور اب یہاں اپنی مرضی سے آجاتا ہے۔"

خمار تگین غصے میں کھڑا ہوگیا "اے کمزور عورت! یہ تو کیا کہہ رہی ہے؟"

خواجہ حسن نے خمار تگین کو سمجھایا "تیری طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لیے تو یہاں سے چلا جا۔"

خمار تگین نے بڑی بے بسی سے شہزادے کی ماں کی طرف دیکھا اور محل سے نکل گیا۔

خواجہ حسن نے شہزادے کی ماں کو سمجھایا "آپ بدنام ہو جائیں گی آپ یہ سب نہ کریں۔ سلطان بھی ان خبروں سے پریشان ہو جائے گا۔"

شہزادے کی ماں نے کہا "چلو میں اس کو نہیں بلواؤں گی مگر یہ تو مجھ کو بتاؤ کہ میں ابو نصر پر کس طرح قابو پاؤں؟"

خواجہ حسن نے پوچھا "ابو نصر تو اچھا آدمی ہے پھر آپ کی اس سے ان بن کیوں ہو گئی؟"

ماں نے جواب دیا "ابو نصر کو بس تو ہی اچھا کہہ سکتا ہے۔"

خواجہ حسن نے کہا "میں آپ کی ہر طرح مدد کروں گا مگر اس صورت میں کہ آپ کو میری مدد کی واقعی ضرورت ہو اور بات ابو نصر کے خلاف نہ ہو۔"

شہزادے کی ماں نے پوچھا "یہ تجھ کو یکایک بلکہ اچانک ابو نصر سے عقیدت کیوں ہو گئی ہے؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "ابو نصر نہایت دیانت دار اور وفادار انسان ہے۔ وہ سلطان کا وفادار ہے اور اس کی یہی خوبی ایسی ہے جو اس کے دوسرے عیوب پر پردہ ڈال سکتی ہے۔"

شہزادے کی ماں نے خواجہ حسن کو محل سے چلتا کر دیا کیوں کہ اس کو جب خواجہ حسن کی ضرورت تھی یہ اس سے مختلف بلکہ متضاد تھا اس نے خواجہ حسن کو رخصت کرتے ہوئے کہا تھا "اب تو جا سکتا ہے کیوں کہ میں نے جس خواجہ حسن کو بلایا ہے وہ کوئی اور تھا۔"

خواجہ حسن محل سے نکل کر ابو نصر کے پاس چلا گیا۔ ابو نصر نے خواجہ حسن کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور بڑی پذیرائی کی۔

ابو نصر اس سے بغل گیر ہو گیا "مجھ کو یہ یقین نہیں تھا کہ آپ خود آجائیں گے۔"

خواجہ حسن ہنس رہا تھا "اور مجھ کو یہ یقین نہیں تھا کہ آپ میری طرف خیر سگالی کا ہاتھ بڑھائیں گے۔ میرے آقا الپ ارسلان آپ سے بے حد خوش ہیں۔"

ابو نصر نے شکریہ ادا کیا "آپ شہزادے کو بتلائیے گا کہ بہت جلد میں خود حاضری دوں گا اور شرف قدم بوسی حاصل کروں گا۔"

خواجہ حسن نے کہا "آپ مرو آئیں یا نہ آئیں اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔ میرے آقا الپ ارسلان آپ سے ایک ہی امید رکھتے ہیں۔"

ابو نصر نے پوچھا "وہ کیا؟"

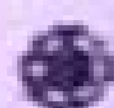
خواجہ حسن نے جواب دیا "انھیں اندیشہ ہے کہ کہیں کسی وقت شہزادہ سلیمان کو ولی عہد نہ مقرر کر دیا جائے اگر ایسا ہوا تو یہ اس حکومت کی بڑی بدقسمتی ہوگی۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ اگر ایسا پھر ہوا تو آپ اس کی مزاحمت کریں گے اور ہمیں اس کی اطلاع دیں گے۔"

ابو نصر نے وعدہ کیا "میں ایسا کروں گا لیکن آپ بھی یہ وعدہ کریں کہ اگر یہاں میرے خلاف سازشیں کی جائیں تو آپ لوگ میرے دشمنوں کا ساتھ نہیں دیں گے۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا "میں وعدے کے بغیر ہی آپ کا ساتھ دے رہا ہوں۔ میں نے سلیمان کی ماں کا آپ کے مقابلے میں ساتھ نہیں دیا تو آئندہ کیا ساتھ دوں گا۔"

دونوں مختلف موضوعات پر دیر تک باتیں کرتے رہے۔ انھی میں سلطان طغرل کی شادی کا موضوع بھی تھا لیکن دونوں نے اس پر اتفاق کیا کہ یہ مسئلہ سلطان کی ذاتی زندگی سے تعلق رکھتا ہے اس لیے اس پر اظہار خیال سے گریز کیا جائے۔

خواجہ حسن مرو واپس چلا گیا اور ابو نصر بغداد روانہ ہو گیا۔



قاضی ابو سعد بغداد میں داخل ہوا تو ہر طرف یہ خبر گشت کر گئی کہ وہ سلطان طغرل کا کوئی اہم پیغام لے کر آیا ہے۔

خلیفہ نے قاضی ابو سعد کو اپنے قصر میں طلب کر لیا۔

خلیفہ اس سے خود بات نہیں کرنا چاہتا تھا اور قاضی ابو سعد یہ بات خلیفہ سے براہ راست کرنا چاہتا تھا۔

خلیفہ نے پوچھا "کیا تو سلطان کا پیغام مکتوب کی صورت میں لایا ہے؟"

قاضی ابو سعد کے دل کی دھڑکن بہت تیز ہو گئی تھی اس سے بولا نہیں جا رہا تھا۔ جواب دیا "میں سلطان کا پیغام زبانی لایا ہوں۔"

خلیفہ نے کہا "تو ساری باتیں ہمارے حاجب کے گوش گزار کر دے وہی تجھ کو اس کا جواب دے دے گا۔"

قاضی ابو سعد نے اس سے انکار کر دیا "میں وہ بات آپ سے براہ راست کروں گا۔ آپ اپنے حاجب کو درمیان

میں نہیں لاتیں۔"

خلیفہ کو اس کے اصرار پر غصہ آ رہا تھا۔ تند و تیز لہجے میں کہا۔ "کیا تو آداب خلافت سے بالکل واقف نہیں۔ ہم کسی سے براہِ راست مکتوب یا پیغام وصول نہیں کرتے۔"

قاضی ابوسعد بھی اپنی بات پر اڑا رہا۔ "امیر المومنینؒ یہ نہایت نازک مسئلہ ہے۔ اسے میں کسی اور کے سامنے نہیں بیان کر سکتا۔"

خلیفہ کو کچھ تشویش ہوئی، پوچھا۔ "آخر وہ کون سی بات ہے جو ہمارے حاجب سے نہیں کی جا سکتی۔"

حاجب ابوتمیمی نے اپنے طور پر اصرار کیا۔ "تُو بات مجھ سے کر، میں اس کا جواب دوں گا۔"

قاضی ابوسعد ناراض ہو گیا۔ "تُو یہ بچوں جیسی باتیں کر رہا ہے حالانکہ میں جانتا ہوں کہ تُو میری بات کا خاطر خواہ جواب نہیں دے سکتا۔"

خلیفہ مجبور ہو گیا، کہنے لگا۔ "کیا میں ابوتمیمی کو یہاں سے ہٹا دوں؟"

قاضی ابوسعد نے جواب دیا۔ "بہتر تو یہی ہوتا۔"

خلیفہ نے اشارہ کیا کہ ابوتمیمی کچھ دیر کے لیے وہاں سے ہٹ جائے۔

ابوتمیمی سامنے سے ہٹ گیا۔

خلیفہ کے عقب میں بائیں جانب حبشی سیاف (جلاد) تلوار برہنہ لیے کھڑا تھا۔

قاضی ابوسعد کو بار بار جھرجھری آ رہی تھی۔ اس نے سیاف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ "براہِ کرم اس کو بھی یہاں سے ہٹا دیا جائے۔"

خلیفہ کو اس پر شبہ ہونے لگا، پوچھا۔ "تجھ کو یہاں تک لانے سے پہلے کسی نے تیری تلاشی لی تھی؟"

قاضی ابوسعد نے جواب دیا۔ "جی بندہ پرور! تلاشی لی گئی تھی لیکن میرے پاس سے کچھ بھی نہ نکلا۔"

خلیفہ کو یقین نہیں آیا۔ اس نے جلاد کو حکم دیا۔ "اس کی اچھی طرح تلاشی لی جائے۔"

جلاد قاضی ابوسعد کی تلاشی لینے لگا اور قاضی ابوسعد قرآن پاک کی تلاوت کرنے لگا۔

کچھ دیر بعد جلاد نے خلیفہ کو مطلع کیا کہ اس شخص کے پاس کچھ بھی نہیں۔

خلیفہ نے سوال کیا۔ "پھر یہ شخص تجھ کو کیوں ہٹانا چاہتا ہے؟"

خلائی پرواز کے دوران ایک خلا باز نے خلائی کنٹرول کے مرکز سے رابطہ قائم کر کے کہا۔ "ہم اتنی بلندی پر ہیں کہ یہاں آسمان پر صرف ستارے اور تتلیاں نظر آتی ہیں۔"

قاضی ابوسعد نے کہا۔ "امیر المومنینؒ آپ کے اس سوال کا جواب میں دے سکتا ہوں۔ یہ جلاد کیا جواب دے گا؟"

خلیفہ جلاد کو سامنے سے نہیں ہٹانا چاہتا تھا، پوچھا۔ "اس کی موجودگی سے تجھ پر کیا اثر پڑے گا؟"

قاضی ابوسعد نے جواب دیا۔ "فرق پڑے گا اور خاصا گہرا اثر پڑے گا۔" اور اس نے صاف صاف کہہ دیا۔ "بہرحال کچھ بھی ہو، میں جلاد کی موجودگی میں کوئی بات نہ کروں گا۔"

خلیفہ نے جلاد سے کہا۔ "کچھ دیر کے لیے تُو بھی باہر چلا جا۔ میں اپنے حاجب ابوتمیمی کے ساتھ تجھ کو بھی بلا لوں گا۔"

جلاد بھی خلیفہ کے کہنے سے اشارے پر وہاں سے ہٹ گیا۔

خلیفہ نے پوری دلچسپی سے کہا۔ "ہاں تو اب تُو یہ بتا کہ تُو مجھ سے کس قسم کی بات کرنا چاہتا ہے۔"

قاضی ابوسعد اب بھی خاصا پریشان تھا۔ اس نے ہمت سے کام لے کر ایک ہی مرتبہ میں سب کچھ کہہ دیا۔ "امیر المومنین! ہمارے سلطان طغرل نے خلافت مآب کی بیٹی سیدہ کا رشتہ اپنے لیے مانگا ہے۔"

خلیفہ کو غصہ آ گیا۔ "یہ تُو کیا کہہ رہا ہے، کیا تجھ کو معلوم ہے کہ تُو مجھ سے کیا کہہ رہا ہے؟"

قاضی ابوسعد نے عرض کیا۔ "امیر المومنین! میں خوب جانتا ہوں کہ میں آپ سے کیا کہہ رہا ہوں، آپ سے کیا مانگ رہا ہوں۔"

خلیفہ نے درشت لہجے میں پوچھا۔ "کیا پے در پے کامرانیوں نے سلطان کے دماغی توازن کو برباد کر ڈالا ہے!"

قاضی ابوسعد نے عرض کیا۔ "جناب والا! ایسی کوئی بات نہیں۔ سلطان سیدہ سے شادی اس لیے کرنا چاہتا ہے کہ اس سے وہ رسول مقبولؐ کے خاندان کی قرابت داری پر فخر کرنا چاہتا ہے۔"

خلیفہ نے جواب دیا۔ "لیکن میں تیری بات کس طرح

مان لوں؟"

قاضی ابوسعد نے جواب دیا۔ "آپ میری بات نہ مانیں اس کا مجھ پر کیا اثر پڑے گا؟ کچھ بھی نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ کچھ بھی نہیں۔"

خلیفہ نے پوچھا۔ "پھر اس پاگل کو جرأت کس طرح ہوئی؟ میں یہ رشتہ کس طرح منظور کر سکتا ہوں!"

قاضی ابوسعد نے پوچھا۔ "پھر میں سلطان کے پاس پہنچ کر انھیں کیا بتاؤں؟"

خلیفہ نے جواب دیا۔ "اس کا جواب تو ہے میرے پاس۔ لیکن تو میرے ہاتھ سے ناحق مارا جائے گا۔"

قاضی نے کہا۔ "جلاد کو میں نے اسی خیال سے ہٹوا دیا تھا کیوں کہ میں جانتا تھا کہ امیر المومنین حالت غیظ و غضب میں کچھ بھی کر سکتے ہیں۔"

خلیفہ نے کہا۔ "اب تو یہاں سے جا سکتا ہے۔"

قاضی نے اپنے سوال کا واضح اور حتمی جواب لینا چاہا۔ "میں اپنے سوال کا جواب لیے بغیر کس طرح جا سکتا ہوں۔"

خلیفہ نے کہا۔ "میں کہتا ہوں تو یہاں سے چلا جا۔ اسی وقت چلا جا اور سلطان سے کہہ دینا کہ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔"

قاضی ابوسعد اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں اور جواب کے لیے اصرار کرتا رہا۔ اس نے خلیفہ پر واضح کیا۔ "امیر المومنین! اگر میں کسی جواب کے بغیر جاؤں گا تو سلطان مجھے قتل کر دے گا۔"

خلیفہ نے جواب دیا۔ "تو اس کی فکر ہی نہ کر۔ اگر سلطان تجھ کو قتل کر دے گا تو تیرے ورثا سلطان پر مقدمہ کر دیں گے اور یہ مقدمہ بالآخر میری عدالت میں آئے گا اور میں تیرے ورثا کو خون بہا دلوا دوں گا۔"

قاضی ابوسعد نے عرض کیا۔ "اس خون بہا سے مجھ کو کیا فائدہ پہنچے گا امیر المومنین؟"

خلیفہ نے تالی بجائی تو کئی غلام حاضر ہو گئے۔ خلیفہ نے حکم دیا۔ "حاجب ابوتیمی باہر کہیں منہ چھپائے کھڑا ہو گا اس کو میرے پاس لاؤ۔"

قاضی ابوسعد پھر پریشان ہو گیا اور درخواست کی۔ "امیر المومنین! حاجب ابوتیمی کو اس مسئلے سے دور ہی رکھیں تو اچھا ہے۔"

خلیفہ نے جواب دیا۔ "میں اس سے مشورہ کر کے کوئی جواب دوں گا۔"

قاضی ابوسعد نے عرض کیا۔ "لیکن حضور والا! قاضی ابو تیمی کے بعد جلاد کو ہرگز نہ بلوائیں۔"

کچھ دیر بعد جب حاجب ابوتیمی خلیفہ کے پاس آ گیا تو خلیفہ نے یہ مسئلہ اس کے سامنے رکھ دیا۔

حاجب ابوتیمی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی۔ اس نے دونوں سے ایک ہی سوال کیا۔ "سلطان طغرل کے ذہنی توازن کا کیا حال ہے؟"

قاضی ابوسعد نے جواب دیا۔ "بحمدللہ بالکل درست ہے۔"

حاجب ابوتیمی نے کہا۔ "میں تیری بات پر کس طرح یقین کر لوں کیونکہ ایک صحیح الدماغ شخص اس قسم کی باتیں نہیں کر سکتا۔"

قاضی ابوسعد واپس جانے کے لیے آمادہ ہو گیا۔ "میں کسی جواب کے بغیر واپس جا رہا ہوں اور سلطان کو میں یہ بتا دوں گا کہ حاجب ابوتیمی آپ کو صحیح الدماغ نہیں سمجھتا۔"

حاجب ابوتیمی نے کہا۔ "نہیں، وہاں ایسی بات نہ کرنا۔"

قاضی نے کہا۔ "تب پھر تم لوگ میرے سوال کا کوئی جواب کیوں نہیں دیتے؟"

حاجب ابوتیمی نے خلیفہ کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ "اس کا کیا جواب دیا جائے گا؟ جو آپ کے ذہن میں ہو بتا دیں، میں اس کو سلیقے سے لکھوا کر جواب اس کے حوالے کر دوں گا۔"

خلیفہ ابوتیمی کو لے کر اندر چلا گیا۔ دونوں میں دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ آخر خلیفہ نے ابوتیمی سے کہا۔ "دیکھ ابوتیمی یہ کس طرح ممکن ہے کہ میں اپنی بیٹی سیدہ کی شادی اس ستر سالہ بوڑھے سے کر دوں؟ لوگ کیا کہیں گے؟"

ابوتیمی نے مشورہ دیا۔ "امیر المومنین اس وقت اس کو کوئی جواب نہ دیں اور آپ یہ معاملہ میرے سپرد فرما دیں۔ میں فوراً رے چلا جاؤں گا اور وہاں ان کو دلیلوں سے قائل کر دوں گا کہ وہ آپ سے یہ رشتہ نہ مانگیں۔"

خلیفہ کو اس بات سے بڑی خوشی ہوئی کہ ابوتیمی نے خلیفہ کا بوجھ خود اٹھا لیا تھا۔

کچھ دیر بعد خلیفہ اور ابوتیمی ایک ساتھ قاضی ابوسعد کے سامنے پہنچ گئے۔ وہ سوالیہ نشان بن کر دونوں کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

حاجب ابوتیمی نے کہا۔ "قاضی ابوسعد! میں آپ سے اس موضوع پر کیا بات کروں؟ میں چاہتا ہوں کہ سلطان اپنی اس خواہش سے باز آ جائے۔ آپ سے یہ بات کروں گا تو شاید آپ کو سلطان نے یہ اختیار نہیں دیا ہو گا کہ آپ ہماری یہ بات مان لیں اور سلطان کو اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ ہماری بات مان لے۔"

قاضی ابو سعد نے کہا: "لیکن میں اپنی بات کا جواب ہاں یا نہ میں لے کر یہاں سے جاؤں گا۔"

حاجب ابو تمیمی نے جواب دیا: "اور یہ جواب آپ کو کوئی بھی نہیں دے گا۔"

قاضی ابو سعد نے پوچھا: "پھر بات کس طرح بنے گی؟"

ابو تمیمی نے جواب دیا: "میں آپ کے ساتھ رے چلوں گا اور وہاں میں سلطان کو قائل کر لوں گا کہ وہ یہ خواہش اپنے دل و دماغ سے نکال دے۔"

قاضی ابو سعد مسکرانے لگا: "لیکن سلطان رے میں نہیں ہے۔ جب میں وہاں سے بغداد کے لیے چلا تھا، سلطان آذربائیجان، جبال اور آرمینیا جانے کے لیے تیار ہو چکا تھا۔"

ابو تمیمی نے اپنے ذہن پر زور دیا: "اور سلطان کا وزیر، ابو نصر کندری کہاں ہے؟"

قاضی نے جواب دیا: "ہاں، اس کو میں رے میں چھوڑ آیا ہوں لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ اس معاملے میں وہ بھی بے بس اور مجبور ہے۔"

خلیفہ نے درشت لہجے میں کہا: "میں یہ رشتہ قبول نہیں کر سکتا اور حاجب ابو تمیمی، سلطان یا ابو نصر کندری کو اس سلسلے میں دلیلوں سے قائل بھی کر دے گا۔"

قاضی ابو سعد نے کہا: "لیکن جہاں تک میں جانتا ہوں، سلطان انکار تو سن ہی نہیں سکتا۔ اس نے جو بات سوچی ہے وہ پوری کر کے رہے گا۔"

خلیفہ نے قاضی کو منع کیا کہ وہ اصرار نہ کرے کیوں کہ اس سے خلیفہ کو ذلت سی محسوس ہوتی ہے۔

ابو تمیمی نے کہا: "میں تیرے ساتھ رے چلوں گا اور ہمیں جو جواب دینا ہے وہاں دے دیا جائے گا۔"

قاضی ابو سعد نے عرض کیا: "یوں تو خلافت مآب کو اختیار ہے کہ جو چاہیں کریں لیکن آپ کے مذکورہ طریقۂ کار سے میرا وقار مجروح ہو گا۔"

حاجب ابو تمیمی نے جواب دیا: "لیکن تیرا وقار امیر المومنین کے وقار جتنا تو نہیں ہو سکتا۔"

خلیفہ ایک دم مشتعل ہو گیا، چہرہ سرخ ہو گیا اور آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگیں: "ربِ کعبہ! اگر سلطان کی خدمات نہ ہوتیں تو میں اس کو اس خواہش پر وہ سزا دیتا کہ دنیا عبرت پکڑتی۔ سلطان نے اپنی ساری خدمات پر پانی پھیر دیا۔"

قاضی ابو سعد نے اپنے آقا کی وکالت کی: "امیر المومنین! سلطان کی خدمات پر پانی نہ پھیریں۔ سلطان نے جائز طریقے سے رشتہ مانگا ہے، ورنہ یہ بھی ممکن تھا کہ آپ حدیثہ خانہ سے نہ لائے جاتے اور یہ رشتہ طاقت سے کر لیا جاتا۔"

خلیفہ ناراض ہو کر اندر چلا گیا اور ابو تمیمی کو حکم دیا: "اس کو دفع کر اور کل ہی رے چلا جا۔ وہاں سلطان موجود ہو تو اس کو صاف صاف بتا دے کہ یہ رشتہ نہیں ہو سکتا، کسی طرح نہیں ہو سکتا اور اگر سلطان موجود نہ ہو تو ابو نصر کندری سے مل اور اس کو واشگاف لہجے میں بتا دے کہ میں یہ رشتہ نہیں دوں گا۔"

ابو تمیمی نے دبے لفظوں میں گزارش کی: "اور اگر بات نہ بنی اور سلطان اپنی ضد پر قائم رہا تو؟"

خلیفہ نے سوچتے ہوئے جواب دیا: "تب پھر سلطان یا وزیر ابو نصر کندری سے کہنا کہ اگر سلطان یہ رشتہ چاہتا ہے تو اسے واسطے سے محروم ہونا پڑے گا اور... دس لاکھ دینار بھی ادا کرنا ہوں گے۔"

ابو تمیمی نے قاضی ابو سعد کا ہاتھ پکڑا اور محل کے باہر لے آیا۔ اس نے قاضی کو سمجھایا: "آپ نے یہ رشتہ جس طرح خلیفہ سے مانگا تھا وہ ذرا ہتک آمیز تھا۔ خلافت مآب کی جگہ جو بھی موجود ہوتا وہ اسی طرح انکار کر دیتا۔"

قاضی ابو سعد نے جواب دیا: "میں ایک سیدھا سادا آدمی ہوں، میں گھما پھرا کر باتیں نہیں کرتا۔"

ابو تمیمی نے کہا: "تو جس کام سے یہاں آیا تھا وہ نہیں ہوا۔ اب میں تیرے ساتھ رے چلوں گا اور اللہ نے چاہا تو میں سلطان یا ابو نصر کندری کو اس بات پر آمادہ کر لوں گا کہ سلطان اس رشتے سے دستبردار ہو جائے۔"

قاضی ابو سعد نے محسوس کیا کہ اب ابو تمیمی کی باتوں میں اس کے لیے ادب و احترام نہیں پایا جاتا تھا۔ باہر نکل کر قاضی ابو سعد نے پوچھا: "جب میں پہلی بار خلیفہ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو تم بھی میرا احترام کر رہے تھے لیکن اب ایسا نہیں ہے۔"

ابو تمیمی نے جواب دیا: "سلطان نے تجھ سے جو کام لیا ہے اگر تیری جگہ میں ہوتا تو انکار کر دیتا۔"

قاضی ابو سعد نے کہا: "میں نے کوئی غلط بات نہیں کی۔ سلطان کوئی معمولی آدمی نہیں ہے۔"

قاضی ابو سعد نے بغداد میں مزید ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا، وہ بھی ابو تمیمی کے ساتھ ہی رے روانہ ہو گیا۔ قاضی ابو سعد کو ایک ہی دکھ تھا۔ وہ یہ کہ وہ خلیفہ کو قائل نہ کر سکا۔

ابو تمیمی کے ساتھ پانچ آدمی اور تھے اور یہ سب ذہین لوگ تھے۔ قاضی ابو سعد کے ساتھ جو لوگ تھے انھیں بھی اپنی ناکامی کا بے حد افسوس تھا۔

رے سے ایک منزل پہلے انھیں ایک قافلہ اپنے سامنے سے آتا دکھائی دیا۔ قاضی ابوسعد نے اس قافلے میں چند شناسا صورتیں دیکھیں، مثلاً ابونصر کندری اور اس کے چند ساتھی۔ دونوں قافلے آمنے سامنے خیمے نصب کر کے ٹھہر گئے۔

کھانے پینے سے فارغ ہونے کے بعد قاضی ابوسعد دوسرے قافلے میں چلا گیا اور تلاش کر کے ابونصر کے پاس پہنچ گیا۔

ابونصر بھی اس کو دیکھ کر خوش ہوا اور پوچھا۔ "کیا ہوا؟ کیا خلیفہ نے تیری بات مان لی؟"

قاضی ابوسعد نے جواب دیا۔ "ابھی نہیں، وہ تو بڑا کائیاں نکلا۔ خلیفہ تو اپنے پنچھے پر ہاتھ ہی نہیں رکھنے دیتا۔"

ابونصر نے پوری تفصیل سننے کے بعد منہ بنایا۔ "لیکن میں امیرالمومنین کے پنچھے پر ہاتھ رکھ دوں گا۔"

قاضی نے اسے بتایا۔ "اب آپ رے واپس چلیں، کیوں کہ امیرالمومنین نے اپنے حاجب ابوتیمی کو میرے ساتھ کر دیا ہے اور اسے اختیار دیا ہے کہ وہ سلطان یا آپ سے مل کر جو فیصلہ کرے گا، خلیفہ کو قبول ہو گا۔ اب آپ کو بغداد نہیں جانا پڑے گا۔"

ابونصر اور اس کے آدمیوں نے اپنا سامان سمیٹا اور اس قافلے میں شامل ہو گئے جو رے جا رہا تھا۔ وہ حاجب ابوتیمی سے ملا اور کچھ دیر بات کرنے کے بعد اس نے ابوتیمی کی لیاقت کا اندازہ لگا لیا۔ وہ خلیفہ پر دل ہی دل میں ہنس رہا تھا کہ اس نے اپنا وکیل بھی کسے بنایا، جس کی ذہنی سطح خلیفہ سے زیادہ نہیں ہے۔

ابوتیمی کو ابونصر نے شاہی مہمان کی طرح قیام و طعام کی سہولتیں بہم پہنچائیں لیکن وہ جس مقصد سے رے آیا تھا اس پر کوئی خاص توجہ نہیں دی۔

ابوتیمی نے جب بھی اس سلسلے میں بات کرنا چاہی، ابونصر نے یہی کہا۔ "جناب! اس میں جلدی کی کیا بات ہے۔ آپ سفر کی تکان تو دور کر لیں، وہ بات بھی ہو جائے گی۔"

ابوتیمی نے دو دن تو صبر سے کام لیا لیکن تیسرے دن مصر ہو گیا۔ "جناب ابونصر کندری! میں آپ سے جو بات کرنے آیا ہوں اسے آپ مزید التوا میں نہ ڈالیں۔"

ابونصر کندری مسکرانے لگا۔ "جناب والا! جو کام ہونا ہے وہ تو ہو گا ہی، اس میں التوا کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔"

ابوتیمی نے حیرت سے پوچھا۔ "آپ نے کس طرح سمجھ لیا کہ یہ کام ہونا ہی ہے؟"

ابونصر نے ابوتیمی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی۔ "جب ایک بات سلطان نے اپنے طور طے کر لی ہے تو اس میں نہیں یا التوا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

ابوتیمی نے حیرت سے ابونصر کو دیکھا۔ "یہ معاملہ سلطان یک طرفہ تو طے نہیں کر سکتا۔ کیا خلیفہ کو اپنی بیٹی پر کوئی اختیار ہی نہیں؟"

ابونصر نے بڑے تحمل سے جواب دیا۔ "امیرالمومنین کو اپنی بیٹی سیدہ پر اتنا ہی اختیار ہے جتنا انھیں اپنی خلافت اور حکومت پر۔"

ابوتیمی کے ہوش اُڑ گئے۔ وہ ابونصر کے لہجے میں زبردستی اور جبر محسوس کر رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس دشوار انسان سے کس طرح بات کرے۔ اس کی زبان سے بے اختیار نکلا۔ "یہ شادی ہو تو جائے گی مگر امیرالمومنین کا خیال ہے کہ اس میں سلطان کو نقصان ہی نقصان ہو گا۔"

ابونصر نے کمال بے اعتنائی سے جواب دیا۔ "سلطان صرف سلطان ہے، ایک بے مثال فاتح، وہ تاجر نہیں ہے جو نفع و نقصان کے چکر میں پڑ جائے۔ ویسے وہ نقصان کیا ہے؟ اس سے ضرور باخبر کر دو۔"

ابوتیمی نے جواب دیا۔ "امیرالمومنین نے فرمایا تھا کہ اگر باتوں میں لچک پیدا نہ ہو تو سلطان پر یہ واضح کر دیا جائے کہ اسے اس معاملے میں واسطے سے ہاتھ دھونا پڑیں گے اور سلطان کو دس لاکھ دینار بھی ادا کرنا ہوں گے۔"

ابونصر ہنسنے لگا۔ "دیکھو وہی نکلا جو میں نے سوچ رکھا تھا۔ یہ کوئی بڑا مطالبہ نہیں ہے، تم دس لاکھ دینار کی بات کرتے ہو جبکہ سلطان نے اس سے کہیں زیادہ کا سوچ رکھا تھا۔"

ابوتیمی نے کہا۔ "لیکن اس کے باوجود بات آگے نہیں بڑھتی۔ امیرالمومنین نے مجھ کو یہاں اس لیے بھیجا ہے کہ میں سلطان کو یا آپ کو یہ صاف صاف بتا دوں کہ انھیں یہ رشتہ بالکل منظور نہیں۔ سلطان، امیرالمومنین سے قرابت داری کا خیال اپنے دل سے نکال دے۔"

ابونصر کو ہنسی آ گئی۔ "سبحان اللہ! کیا معرکے کی بات ارشاد فرمائی ہے آپ نے۔ قرابت داری کا خیال! یہ کیا چیز ہے۔ سلطان اور امیرالمومنین تو کب کے ایک دوسرے کے قرابت دار ہو چکے۔ جس دن سلطان نے اپنی بھتیجی ارسلان خاتون کو امیرالمومنین کی زوجیت میں دیا تھا، قرابت داری تو اسی دن شروع ہو گئی تھی۔"

ابوتیمی بار بار لاجواب ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے زچ ہو کر جواب دیا۔ "دیکھو بھائی ابونصر! میں جانتا ہوں کہ امیرالمومنین

اس رشتے کی بات کو بالکل پسند نہیں فرماتے اور میں یہی بتانے کے لیے آیا ہوں۔"

ابونصر نے کہا۔ "آپ نے ناحق زحمت کی۔ جیسا کہ آپ نے خود دیکھ لیا کہ میں بغداد آ رہا تھا اور میں بغداد میں امیر المومنین سے صرف ایک بات کرتا۔ مجھ کو شادی کے دن اور تاریخ سے مطلع کر دیا جائے بس۔ اس کے علاوہ میں کوئی بات نہ کرتا۔"

ابوتیمی نے بہت جلد اندازہ لگایا کہ یہ آدمی جس کو ابونصر کہتے ہیں کم از کم اس کے بس کا نہیں ہے۔ وہ لاجواب ہو چکا تھا۔ اس نے پوچھا۔ "پھر کیا طے پایا؟ اب ہمیں کیا کرنا ہے؟"

ابونصر نے جواب دیا۔ "میں آپ کے ساتھ بغداد چلوں گا اور جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اب میں امیر المومنین سے شادی کے دن اور تاریخ کی بات کروں گا بس!"

ابوتیمی نے خدشہ ظاہر کیا۔ "یہ بات جو آپ کر رہے ہیں اس میں بڑے خطرات ہیں کیوں کہ امیر المومنین یہ بات سننا ہی نہیں چاہتے تو وہاں آپ کی جان خطرے میں ہوگی۔"

ابونصر ہنسنے لگا۔ "میں موت سے نہیں ڈرتا کیوں کہ جو شے لازمی ہو اس سے کیا ڈرنا۔ پھر آپ کو یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ جو کاروبارِ خلافت اور سلطنت دنیا کو نظر آ رہا ہے وہ میرے آقا، میرے سلطان طغرل ہی کے دم قدم سے ہے۔ امیر المومنین میرے بدخواہ نہیں ہو سکتے۔"

ابوتیمی نے عاجز آ کے جواب دیا۔ "جب آپ یہ سب جانتے ہیں تو میں یہ معاملہ آپ ہی پر چھوڑتا ہوں۔ آپ جو فیصلہ کریں گے ہمیں منظور ہوگا۔"

ابونصر نے ابوتیمی کے اعزاز میں شاندار ضیافت کی۔ یہ خبر پورے رے میں مشہور ہو گئی کہ خلیفہ کا حاجب ابوتیمی سلطان طغرل کی شادی کے دن تاریخ طے کرنے آیا ہوا ہے۔ یہ خبریں محل میں بھی پہنچ رہی تھیں۔ شہزادہ سلیمان کی ماں اس خبر سے بے چین ہو رہی تھی۔ وہ ابوتیمی کو محل میں بلوانا چاہتی تھی لیکن اسے وہ ذریعہ نہیں مل رہا تھا جس سے وہ ابوتیمی کو اپنے محل میں بلوا لیتی۔

آخر اس نے خمارتگین کو طلب کر لیا۔ جب وہ محل میں شہزادے کی ماں سے ملا تو وہ گرم ہو گئی۔ "یہ تو کس منہ سے وزیر بنے گا؟ کس منہ سے وزارتِ عظمیٰ کا منصب سنبھالے گا؟ تیری کارکردگی تو اس لائق نہیں کہ تجھ پر کسی بڑے کام کو چھوڑا جائے۔"

خمارتگین مسکراتا رہا۔ "آپ مجھ پر خوب گرم ہو لیں، خوب برا بھلا کہہ لیں لیکن کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ مجھ پر یہ برہمی کیوں؟"

شہزادے کی ماں نے پوچھا۔ "یہ خلیفہ کا حاجب ابوتیمی رے میں کیا لینے آیا ہے؟"

خمارتگین نے جواب دیا۔ "یہ تو عام سی خبر ہے۔ وہ سلطان اور سیدہ کی شادی کے سلسلے میں بات کرنے آیا ہے۔"

وہ بہت برہم تھی۔ "جب تو یہ جانتا ہے تو مجھ کو یہ بتا کہ تو اس سلسلے میں کیا کر رہا ہے؟"

خمارتگین نے جواب دیا۔ "میں وہ سب کر رہا ہوں جو مجھے کرنا چاہیے اور جو آپ کی پسند اور مرضی کے مطابق ہے۔"

اس نے پوچھا۔ "وہ کیا؟ مجھے بھی تو کچھ بتا۔"

خمارتگین نے جواب دیا۔ "آپ کو کچھ کیا بتاؤں کام بن جائے تو کچھ بتاؤں بھی۔"

وہ بہت پریشان اور بے چین ہو رہی تھی۔ "کچھ تو بتا میں بھی تو کچھ سنوں کہ اس سلسلے میں تو نے کیا کیا؟"

خمارتگین نے جواب دیا۔ "ابوتیمی جب سے رے میں آیا ہے ابونصر نے اس پر جابرانہ قبضہ کر رکھا ہے اس کو کسی سے ملنے ہی نہیں دیتا۔"

اس نے بے صبرے پن سے پوچھا۔ "پھر؟ پھر؟ اس نے کیا کیا؟ تو نے کیا کیا؟"

خمارتگین نے جواب دیا۔ "پھر میں ابونصر کے پاس خود ہی پہنچ گیا اس دن جب ابوتیمی کی پرتکلف دعوت کی گئی تھی۔ میں نے اس دن ابونصر سے نظریں بچا کے ابوتیمی کو صاف صاف بتا دیا کہ یہ جو کچھ وہ لوگ بالا ہی بالا کر رہے ہیں کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ بات آپ کو بالکل پسند نہیں ہے۔"

شہزادے کی ماں خوشی سے کھل گئی۔ پوچھا۔ "پھر اس نے کیا کہا؟"

خمارتگین نے جواب دیا۔ "ابوتیمی کہہ رہا تھا کہ یہ کام میرے اختیار کا نہیں ہے۔ امیر المومنین کی طرف سے انکار ہے۔ اب آپ لوگ سلطان کو منع کریں کہ وہ اس سے باز رہے۔"

شہزادے کی ماں نے کہا۔ "کیا اتنا کافی نہیں ہے کہ یہ رشتہ امیر المومنین نے مسترد کر دیا ہے؟"

خمارتگین نے جواب دیا۔ "یہ اتنا کافی نہیں ہے کیوں کہ ابونصر مسلسل دباؤ ڈال رہا ہے کہ یہ رشتہ ہر صورت میں ہوگا۔"

ماں کی دونوں مٹھیاں بھنچ گئیں۔ "یہ ابونصر آخر چاہتا کیا ہے؟ اس کا کوئی علاج ہونا چاہیے۔" اس نے خمارتگین سے پوچھا۔ "کیا ایسا ممکن ہے کہ ابوتیمی محل میں مجھ سے ملاقات کرنے آ جائے؟"

خمارتگین نے جواب دیا۔ "بالکل ممکن ہے۔ آپ سلطان کی طرف سے خلیفہ کے حاجب کی دعوت کر سکتی ہیں۔"

ماں نے کہا: "لیکن وہ ابونصر؟ وہ بھی دعوت میں ضرور شرکت کرے گا اور جب وہ بھی سامنے موجود ہوگا تو ابوتمیمی سے بات کس طرح ہوگی؟"

خمارتگین نے مشورہ دیا: "آپ چاہیں تو ابونصر کو دو چار دن کے لیے کہیں کسی کام سے بھیج دیں۔"

ماں نے کہا: "میں اس سے کہوں گی کہ وہ مرو میں شہزادہ الپ ارسلان کے پاس چلا جا اور اس سے کہہ کہ وہ چند دنوں کے لیے رے آ جائے۔ مجھے اس سے بعض اہم امور پر باتیں کرنا ہیں۔"

خمارتگین کو یقین نہیں تھا کہ ابونصر یہ معمولی سا کام لے کر مرو چلا جائے گا۔ یہ کام تو کسی سے بھی لیا جا سکتا تھا۔ اس نے کہا: "کیا ابونصر اس طرح مرو چلا جائے گا؟"

شہزادے کی ماں نے جواب دیا: "کیوں نہیں جائے گا۔ میں اس کو زبردستی بھیج دوں گی۔"

خمارتگین نے کہا: "تو آپ پہلے ابونصر کو مرو بھیج دیں۔ پھر میں ابوتمیمی کو محل میں لے آؤں گا۔"

دوسرے دن علی الصباح ابونصر کو محل میں طلب کر لیا گیا۔ اور اس سے سخت بازپرس کی گئی کہ اس نے خلیفہ کے حاجب ابوتمیمی کو شہزادہ سلیمان سے کیوں نہیں ملایا؟

ابونصر نے جواب دیا: "ابوتمیمی جس سلسلے میں یہاں آیا ہے شہزادہ سلیمان سے اس کی ملاقات بے سود ہوتی۔"

شہزادے کی ماں نے کہا: "بہرحال تو یہ جو کچھ کر رہا ہے تجھ کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔"

ابونصر نے جواب دیا: "میں آپ سب کی جو خدمت کر رہا ہوں اس سے مجھے نفع نقصان مقصود نہیں۔ مجھے جو حکم دیا جاتا ہے میں بجا لاتا ہوں۔"

شہزادے کی ماں نے اسے حکم دیا: "تو کل ہی مرو چلا جا اور الپ ارسلان کو میرا یہ پیغام دے کہ میں اس سے ایک مسئلے پر بات کرنا چاہتی ہوں۔ وہ فوراً رے چلا آئے۔"

ابونصر نے جواب دیا: "رے میں زیادہ اہم کام ہیں جو یہاں میری موجودگی پر اصرار کرتے ہیں۔ یہ کام تو کسی سے بھی لیا جا سکتا ہے۔"

شہزادے کی ماں نے کہا: "لیکن میں یہ کام تجھ سے لوں گی۔"

ابونصر نے جواب دیا: "آپ مجھے مجبور نہ کریں کہ میں آپ کی حکم عدولی کروں۔"

وہ بپھر کر کھڑی ہو گئی: "میں یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ میں کسی کو کوئی حکم دوں اور وہ میرا حکم نہ مانے۔"

ابونصر نے صاف جواب دے دیا: "لیکن میں آپ کا یہ حکم نہیں مانوں گا۔"

ماں نے پوچھا: "کیوں؟ میرا حکم کیوں نہیں مانے گا؟"

ابونصر نے جواب دیا: "جب تک ابوتمیمی شہر میں موجود ہے میں بھی رے میں موجود رہوں گا۔"

ماں نے کہا: "تو ابوتمیمی کی فکر نہ کر۔ اس کو شہزادہ سلیمان سنبھال لے گا۔"

ابونصر نے جواب دیا: "نہیں۔ میں ابوتمیمی کو کسی اور سے نہیں ملنے دوں گا۔"

ماں کو ایک بار پھر غصہ آ گیا: "تیری یہ مجال! میں حکم دوں اور تو اس کی تعمیل سے انکار کر دے؟"

ابونصر نے تحمل سے جواب دیا: "آپ خواہ مخواہ مشتعل نہ ہوں۔ میں آپ کی حکم عدولی نہیں کر رہا۔ ابوتمیمی کل تک چلا جائے گا اور میں الپ ارسلان کو اگلے ہفتے بلوا لوں گا۔"

ماں نے کہا: "ابوتمیمی اس وقت تک یہیں رے میں رہے گا جب تک اس کی ملاقات شہزادہ سلیمان سے نہ ہو جائے۔ میں کل شام اس کو محل میں بلوا رہی ہوں۔"

ابونصر نے جواب دیا: "بڑی خوشی کی بات ہے آپ شہزادے کو اس سے ملوا دیں۔"

ماں نے وضاحت کی: "لیکن اس ضیافت میں کوئی باہر کا آدمی نہیں آ سکے گا یہاں تک کہ تو بھی نہیں۔"

ابونصر نے جواب دیا: "میں وزیر سلطنت ہوں محترمہ خاتون! مجھ کو تو اس ضیافت میں موجود ہونا چاہیے۔"

ماں نے کہا: "لیکن میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس ضیافت میں باہر کا کوئی آدمی نہیں شریک ہوگا۔"

ابونصر نے پوچھا: "کیا خمارتگین بھی نہیں؟"

ماں بوکھلا گئی: "شاید وہ بھی نہیں۔"

ابونصر نے دھمکی دی: "وہ بے وقوف ناحق اپنی جان گنوا بیٹھے گا۔ وہ زیادہ عقلمند نہیں ہے اور وہ جس راہ پر چل رہا ہے خطرناک اور ہلاکت آفریں ہے۔"

ماں نے کہا: "تو اب تو دھمکیاں بھی دینے لگا ہے۔ اس کو کون ہلاک کرے گا؟ تو؟ میں بھی دیکھوں گی کہ تو اس کو کس طرح ہلاک کرے گا؟"

ابونصر نے جواب دیا: "ایسے فضول کام میں نہیں کرتا۔ وہ اپنی ہلاکت کا کام خود کرے گا۔"

شہزادے کی ماں نے اس کو چلے جانے کا حکم دیا۔ تب

تم جا سکتے ہو اور دیکھو مجھ سے ٹکرانے کی کوشش نہ کرو ورنہ تمہارا سر پاش پاش ہو جائے گا۔"

ابو النصر وہاں سے کبیدہ خاطری کے ساتھ چلا آیا لیکن یہ جو کچھ ہوا تھا، ابو النصر اس سے خاصا پریشان تھا۔ جب وہ محل سے نکل رہا تھا اسی وقت خمار تگین محل میں داخل ہو رہا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر لمحہ بھر کے لیے رک گئے۔ ابو النصر کی آنکھوں میں شکایت تھی، نفرت تھی اور خمار تگین کی آنکھوں میں اطمینان تھا، طنز تھا اور شرارت تھی۔

ابو النصر نے کہا: "خمار تگین! یہ جو کچھ تو کر رہا ہے اچھا نہیں ہے، تو اپنے ساتھ دوسروں کو بھی نقصان پہنچائے گا۔"

خمار تگین نے جواب دیا: "میں اچھا کر رہا ہوں یا برا، اس کا تعلق میری اپنی ذات سے ہے۔ آپ بلاوجہ فکرمند نہ ہوں۔"

ابو النصر محل سے باہر نکل گیا اور خمار تگین محل کے اندر چلا گیا۔

❋

محل کی شاندار ضیافت میں خمار تگین کے علاوہ باہر کا ایک آدمی بھی نہ تھا۔ شہزادہ سلیمان پیش پیش تھا اور اس طرح پیش کیا گیا تھا گویا وہی سلطان تھا۔ شہزادہ سلیمان کی ماں ابو تیمی کو یہ یقین دلا رہی تھی کہ سلطان طغرل کے بعد سب کا واسطہ شہزادہ سلیمان ہی سے پڑے گا کیوں کہ یہی اپنے ربیب باپ کا جانشین ہے۔"

محل میں ارسلان خاتون بھی موجود تھی مگر وہ اس ضیافت میں شریک نہیں ہوئی کیوں کہ وہ خلیفہ قائم بامر اللہ کی بیوی تھی اور اس طرح ابو تیمی اس کا ایک ملازم تھا۔

خمار تگین، شہزادہ سلیمان کا اتالیق بنا ہوا تھا۔

کھانا کھانے کے دوران خمار تگین نے پوچھا: "تو شادی کے لیے ابو النصر نے کیا کہا؟"

ابو تیمی نے جواب دیا: "میں بہت پریشان ہوں اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں؟"

شہزادے کی ماں نے ابو تیمی کو مشورہ دیا: "اپنے امیر المومنین سے کہو کہ وہ انکار کر دے۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ اس وقت سلطان کی عمر کیا ہے؟"

ابو تیمی کو طغرل کی بیوی سے باتیں کر کے فخر محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے جواب دیا: "امیر المومنین نے تو انکار کر دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ اپنی نوجوان بیٹی کو ستر سالہ بوڑھے سے کس طرح منسوب کر دیں اور پھر یہ کہ آج تک کسی شاہی خاندان کی بیٹی کی شادی کسی غیر شاہی خاندان میں نہیں کی گئی۔"

خمار تگین نے ابو النصر پر وار کیا: "یہ سارا جھگڑا ابو النصر کے دم سے ہے۔ شاید سلطان اتنا جذباتی نہ ہو لیکن ابو النصر نے سلطان کو مجبور کر رکھا ہے کہ یہ شادی ضرور ہونا چاہیے۔"

ابو تیمی نے خوش ہو کر تائید کی: "بالکل بالکل، یہ شخص خود کو عقل کل سمجھتا ہے۔ اس کو امیر المومنین کی عزت کا خیال رکھنا چاہیے لیکن ابو النصر اپنی انا اور اپنے بڑے پن کے جھوٹے غرور کی خاطر کچھ بھی کر سکتا ہے۔"

ابو تیمی کو یہاں کی فضا اپنے حق میں نظر آئی۔ اس نے کہا: "میں نے ابو النصر سے کہا تھا کہ وہ کسی بھی طرح سلطان کو اس خواہش سے باز رکھیں لیکن اس نے میرا مشورہ نہیں مانا۔"

شہزادے کی ماں نے کہا: "یہ کام ہم کریں گے۔ سلطان کو اس شادی سے ہم روک دیں گے۔"

ابو تیمی نے وہ ساری باتیں ان دونوں کو بتا دیں جو ابو النصر سے ہوئی تھیں۔ اس نے کہا: "لیکن میں نے یہ معاملہ ابو النصر پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ جو بھی فیصلہ کرے گا ہمیں منظور ہوگا۔"

خمار تگین نے مشورہ دیا: "آپ اس سے منحرف ہو جائیں۔"

ابو تیمی نے پوچھا: "مگر کیوں؟ کیا آپ سلطان کو شادی سے باز رکھ سکیں گے؟"

شہزادے کی ماں نے جواب دیا: "میں پوری کوشش کروں گی اور مجھے یقین ہے کہ کامیاب ہو جاؤں گی۔"

شُجاعُ الدّولہ اودھ کے نواب صفدر جنگ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ ایک رات کا ذکر ہے۔ شجاع الدولہ بنارس کی ایک عورت کے گھر میں دیوار پھاند کے جا گھسا۔ گھر کے لوگوں کی آنکھ کھل گئی۔ انھوں نے فوراً اسے پکڑا اور اسی وقت کوتوال کے پاس لے گئے۔ کوتوال نواب کے بیٹے کو ملزم کی حیثیت سے دیکھ کر شش و پنج میں مبتلا ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ شجاع الدولہ سے کیا سلوک کرے۔ آخر وہ نواب صفدر جنگ کے محل پہنچا اور نواب کو نیند سے جگا کر یہ واقعہ سنایا۔ نواب کو غصہ آ گیا۔ اس نے کوتوال سے کہا: "کوتوال معلوم ہوتا ہے، تجھے اپنی فرض داری کا احساس نہیں ہے ورنہ تو آدھی رات کو مجھے نہ جگاتا۔ تجھے خود معلوم ہونا چاہیے کہ غنڈوں سے کیا سلوک کیا جاتا ہے۔"

کوتوال تھانے پہنچا۔ اس نے شجاع الدولہ کو ایک عام ملزم کی طرح زدوکوب کر کے قید میں ڈال دیا۔

سات روز کے بعد شجاع الدولہ کو نواب صفدر جنگ کے سامنے پیش کیا گیا۔ نواب نے اپنے بیٹے کو دیکھا تو حقارت سے منہ پھیر لیا۔ اس کے بعد اس نے چھ ماہ تک اس سے بات نہیں کی۔

"... آف اودھ"۔ سری واستو

خمار تگین نے بھی حوصلہ افزائی کی۔ "میرا بھی یہی خیال ہے۔"

ابوتیمی ایک جہاندیدہ اور تجربہ کار انسان تھا، پوچھا۔ "اس کا لائحہ عمل اس کا طریقۂ کار کیا ہوگا؟ وہ بھی تو معلوم ہو۔"

خمار تگین نے جواب دیا۔ "وہ میں بتاتا ہوں، آپ بغداد جائیں اور امیرالمومنین کو مشورہ دیں کہ وہ مجھے یعنی خمار تگین کو درمیان میں لے آئیں۔ امیرالمومنین مجھ کو حکم دیں کہ میں اس معاملے میں ان کی مدد کروں۔ اس کے علاوہ وہ اپنے خط میں ابونصر کو برا بھلا بھی کہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کریں کہ ابونصر سازشوں کے ذریعے امیرالمومنین اور سلطان میں کشیدگی پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہے ورنہ یہ سب کچھ نہ ہوتا۔ مجھے یقین ہے کہ اس شادی کی خواہش کے پیچھے ابونصر ہی کارفرما ہوگا۔"

شہزادے کی ماں خمار تگین کی تجویز اور مشورے سے بے حد خوش تھیں۔ اس نے ابوتیمی کو یہ مشورہ دیا۔ "امیرالمومنین، سلطان کو حکم دیں کہ وزیر ابونصر کو برطرف کر کے خمار تگین کو وزیر بنا دیا جائے۔"

ابوتیمی دونوں کی باتیں بڑی توجہ سے سنتا رہا۔ اس کے بعد جواب دیا۔ "آپ دونوں کی تجویز اور مشورے سے مجھے اتفاق ہے لیکن میرا خیال ہے کہ ابونصر اتنا کمزور نہیں ہے کہ آپ دونوں اس کو اتنی آسانی سے پچھاڑ دیں۔ ابونصر بے حد ذہین اور عقلمند انسان ہے۔"

خمار تگین نے ناراضی کا اظہار کیا۔ "اگر آپ ابونصر سے خوفزدہ ہیں تو میرا مشورہ اور میری تجویز فضول ہے اور آپ کو یہاں یہ ذکر ہی نہیں چھیڑنا چاہیے تھا۔"

لیکن شہزادے کی ماں ابوتیمی سے متفق تھی۔ "نہیں خمار تگین یہ شخص ابونصر کے بارے میں جو کچھ بھی کہہ رہا ہے حرف بہ حرف درست ہے۔"

خمار تگین زیادہ ناراض ہو گیا۔ "وہ کتنا ہی عقلمند کیوں نہ ہو، کیا ہم ہمت ہار جائیں؟ ہمیں اس کا مقابلہ تو کرنا ہی پڑے گا۔"

ابوتیمی نے جواب دیا۔ "میں بغداد پہنچ کے امیرالمومنین کو سب کچھ بتا دوں گا پھر وہ جو مناسب سمجھیں گے کریں گے۔"

شہزادہ سلیمان نے بچکانہ بات کی۔ "اور پھر جب میں حکمران ہو جاؤں گا تو سیدہ کے رشتے کی بات میں کر دوں گا۔ میں تو اس کا ہم عمر ہوں شاید۔"

ماں نے اس کو آنکھ دکھائی۔ "ابھی تو تو خاموش رہ۔"

ابوتیمی نے کہا۔ "اس نازک مسئلے پر کسی کو بھی اپنی زبان نہیں کھولنی چاہیے۔"

ان دقیق، لطیف اور پرلطف باتوں میں کئی ساعتیں گزر گئیں۔ وقت کا کچھ پتا ہی نہ چلا۔ ابوتیمی نے رات بھی محل ہی میں گزاری۔ خمار تگین کا مشورہ تھا کہ ابوتیمی کو یہیں سے ہی بغداد روانہ کر دیا جائے۔ اس کو اب ابونصر سے نہ ملنے دیا جائے۔

شہزادے کی ماں بھی اس تجویز سے متفق تھی۔ ابوتیمی بھی ان ساری باتوں کے بعد ابونصر سے نہیں ملنا چاہتا تھا۔

ابونصر اس کا انتظار کرتا رہا اور جب وہ نہیں آیا تو اس نے اپنے طور پر بغداد جانے کی تیاری کر لی۔ اس نے محل کے دربانوں سے یہ معلوم کر لیا تھا کہ ابوتیمی ابھی محل ہی میں ہے۔ پھر جیسے ہی اس کو یہ خبر دی گئی کہ ابوتیمی محل سے نکل چکا ہے، ابونصر نے اس کا تھوڑی دیر انتظار کیا اور پھر خود بھی بغداد روانہ ہو گیا۔ اس سفر میں قاضی ابوسعد کی طرح بطور خاص ابراہیم اینال کے دونوں بیٹوں کو اپنے ساتھ رکھا۔ ان دو کے علاوہ... اڑتالیس سپاہی بھی ساتھ تھے۔

مختلف سمتوں سے آنے والے کئی قافلے بغداد جا رہے تھے اور ایک اندازے کے مطابق ابوتیمی کو انہی میں سے کسی ایک قافلے میں ہونا چاہیے تھا۔

جب یہ لوگ رے سے نکل کر دس فرسخ کی مسافت... طے کر کے ایک جگہ خیمہ زن ہوئے تو اس نے ابراہیم کے دونوں بیٹوں کو حکم دیا کہ ان خیموں میں ابوتیمی کو تلاش کیا جائے۔

کچھ دیر بعد ہی ابوتیمی کا پتا چلا لیا گیا وہ تبریز سے آنے والے ایک قافلے میں شریک سفر کر رہا تھا۔

ابونصر نے دونوں بیٹوں سے پوچھا۔ "تو تم دونوں کو یہ یقین ہے کہ ابوتیمی اس قافلے میں موجود ہے؟"

بڑے لڑکے نے جواب دیا۔ "میں اس کو اس کے ابلق گھوڑے سے پہچانتا ہوں، جب میں نے اس قافلے میں وہ ابلق گھوڑا دیکھا تو مجھ کو یہ یقین ہو گیا کہ یہ ابوتیمی ہی کا گھوڑا ہے، پھر میں اسی کی مدد سے اس کے خیمے تک پہنچ گیا۔"

ابونصر نے پوچھا۔ "تم دونوں اس سے ملے تو نہیں؟"

بڑے لڑکے نے جواب دیا۔ "ہم دونوں اس سے نہیں ملے کیوں کہ ہم یہ جانتے ہیں کہ ملاقات تو آپ کریں گے اس سازشی اور منافق انسان سے۔"

ابونصر نے پوچھا۔ "تو تم دونوں مجھ کو اس خیمے تک پہنچا سکتے ہو؟"

دونوں نے ایک ساتھ جواب دیا۔ "بالکل.... آپ ابھی چلیں، ابھی اسی وقت۔"

ابونصر نے ان دونوں کو ساتھ لیا اور مذکورہ خیمے تک پہنچ گیا۔ چھوٹے بیٹے نے یہ چاہا کہ پہلے ابونصر کو ابوتمیمی کا ابلقی گھوڑا دکھا دیا جائے۔ اس نے ابونصر سے پوچھا: "آپ ابوتمیمی کا گھوڑا تو پہچان ہی لیں گے؟"

ابونصر نے جواب دیا: "کیوں نہیں، کیوں نہیں۔ میں نے اس گھوڑے کو ہمیشہ بڑی توجہ اور انہماک سے دیکھا ہے۔ اس کو میں بھول ہی نہیں سکتا۔"

یہ دونوں ابونصر کو اس جگہ لے گئے جہاں قافلے والوں کے گھوڑے بندھے ہوتے تھے۔ ان میں ایک بھی ابلقی گھوڑا نہ تھا۔ ابونصر نے پوچھا: "کہاں ہے وہ ابلقی گھوڑا جس کا تم دونوں نے ذکر کیا تھا؟"

دونوں بھائی چپ رہنے ہوئے تھے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

پھر ایک نے کہا: "ہم نے اس کو یہیں انھی گھوڑوں میں دیکھا تھا۔ آپ یقین کریں۔"

ابونصر نے جواب دیا: "مجھے تو تمھاری بات کا یقین ہے مگر اب یہ بتاؤ کہ کہاں ہے وہ گھوڑا؟"

بڑے بھائی نے افسردگی سے کہا: "ہم اب کیا کہیں۔ میں سوچتا ہوں کہ آخر یہ ہوا کیا؟"

ابونصر نے کہا: "اب اس خیمے تک اور پہنچا دو مجھے، شاید وہاں ابوتمیمی سے ملاقات ہو جائے اور میں اس سے اس کے ابلقی گھوڑے کا پتا پوچھوں۔"

دونوں کو بے حد افسوس تھا کہ ابونصر دونوں پر یقین نہیں کر رہا۔ دونوں بے یقینی کا شکار ہو چکے تھے لیکن اس کے باوجود ابونصر کو ابوتمیمی کے خیمے کے در پر پہنچا دیا گیا۔

دونوں نے ابونصر کو مذکورہ خیمے کے سامنے پہنچا دیا اور کہا: "یہ رہا وہ خیمہ لیکن ہمیں یقین نہیں کہ اندر کوئی موجود بھی ہوگا۔"

ابونصر نے دونوں کو تسلی دی: "تم دونوں مت گھبراؤ، ان حالات میں ایسا تو ہوتا ہی رہتا ہے۔"

اس تسلی سے دونوں بھائیوں کی جان میں جان آئی۔

ابونصر نے خیمے میں جھانک کر دیکھا۔ وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ وہ خالی پڑا ہوا تھا۔

ایک پستہ قامت سوداگر ان لوگوں کی بے چینی اور بے زاری دیکھ رہا تھا۔ اس نے پوچھا: "آپ لوگ کس کو تلاش کر رہے ہیں؟"

ابونصر نے خیمے کی طرف اشارہ: "اس کے مکین کو۔ اس کے مسافر کو۔ کیوں؟ کیا کوئی خاص بات ہو گئی ہے؟"

پستہ قامت تاجر نے جواب دیا: "وہ ابھی کچھ دیر پہلے یہاں سے چلا گیا ہے۔"

ابونصر نے ڈانٹ کر پوچھا: "وہ کہاں اور کیوں چلا گیا ہے؟"

پستہ قامت تاجر نے ہنس کر جواب دیا: "کیسا لچر اور فضول سوال ہے۔ وہ کیوں اور کہاں چلا گیا!"

ابونصر نے اس کو دھمکی دی: "تو مجھے نہیں جانتا۔ میں اگر چاہوں تو تم سب کو قید کر کے خیموں کو لٹوا دوں۔"

پستہ قامت تاجر ڈر گیا: "وہ ادھر اس طرف اپنے ابلقی گھوڑے پر سوار ہو کر گیا ہے۔"

ابونصر نے پوچھا: "وہ اکیلا گیا ہے یا اس کے ساتھ کچھ آدمی بھی ہیں؟"

تاجر نے جواب دیا: "میں نے اس پہلو پر غور نہیں کیا پھر کیا جواب دوں۔"

ابونصر نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر تاجر کی بتائی ہوئی سمت میں اپنے گھوڑے بھگانا شروع کر دیے اور ایک فرسخ کے فاصلے پر ابوتمیمی کو پکڑ لیا۔ ابوتمیمی کے ساتھ چار سوار بھی تھے۔





ابو تمیمی نے گھوڑوں کے سرپٹ دوڑنے کی آواز اپنے پیچھے سُنی اور مُڑ کر دیکھا پھر بھی بھاگنا جاری رکھا۔

ابو نصر نے دونوں بھائیوں سے کہا "اپنے گھوڑے اتنے تیز بھگاؤ کہ ان کو ان کے سامنے پہنچ کر روک لو۔"

اور پھر ان تینوں نے اپنے اپنے گھوڑوں کو اتنا تیز بھگایا کہ ابو تمیمی کے پاس سے گزر گئے۔ ابو تمیمی کی جان میں جان آئی لیکن جب چند ثانیوں کے بعد ہی یہ تینوں اس کے گھوڑے کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے تو ابو تمیمی گھبرا گیا وہ سمجھا شاید اس پر قاتلانہ حملہ ہونے والا ہے۔ اس نے پوچھا "یہ کیا حرکت ہے اور تم کیا چاہتے ہو؟"

ابو نصر اپنے گھوڑے سے اُتر پڑا "ابو تمیمی تم بھی نیچے اتر آؤ۔"

ابو تمیمی کھسیانی ہنسی ہنسنے لگا "تو یہ تم ہو ابو نصر خوب! میں تو ڈر ہی گیا تھا۔"

ابو تمیمی بھی گھوڑے سے اُتر پڑا اور اس کے ساتھ ہی اس کے چاروں ساتھی بھی گھوڑوں سے نیچے اُتر آئے۔

ابو نصر نے پوچھا "یہ کیسی گھٹیا حرکت کی تم نے؟"

ابو تمیمی نے بھی غصے میں جواب دیا "زبان سنبھال کر بات کرو ابو نصر میں نے کیا گھٹیا حرکت کی ہے؟"

ابو نصر نے کہا "تم نہ ہی سلطان سے بات کرنے آئے تھے پھر یہ مجھ کو بتائے یا مجھ سے ملے بغیر کیوں بھاگ آئے وہاں سے؟"

ابو تمیمی نے کہا "دیکھو ابو نصر ہم دونوں فیصلہ کن باتیں کر چکے تھے پھر وہاں کیا پڑا رہتا؟"

ابو نصر نے کہا "یہ باتیں ان سے پوچھ لوں گا پیچھے واپس چلو بھائی میرے آدمی زخمی ہیں۔"

اس بار ابو تمیمی نے جوش اور گرمی سے کام نہیں لیا۔ چپ چاپ واپس ہو لیا۔

ابو نصر کے سپاہی پریشان ہو رہے تھے کہ وہ کہاں چلا گیا۔

جب یہ لوگ اپنے آدمیوں میں واپس پہنچے تو ابو نصر ابو تمیمی کو اپنے خیمے میں لے گیا۔ ابو تمیمی کو شبہ تھا کہ شاید یہ لوگ اس کو قتل کر دیں گے۔

ابو نصر نے اس کو تسلی دی "تو ہمارے آدمیوں میں ہے اس لیے تجھ کو گزند نہیں پہنچے گی۔"

ابو تمیمی نے پوچھا "تم مجھ کو واپس کیوں لے آئے؟"

ابو نصر نے جواب دیا "یہ جاننے کے لیے کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ اور یہ جاننے کے لیے کہ وہاں محل میں کس کس سے کیا کیا باتیں ہوئیں؟"

ابو تمیمی نے کہا "وہاں کوئی بات نہیں ہوئی بس کھا پی کر گپ شپ اڑاتے رہے۔"

ابو نصر نے کہا "افسوس کہ میں تمہارے ساتھ جبر اور زبردستی بھی نہیں کر سکتا لیکن تم اس کے بغیر کچھ بتاؤ گے بھی نہیں۔"

ابو تمیمی نے کہا "میں امیر المومنین کا حاجب ہوں۔"

ابو نصر نے جواب دیا "اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا میں بھی سلطان طغرل کا وزیر ہوں۔"

ابو تمیمی نے کہا "اب ہم بغداد تو جا ہی رہے ہیں وہیں یہ ساری باتیں بھی ہو جائیں گی۔"

ابو نصر نے کہا "پھر سوچ لیں کہ وہاں پہنچتے پہنچتے بات کرنے کا وقت ملے گا بھی یا نہیں۔"

ابو تمیمی نے کہا "وہاں محل میں کوئی خاص بات نہیں ہوئی وہ لوگ تو بات کرنا چاہتے تھے لیکن میں نے انکار کر دیا کہ سلطان اور سیدہ کے حوالے سے محل میں کوئی بات نہیں ہوگی۔"

ابو نصر نے جواب میں کہا "دیکھو ابو تمیمی! کم از کم یہ میں ایسا انتظام موجود ہے کہ ہم جس کے بارے میں جو جاننا چاہیں گے جان لیں گے۔"

ابو تمیمی نے جواب دیا "ٹھیک ہے آپ جو کچھ جاننا چاہیں ضرور جان لیں مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

ابو نصر کو غصہ تو آ رہا تھا لیکن وہ یہ جانتا تھا کہ غصے میں کوئی کام بنتا نہیں بگڑتا ہے اس لیے اس نے نرم لہجہ اختیار کیا "میں تمہارے ساتھ بغداد چل رہا ہوں امیر المومنین سے براہ راست میں خود بات کروں گا۔"

ابو تمیمی نے بے نیازی سے جواب دیا "ٹھیک ہے آپ خود بات کر لیں چل کر اور میں بھی دیکھوں گا کہ آپ امیر المومنین سے ہاں کس طرح کرا لیتے ہیں۔"

ابو نصر نے دعوت مقابلہ قبول کر لی "ٹھیک ہے میں اس کے لیے تیار ہوں۔"

یہ لوگ بغداد کے قریب پہنچ کر الگ الگ ہو گئے ابو نصر اپنے آدمیوں کے ساتھ نہروان میں ٹھہر گیا اور ابو تمیمی بغداد میں چلا گیا۔

خلیفہ کو اس کی طرف سے بڑی فکر لاحق ہو گئی تھی وہ ابو تمیمی کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہا تھا اور جب ابو تمیمی خلیفہ سے ملا تو پہلا سوال ہی یہ کیا گیا کر رہے میں کیا طے

پایا؟ سلطان یا وزیر ابونصر کندری سے کیا طے پایا؟ انھوں نے تیری بات مانی یا نہیں؟

ابوتیمی نے افسردگی سے جواب دیا۔ "سلطان کا وزیر ابونصر کندری بڑا کائیاں نکلا۔ اس کے پاس ہمارے ہر سوال کا جواب موجود تھا۔"

خلیفہ کو غصہ آرہا تھا۔ "پھر کیا طے پایا؟"

ابوتیمی نے جواب دیا۔ "امیرالمومنین کی دعا سے میں نے اس مسئلے کو ابونصر کندری کے سپرد کر دیا ہے۔ میں نے اس سے کہہ دیا ہے کہ تو جو فیصلہ کرے گا ہمیں منظور ہو گا۔"

خلیفہ کو اس کی حماقت پر افسوس بھی ہوا اور غصہ بھی آیا۔ "یہ تو نے کیا کیا؟ سارے اختیارات ابونصر کندری کو سونپ دیے اور اب وہ وہی کرے گا جو اس کا ارادہ ہے اس کا مقصد ہے وہ شادی کرنے پر ہمیں مجبور کر دے گا۔"

ابوتیمی نے خلیفہ کو خوش خبری سنائی۔ "میں محل میں ولی عہد شہزادہ سلیمان کے پاس بھی گیا۔ میں نے اس کی ماں سے بھی ملاقات کی جو پہلے جغری داؤد یعنی سلطان طغرل کے بھائی کی بیوی تھی۔ سلطان اس کو بہت چاہتا ہے وہیں خمار تگین بھی موجود تھا یہ مشہور سپہ سالار اور سلطان کا مصاحب خاص ہے۔ یہ سب سلطان کی اس خواہش کے خلاف ہیں اور ان سب کا ایک ہی خیال ہے کہ اس شادی کے پیچھے ابونصر کا ہاتھ کارفرما ہے وہی سلطان کو اس شادی پر مجبور کر رہا ہے۔"

خلیفہ نے پُرامید لہجے میں کہا۔ "اگر یہ بات ہے تو اس شادی کو ٹال دینا زیادہ مشکل کام نہیں ہے۔"

ابوتیمی نے عرض کیا۔ "بالکل اسی طرح میں بھی سوچ رہا ہوں۔ اب ہمارا کام بس اتنا سا ہے کہ ہم خمار تگین کے وسیلے سے شہزادہ سلیمان کی ماں سے باتیں کریں اور اس کو لالچ دیا جائے کہ دو لاکھ دینار پیشگی میں جو وعدے اور معاہدے کے ساتھ ہی مل جائیں گے اور تین لاکھ اس وقت ملیں گے جب ابونصر کو وزارت عظمیٰ سے سبک دوش کر دیا جائے گا۔ آپ کی کیا رائے ہے؟"

خلیفہ نے اس سے اتفاق کیا اور یہ تجویز کیا کہ خمار تگین اور شہزادے کی ماں سے بات چیت خط کے ذریعے مکمل کی جائے۔

چنانچہ ابوتیمی کے مشورے اور خلیفہ کے ایما پر خمار تگین کو ایک خط لکھا گیا۔ اس خط میں ابونصر کی شکایت کی گئی تھی۔

"خمار تگین کو معلوم ہو کہ خلافت مآب اور سلطان طغرل میں بدگمانیاں اور غلط فہمیاں پیدا کی جا رہی ہیں۔ ایک ایسا مسئلہ جو خلافت مآب اور سلطان کے مابین آسانی سے طے ہو سکتا ہے ابونصر اس کو غیر ضروری طور پر طول دے رہا ہے اور اس کو اپنی عزت نفس کا مسئلہ بنا لیا ہے۔ ہمیں سلطان طغرل کے مخلصین میں تو سب سے زیادہ ذہین اور مخلص نظر آیا اس لیے ہم تجھ سے رجوع ہو رہے ہیں تو ہمارا یہ خط سلطان کو دکھا سکتا ہے اور سلطان کو یہ باور کرا دے کہ ہم سلطان طغرل کے بہی خواہ ہیں۔ سلطان اگر چاہے تو بھی خلافت مآب سے یہ خوشگوار تعلقات نہیں ہونے دیں گے۔ اس لیے خلافت مآب کا سلطان کو یہ مشورہ ہے کہ وہ ابونصر کو وزارت اعلیٰ کے منصب سے جلد از جلد سبک دوش کر دے۔"

یہ خط چُپ چاپ خمار تگین کو روانہ کر دیا گیا اور جواب کا انتظار کیا جانے لگا۔

❋

ابونصر نے نہروان میں قیام کیا اور یہاں سے خلیفہ سے باتیں ہونے لگیں۔ خلیفہ بات کو طول دینا چاہتا تھا لیکن ابونصر کو جلدی تھی کہ شادی کا معاملہ جلد از جلد طے ہو جائے۔

ابونصر نے خلیفہ کو مطلع کیا کہ چوں کہ امیرالمومنین نے سلطان کا رشتہ قبول کر لیا ہے اس لیے میں سلطان کی طرف سے تاریخ اور دن طے کرنے آیا ہوں۔

خلیفہ کو یہ بات بالکل پسند نہ آئی اور اس نے ابونصر کو ڈانٹنے اور ذلیل کرنے کے لیے اپنے قصر میں طلب کر لیا۔

ابونصر نے خلیفہ کے پاس جانے سے پہلے سلطان کو یہ لکھ کر روانہ کر دیا۔

"اللہ کے فضل و کرم اور سلطان کے بخت و اقبال سے میں نے سارے معاملات طے کر لیے ہیں۔ خلافت مآب سیدہ کا نکاح آپ سے کر دینے پر رضامند ہو گئے ہیں۔ میں دن اور تاریخ طے کرنے قصر خلافت جا رہا ہوں۔"

یہ مختصر خط سلطان طغرل کو آذربائیجان روانہ کر کے وہ خود قصر خلافت چلا گیا۔

حاجب ابوتیمی نے اس کا پُرتپاک استقبال کیا لیکن ابونصر اس تپاک میں شر اور فتنے کی بو محسوس کر رہا تھا۔

حاجب ابوتیمی نے پوچھا۔ "آپ یہاں کیا بات کریں گے؟"

ابونصر نے جواب دیا۔ "ابوتیمی! تم خوب جانتے ہو کہ

میں یہاں کیوں آیا ہوں، پھر مجھ سے یہ سوال کیوں کر رہے ہو؟"

ابوتمیمی نے کہا: "اس سے پہلے جو بھی بات ہوئی خلافت مآب کی نظر میں اس کی کوئی وقعت نہیں۔"

ابونصر نے جواب دیا: "لیکن تم نے مجھ سے جو باتیں کہیں وہ میں نے سلطان کو لکھ کر بھیج دیں، اور میں جیسا کہ پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ یہاں دن تاریخ طے کرنے آیا ہوں۔"

ابوتمیمی نے کہا: "اگر تم نے سلطان کو کچھ لکھ دیا ہے تو ہم اس کے پابند نہیں ہیں اور اب شاید خلافت مآب تم سے ملنا بھی گوارا نہ کریں۔"

ابونصر برہم ہو گیا: "ابوتمیمی! تم میری بے عزتی کر رہے ہو اور میں اپنی ہتک برداشت نہیں کر سکتا۔"

ابوتمیمی نے جواب دیا: "ابونصر! تم سلطان کے وزیر ہو اور میں امیر المومنین کا حاجب، ہم دونوں اپنے اپنے ولی نعمت کی مرضی اور خواہش پر کام کر رہے ہیں۔ خلافت مآب فی الحال تم سے نہیں ملنا چاہتے اس لیے میں مجبور ہوں۔"

ابونصر نے پوچھا: "تب پھر مجھ کو کتنے دن انتظار کرنا ہوگا؟"

ابوتمیمی نے جواب دیا: "میں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن میرا یہ مشورہ ہے کہ فی الحال تم رے واپس جاؤ، پھر جب امیر المومنین کو تم سے بات کرنا ہوگی فوراً بلوا لیا جائے گا۔"

ابونصر خوب سمجھ رہا تھا کہ معاملے کو کیوں طول دیا جا رہا ہے۔ اسے اندازہ تھا کہ اس کا کسی نہ کسی طرح شہزادے کی ماں اور خمار تگین سے تعلق ضرور ہوگا۔

اس نے ابوتمیمی کو متنبہ کیا: "ابوتمیمی! میری بات یاد رکھنا کہ تم لوگ وقت کو جس مقصد سے طول دے رہے ہو وہ تمہیں حاصل نہیں ہوگا۔ تمہارے سہارے عارضی اور سراب آسا ہیں۔ تم فریب اور خوش فہمی میں زندگی گزار رہے ہو۔ میں اس وقت تو چلا جاؤں گا لیکن بہت جلد واپس آؤں گا اور پھر باقاعدہ دن تاریخ طے کر لوں گا۔"

ابونصر غصے میں رے واپس چلا گیا۔ ابراہیم اینال کے دونوں بیٹے ابونصر کی برہمی سے واقف ہونا چاہتے تھے لیکن ابونصر فی الحال ان دونوں سے کوئی کام نہیں لینا چاہتا تھا لیکن ان دونوں کو ہر وقت اپنے ساتھ بھی رکھنا چاہتا تھا۔

ابراہیم اینال کے دونوں بیٹے اسماعیل اور امجد ابونصر کی بے چینی کا سبب جاننا چاہتے تھے۔ ان دونوں کے بے حد اصرار پر ابونصر نے کہا: "تم دونوں خمار تگین سے تو اچھی طرح واقف ہو؟"

اسماعیل نے جواب دیا: "خوب اچھی طرح۔"

امجد نے کہا: "اور میں خمار تگین کو اس لیے نہیں بھولوں گا کہ اس شخص نے میرے باپ کے خلاف جنگ میں پُرجوش حصہ لیا تھا۔"

ابونصر نے دونوں کو بتایا: "اور تم دونوں ہمیشہ یہ بات بھی یاد رکھنا کہ خمار تگین ہی وہ شخص ہے جس نے سلطان طغرل اور تمہارے باپ ابراہیم اینال کے تعلقات میں کشیدگی پیدا کی اور پھر اس کو اتنی ہوا دی کہ بات جنگ و جدل تک پہنچ گئی۔ اور پھر جو کچھ ہوا، تم دونوں کی یتیمی دنیا پر عیاں کر رہی ہے۔"

اسماعیل کو اتنا غصہ چڑھا کہ وہ کھڑا ہو گیا: "میں اس کا ابھی کام تمام کر دوں گا۔"

امجد نے کہا: "میں بھی ساتھ چلوں گا اور اس کارِ خیر میں آپ کا ساتھ دوں گا۔"

لیکن ابونصر نے ان کو ٹھنڈا کیا: "نہیں، ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے۔ اس کام کا بھی ایک وقت ہے جب وہ وقت آئے گا تو میں تم دونوں کو اس سے مطلع کر دوں گا۔"

دونوں خاموش تو ہو گئے لیکن اب وہ خمار تگین کو ٹھکانے لگانے کے لیے بے چین ہو رہے تھے۔

صبح کے وقت ابونصر دیوانِ رسالت میں گیا تو اسے معلوم ہوا کہ سلطان آذربائیجان سے ہمدان چلا گیا اور وہیں مقیم ہے۔

چوں کہ سلطان کے خطوط اور ہدایات یہیں آتی تھیں اس لیے خمار تگین بھی یہاں موجود تھا اس کو بھی سلطان کی طرف سے اس کے سابقہ خط کا جواب موصول ہو چکا تھا۔

سلطان نے خمار تگین کو خط لکھا تھا:

"اگر ابونصر کسی قسم کی زیادتی کر رہا ہے تو کچھ دن صبر سے کام لو، میں آ کر سب ٹھیک کر لوں گا اور ابونصر کو اس کے کیے کی سزا دی جائے گی۔
فی الحال تم لوگ خاموش رہو۔"

خمار تگین نے یہ خط پڑھا تو اسے بڑی خوشی ہوئی۔ اب وہ اس لائق ہو چکا تھا کہ کسی بھی وقت ابونصر پر بھرپور وار کر کے اس کا قصہ ہی ختم کر دے۔

دیوانِ رسالت میں دونوں کا آمنا سامنا ہو گیا۔ خمار تگین نے ابونصر کو سلام تک نہ کیا۔

ابونصر نے اشارہ کیا: "دیکھ خمار تگین! تو مجھ کو نہیں جانتا۔ میں تیرے ہلانے سے نہیں ہلوں گا۔ میں اپنی جگہ مضبوط اور مستحکم ہوں اس لیے میرے خلاف سازشیں نہ کر۔"

خمار تگین نے جواب دیا "میں آپ کے خلاف کوئی سازش نہیں کر رہا آپ مجھ پر الزام نہ لگائیں۔"

ابونصر نے ابوتمیمی کا واقعہ یاد دلایا "تو نے محل میں جو کچھ کیا وہ اچھا نہیں تھا۔"

خمار تگین نے بے پروائی سے جواب دیا "آپ بھی جو کچھ کر رہے ہیں بہت برا کر رہے ہیں۔"

ابونصر نے کہا "یہ تو خیر وقت بتائے گا کہ آگ سے کون کھیل رہا ہے۔ میں نے دو شکاری کتے پالے ہیں، میں جب چاہوں گا ان کو تیری طرف دوڑا دوں گا پھر وہ جو کچھ کریں گے اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔"

خمار تگین نے ابونصر کو دھمکی دی "میں ان کتوں کا حال سلطان کو لکھ بھیجوں گا کہ جب کبھی ان کتوں سے مجھے نقصان پہنچے تو آپ کو بھی کتوں کے ساتھ سزاوار ٹھہرایا جائے۔"

ابونصر نے اسے اجازت دے دی "میری طرف سے اجازت ہے تو سلطان کو جو چاہے لکھ دے۔"

خمار تگین نے کہا "تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ ہم دونوں میں جنگ کی ابتدا ہو چکی ہے۔"

ابونصر نے جواب دیا "نہیں اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوا کیوں کہ میں تجھ کو ہم پلہ نہیں سمجھتا۔ رہ گئی یہ بات کہ ہم دونوں میں جنگ کی ابتدا ہو چکی تو یہ ابتدا آج نہیں دنوں پہلے ہو چکی پہلے اسی دن جب تم لوگوں نے ابوتمیمی کو دعوت کے بہانے ایک رات محل ہی میں روک لیا تھا اور پھر دوسرے دن بالا ہی بالا اسے بغداد روانہ کر دیا تھا۔"

خمار تگین نے صفائی پیش کی "یہ ابوتمیمی کا مسئلہ تھا اور پھر محل میں دعوت میں نے نہیں کی تھی شہزادہ سلیمان کی ماں نے کی تھی۔ اس دعوت کا میری ذات سے کیا تعلق ہے؟"

ابونصر نے جواب دیا "یہ تعلق تو میں ثابت کروں گا تو فکر نہ کر۔"

خمار تگین نے کہا "میں کسی بات سے بھی نہیں ڈرتا میرے ساتھ شہزادہ سلیمان ہے اس کی ماں اور پورا محل ہے۔ میں بھی دیکھوں گا کہ محل کا کون شخص آپ کا ساتھ دے گا؟"

ابونصر نے جواب دیا "مجھ کو کسی کی ضرورت ہی نہیں۔ میں نے جو کہہ دیا کہ میرے پاس دو کتے ہیں اور وہ تیرے لیے کافی ہیں۔"

خمار تگین ابونصر کا مذاق اڑانے لگا "آپ کتے لائیں، خیر لائیں بھیڑیے لائیں میری صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا

اس کے بعد خمار تگین سیدھا محل گیا اور وہاں شہزادے کی ماں سے ملاقات کی اور اپنی تشویش سے آگاہ کیا "ابونصر کہتا ہے کہ اس نے دو کتے پال رکھے ہیں جو مجھے چشم زدن میں چیر پھاڑ کر رکھ دیں گے۔ اب آپ ہی بتائیں کہ میں ان سے کس طرح محفوظ رہوں؟"

شہزادے کی ماں نے جواب دیا "ابونصر صرف دھمکیاں دے رہا ہے اور تو ان دھمکیوں سے ڈرا جا رہا ہے۔"

خمار تگین نے جواب دیا "میں دھمکیوں سے بالکل خوفزدہ نہیں بلکہ میں صرف یہ سوچ رہا ہوں کہ اگر اس کے پاس واقعی دو شکاری کتے ہوئے اور اس نے رات کی تاریکی میں وہ دونوں مجھ پر چھوڑ دیے تو میں کیا کروں گا؟"

شہزادے کی ماں نے کہا "میں آج ہی سلطان کو ابونصر کے بارے میں لکھتی ہوں اور اس کے خلاف کوئی حکم حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔"

خمار تگین نے اطمینان کی سانس لی "ٹھیک ہے یہ کام جلد از جلد ہونا چاہیے۔"

اس دوران سلطان نے ہمدان سے خط لکھ کر ابونصر سے دریافت کیا "شادی کا سلسلہ التوا میں کیوں پڑ گیا؟ اگر خلیفہ نے یہ رشتہ قبول کر لیا ہے تو تم ارسلان خاتون کے ساتھ بغداد چلے جاؤ اور بات پکی کر لو۔ میں نے ارسلان خاتون کو بھی لکھ دیا ہے۔ تم لوگ اپنے ساتھ ایک لاکھ دینار نقد اور ایک لاکھ دینار کے جواہرات بھی لیتے جاؤ۔۔۔۔ اور انہیں خلیفہ کی خدمت میں پیش کر دو۔"

ابونصر محل گیا اور ارسلان خاتون کو مطلع کیا "سلطان کے حکم کے بموجب آپ میرے ساتھ بغداد جائیں گی۔"

ارسلان خاتون کو بھی سلطان کا خط مل چکا تھا وہ تیار ہو گئیں لیکن ماں نے اسے چند دنوں کے لیے التوا میں ڈال دیا کیوں کہ اس نے سلطان کو ابونصر کے خلاف جو کچھ لکھ بھیجا تھا وہ جواب آنے سے پہلے ابونصر کو رے سے باہر نہیں جانے دینا چاہتی تھی۔

ابونصر نے اصرار کیا "میں اس معاملے کو مزید التوا میں نہیں ڈال سکتا اس لیے آپ مداخلت نہ فرمائیں۔"

شہزادے کی ماں نے جواب دیا "دخل میں دے رہی ہوں اس لیے میں ہی اس کی ذمہ دار ٹھہرائی جاؤں گی اور مجھ سے ہی اس کا جواب طلب کیا جائے گا۔"

ابونصر نے کہا "جیسی آپ کی مرضی ویسے میں آپ کو اس خطرے سے آگاہ کر رہا ہوں جو خمار تگین کے آس پاس منڈلا رہا ہے۔"

شہزادے کی ماں نے جواب دیا: "ہو سکتا ہے یہی خطرہ ہے جس کا تم نے ذکر کیا تمھارے آس پاس بھی منڈلا رہا ہو، اور ان تمھارے دونوں شکاری کتے کہاں ہیں؟ سنا ہے انھیں تم نے خمارتگین کے لیے پال رکھا ہے۔ ذرا میں بھی تو دیکھوں ان کتوں کو۔"

ابونصر نے جواب دیا: "محترم خاتون! میں آپ کی بے حد عزت کرتا ہوں اور میں آپ کے خلاف تو کبھی کچھ سوچ بھی نہیں سکتا لیکن یہ خمارتگین جو بلاوجہ آپ کو میرے خلاف ورغلا رہا ہے میں اس کو نہیں معاف کروں گا۔ دونوں کتے جن کا آپ نے ذکر کیا ہے، وہ جس کے لیے پالے گئے ہیں اسی پر چھوڑے جائیں گے اور وہی انھیں دیکھے گا۔"

ابونصر نے محل سے واپس آتے ہی سلطان کو ایک خط لکھا:

"مشرق اور مغرب کے سلطان طغرل بن سلجوق سے اس کا ادنیٰ خادم ابونصر مخاطب ہے۔ وہ ابونصر جو مسِ خام تھا اور سلطان کی عنایات سے کندن بن گیا، جو فرش نشین تھا اور سلطان کی نوازشوں نے عرش نشین کر دیا۔ یہ شادی جس پر میں دن رات کام کر رہا ہوں اور عنقریب دن تاریخ بھی طے پا جاتے لیکن افسوس کہ معلوم نہیں کیوں سلطان کا مصاحبِ خاص خمارتگین اس رشتے کے خلاف ہے اور برابر مزاحم ہو رہا ہے۔ چنانچہ ابھی جب میں بغداد جانے والا تھا، مجھے روک دیا گیا۔ اب میں اسی وقت بغداد جا سکوں گا جب محل سے مجھے جانے کی اجازت مل جائے گی اور محل سے بغداد جانے کی اجازت اس وقت ملے گی جب خمارتگین اجازت دے گا۔ اب جیسا آپ حکم دیں گے میں اس کے مطابق اس پر عمل کروں گا۔"

اور یہ خط ابونصر نے ایک تیز رفتار قاصد کے ذریعے سلطان روانہ کر دیا۔ اس کو یہ ہدایت بھی کر دی گئی کہ وہ راستے میں کہیں بھی قیام نہ کرے اور جیسے ہی سلطان اس کا جواب دے اسی تیز رفتاری سے واپس آ جائے۔

سلطان کو یہ خط ملتے ہی غصے سے اس کا برا حال ہو گیا اور جواب میں اس نے ابونصر کو حکم دیا کہ خمارتگین کو قید کر دیا جائے اس کو میں سزا دوں گا اور اگر وہ مزاحمت کرے تو اسے قتل کر دیا جائے۔

ابونصر کو جیسے ہی سلطان کا جواب موصول ہوا وہ ابراہیم اینال کے دونوں بیٹوں کے ساتھ خمارتگین کے گھر پہنچ گیا۔ وہاں معلوم ہوا کہ وہ محل گیا ہوا ہے۔ اب ابونصر کو یقین ہو چکا تھا کہ خمارتگین سخت مزاحمت کرے گا اور اس مزاحمت میں شہزادے کی ماں کا تعاون بھی شامل ہو سکتا ہے۔ اس نے دونوں بھائیوں کو پانچ سو سپاہی بھی دے دیے اور کہا: "تم دونوں محل کے باہر موجود رہو، وہ میرے داخل ہوتے ہی شاید یہاں سے نکل بھاگے۔ تم دونوں اس کا پیچھا کرو گے اور پھر اسے زندہ یا مردہ میرے پاس لاؤ گے اور اس دوران تم دونوں یہ یاد رکھو گے کہ یہی وہ انسان ہے جس نے سلطان کو تمھارے باپ کے خلاف کر دیا تھا۔"

دونوں بھائی محل کے چاروں طرف نگرانی کرنے لگے۔

شہزادے کی ماں کو مطلع کیا گیا کہ ابونصر خمارتگین کی تلاش میں آیا ہوا ہے اور اسے یہ بات بھی معلوم ہو چکی تھی کہ ابونصر کے پاس سلطان کا کس نوعیت کا فرمان آچکا ہے۔ اب وہ خمارتگین کے لیے کچھ بھی نہ کر سکتی تھی۔ خمارتگین اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا اور درخواست کر رہا تھا: "محترم خاتون! میرے لیے کچھ کریں کیوں کہ میں نے جو کچھ کیا آپ کی خاطر کیا۔"

شہزادے کی ماں خود کو بے بس محسوس کر رہی تھی: "تیرے لیے میں کیا کروں، میری سمجھ نہیں آ رہا۔"

کنیز عرض کر رہی تھی: "وزیر ابونصر اذنِ باریابی چاہتا ہے، اس سے کیا کہا جائے؟"

خمارتگین کی جان نکلی جا رہی تھی: "محترم خاتون! میرے لیے کچھ کیجیے۔"

شہزادے کی ماں نے کنیز سے کہا: "ابونصر کو کچھ دیر کے لیے روکے رکھو۔" اس کے بعد خمارتگین سے کہا: "اتنی دیر میں تو محل کے کسی دوسرے راستے سے فرار ہو جا۔"

خمارتگین نے عرض کیا: "میں کس طرح فرار ہو جاؤں، کیا محل کے باہر اس کے آدمی میرا انتظار نہیں کر رہے ہوں گے؟"

شہزادے کی ماں کو خمارتگین پر غصہ آ رہا تھا: "جب تو نے وزارتِ عظمیٰ کا خواب دیکھا تھا تو اس راہ میں حائل ہونے والی مشکلات اور دشواریوں کا مقابلہ کرنا بھی سیکھ لیا ہوتا، ان سے نمٹنے کا حوصلہ بھی پیدا کیا ہوتا۔"

خمارتگین نے جواب دیا: "مجھ میں اتنا حوصلہ ہے اور میں بڑی سے بڑی مشکل سے نبرد آزما ہو سکتا ہوں لیکن اس وقت میں محل میں کسی پنجرے کے اسیر پرندے کی طرح پھڑپھڑا رہا ہوں۔ آپ مجھ کو دو چار دن یہیں کہیں چھپا دیں، اس کے بعد میں آسانی سے فرار ہو سکوں گا۔"

شہزادے کی ماں نے جواب دیا۔ "میں اتنا بڑا جرم نہیں کر سکتی، شاید تو سلطان کے غیظ و غضب سے واقف نہیں۔"

خمار تگین نے ایک بار پھر خوشامد کی۔ "اللہ کا واسطہ آپ میرے لیے کچھ کریں؟"

شہزادے کی ماں نے کہا۔ "سلطان کے فرمان کے بارے میں جہاں تک میں جانتی ہوں اس میں پہلی شق گرفتاری کی ہے اور فیصلہ سلطان خود کرے گا۔ تو خود کو ابونصر کے حوالے کر دے بعد میں میں سلطان سے تیری سفارش کر کے معافی دلوا دوں گی۔"

خمار تگین کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا، شاید حالتِ اشتعال میں وہ کچھ کر گزرتا لیکن اس دوران شہزادے کی ماں پیچھے ہٹ چکی تھی اور چار حبشی غلام خمار تگین کے قریب پہنچ چکے تھے۔ خمار تگین نے ان مہیب شکل انسانوں کو دیکھا تو اپنے ہوش و حواس میں آ گیا۔

شہزادے کی ماں یہ کہہ کر محل میں غائب ہو گئی۔ "اس کو کسی دروازے سے محل کے باہر کر دیا جائے۔"

غلاموں نے اس کو پکڑ لیا اور محل کے کسی دروازے کی طرف لے چلے۔

خمار تگین نے ان کی خوشامد کی۔ "محل کے باہر میرے لیے ایک گھوڑے کا انتظام کر دیا جائے۔"

ایک غلام نے جواب دیا۔ "ایک گھوڑا بھی موجود ہے اور چند ہتھیار بھی، اب تو یہاں سے دفع ہو جا۔"

چاروں غلام خمار تگین کو محل کے ایک ایسے دروازے کی طرف لے گئے جو نسبتاً چھوٹا اور خفیہ تھا یہاں محل کے اندر ہی ایک گھوڑا زین اور اسلحے سے آراستہ ملا۔

خمار تگین نے محل کے اس حصے کی طرف حسرت سے دیکھا جہاں وہ شہزادے کی ماں سے شرفِ ہم کلامی حاصل کیا کرتا تھا۔ اس نے کہا۔ "محترم خاتون! تیرا شکریہ، تو نے اسی طرح مجھے چھوڑ دیا جس طرح تاریکی میں سایہ اپنا ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔"

وہ گھوڑے کو سرپٹ بھگاتا ہوا محل سے نکلا اور اس طرف روانہ ہو گیا جہاں اس کے سپاہی چھاؤنی کی شکل میں رہتے تھے۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو بڑے سبز باغ دکھا رکھے تھے کہ جب وہ سلطان کا وزیر بن جائے گا تو انھیں کس کس طرح نوازے گا۔

ابونصر کے دونوں شکاری بھائی گھوڑے کی ٹاپ سن کر اس کے تعاقب میں چل پڑے۔

خمار تگین نے اپنے سپاہیوں میں جا کر پکارا۔ "میرے ساتھیو! اپنے ہتھیاروں سمیت گھوڑوں پر آ جاؤ اور میرا ساتھ دو تاکہ میں وزیر بننے کے بعد تمھارے منصبوں میں اضافہ کر دوں۔"

اس کے ساتھی برق رفتاری سے ہتھیاروں کے ساتھ اپنے اپنے گھوڑے کی پشت پر سوار ہو گئے اور خمار تگین ان کو جبال کی طرف لے چلا۔

ابراہیم اینال کے دونوں بیٹے اسماعیل اور امجد شکاری کتوں کی طرح ان کے پیچھے لگ گئے۔

●

کچھ دیر بعد شہزادے کی ماں نے ابونصر کو اندر بلا لیا۔ ابونصر احتراماً دو زانو ہو گیا اور اس کی مزاج پرسی کی۔

شہزادے کی ماں شرمندہ ہو رہی تھی اور اسے ابونصر پر غصہ بھی آ رہا تھا۔

ابونصر نے سلطانی فرمان اس کے سامنے رکھ دیا۔ "اس فرمان کی وجہ سے میں اِدھر اُدھر رُلتا پھر رہا ہوں، خمار تگین کے گھر گیا تھا، وہاں سے معلوم ہوا کہ وہ محل گیا ہے اور اب محل میں آیا ہوں تو وہ یہاں کہیں نظر نہیں آ رہا۔"

شہزادے کی ماں نے پوچھا۔ "سلطان نے اپنے فرمان میں کیا لکھا ہے؟"

ابونصر نے جواب دیا۔ "یہی کہ خمار تگین کو گرفتار کر لیا جائے اور اس مقدمے کا فیصلہ خود سلطان کرے گا۔"

ماں نے پوچھا۔ "اور اگر خمار تگین ہاتھ نہ آئے تو؟"

ابونصر نے جواب دیا۔ "اور یہ کہ اگر وہ مزاحمت کرے یا راہِ فرار اختیار کرے تو تعاقب کر کے اس کو قتل کر دیا جائے۔"

ماں نے کہا۔ "وہ محل میں نہیں ہے اور میں نے اس کو محل سے نکال دیا ہے۔"

ابونصر مسکرانے لگا۔ "یہ تو آپ نے بہت اچھا کیا، آپ نے میرا کام آسان کر دیا۔"

ماں نے پوچھا۔ "وہ تو گیا اب تو کیا کرے گا؟"

ابونصر برابر مسکرائے جا رہا تھا۔ "میں کیا کروں گا، کچھ بھی نہیں جو کچھ کریں گے میرے دو شکاری کریں گے۔ دونوں اس کا پیچھا کر رہے ہوں گے اور وہ دونوں بہت جلد خمار تگین کو زندہ یا مردہ میرے پاس لے آئیں گے۔"

ماں نے پوچھا۔ "وہ دونوں کون؟ شاید وہی شکاری کتے جن کا تو پچھلی ملاقاتوں میں ذکر کر چکا ہے؟"

ابونصر نے جواب دیا۔ "ہاں وہی وہی، لیکن آپ ان کو شکاری کتے ہرگز نہ کہیں، وہ دونوں ابراہیم اینال کے بیٹے ہیں اور خمار تگین سے اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔"

شہزادے کی ماں مقابلہ ہار چکی تھی، اس نے خمار تگین کے

خلاف بولنا شروع کر دیا۔ میں نے اس کو منع کیا تھا کہ وہ تجھ سے نہ الجھے لیکن وہ نہیں مانا اور اب وہ معلوم نہیں کس حال میں ہوگا۔"

ابونصر نے جواب دیا: "آپ پریشان نہ ہوں، وہ جس حال میں بھی ہوگا آپ کے روبرو پیش کر دیا جائے گا۔"

شہزادے کی ماں کو خمار تگین پہ رحم آرہا تھا لیکن اس کا اظہار نہیں کر سکتی تھی پھر بھی در پردہ سفارش کر دی: "کوشش کر کہ خمار تگین کو گرفتار کر کے سلطان کے سامنے پیش کر دیا جائے بہر حال وہ بھی ایک لائق سپاہی ہے اور اس کی ہمیں کسی وقت بھی ضرورت پیش آسکتی ہے۔"

ابونصر نے درخواست کی: "براہ کرم آپ ارسلان خاتون کو مطلع فرما دیں کہ کل ہمیں بغداد روانہ ہو جانا ہے۔"

اب شہزادے کی ماں خود کو بالکل بے بس اور مجبور پا رہی تھی اور مرد کی حیثیت پوری طرح آشکارا ہو چکی تھی اب ابونصر اس کو ہدایات دے رہا تھا اور وہ ان کی تعمیل پر مجبور تھی۔

⊛

ارسلان خاتون ایک لاکھ نقد دینار اور ایک لاکھ کے جواہرات کے ساتھ تیار ہو چکی تھی۔ ابونصر نے اس خطرناک مہم میں کئی دوسرے امرا کو بھی اپنے ساتھ لے لیا۔ فرامرز بن کاکویہ اور سرخاب بن کامر و امرائے دیلم کے علاوہ دوسرے کئی امرا بھی اپنے ساتھ لے لیے گئے۔ ارسلان خاتون کو اس رشتے کی بات خلیفہ سے خود بھی کرنا تھی۔

خلیفہ کو کچھ پتا نہ تھا کہ یہ دینار اور جواہرات اس کی خدمت میں کیوں پیش کیے جا رہے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ خمار تگین کی سفارش کام کر گئی۔

اس نے ارسلان خاتون سے پوچھا: "یہ سب کیا ہے اور تو ان امرا کے ساتھ کون سا خوشی کا پیغام لے کر آئی ہے؟"

ارسلان خاتون نے عرض کیا: "آپ نے سیدہ کی شادی کے سلسلے میں جو شرائط عائد کی تھیں، سلطان نے انھیں مان لیا ہے اور ابونصر اور دوسرے امرا دن تاریخ طے کرنے آئے ہیں۔"

خلیفہ غصے میں کھڑا ہو گیا: "تو اپنے ہوش و حواس میں تو ہے؟"

ارسلان خاتون نے جواب دیا: "میں اپنے ہوش و حواس میں ہوں۔ آپ کے حاجب ابوتمیمی نے آپ کی طرف سے یہ رشتہ منظور کر لیا تھا۔"

خلیفہ نے پوچھا: "یہ احمقانہ بات کس نے کہہ دی تجھ سے؟"

ارسلان خاتون نے جواب دیا: "وزیر ابونصر نے۔ آپ ان سے بات کر سکتے ہیں۔"

خلیفہ نے اسی وقت ابونصر کو دربار میں طلب کر لیا اور اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے پوچھا: "ہم جاننا چاہتے ہیں کہ سلطان نے یہ سب ہمیں کیوں بھیجا ہے؟"

ابونصر مسکرانے لگا: "خلافت مآب! آپ ہم سب کا مذاق نہ اڑائیں۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ یہ دینار اور جواہرات کیوں آئے ہیں؟"

خلیفہ نے سنجیدگی سے جواب دیا: "واللہ ہم کچھ نہیں جانتے، تو ہی بتا کہ یہ سب کیا اور کیوں ہے؟"

ابونصر نے کہا: "ابوتمیمی نے سلطان طغرل کے رشتے کو تسلیم کر لیا ہے اور یہ دینار اور جواہرات اسی سلسلے میں پیش کیے گئے ہیں۔"

خلیفہ غصے میں ٹہلنے لگا۔ وہ مسلسل بڑبڑا رہا تھا: "نامعلوم خاندانوں کے لوگ خلافت مآب کی بیٹی کا رشتہ مانگ رہے ہیں۔ میں نے یہ رشتہ نہ تو پہلے قبول کیا تھا اور نہ اب قبول کروں گا۔"

ابونصر نے کہا: "اگر یہ بات تھی تو امیر المومنین کو شرط نہیں عائد کرنا تھی۔ جب آپ نے دس لاکھ دینار نقد اور واسط کی آمدنی کا مطالبہ مشروط ہی کر دیا ہے تو اب انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ میں سلطان کو اس کی اطلاع دے چکا ہوں۔"

خلیفہ نے کہا: "کیا اب میں اتنا ارذال ہو گیا ہوں کہ اپنی بیٹیوں کے رشتے ترکستان کے گمنام خاندان خاقین میں کر دیا کروں، یہ کس طرح ممکن ہے؟"

ابونصر نے عرض کیا: "امیر المومنین ایسی زبان نہ استعمال کریں کہ بعد میں پشیمانی اٹھانا پڑے۔"

خلیفہ نے ٹہلتے ٹہلتے اچانک ابونصر کی طرف مڑتے ہوئے دریافت کیا: "اے ابونصر! سچ بتا کہ تو آخر چاہتا کیا ہے؟ کیا میں ایک بار پھر بغداد چھوڑ کر کہیں چلا جاؤں؟"

ابونصر نے بھی بدمزاجی سے جواب دیا: "یہ آپ کمزور اور ضعیف بزرگوں کی طرح بار بار بھاگنے کی دھمکی کیوں دیتے ہیں؟ اس کا مجھ پر کیا اثر ہوگا؟ کچھ بھی نہیں۔"

خلیفہ کا غصہ اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ گیا: "ارے کوئی ہے جو اس گستاخ بدزبان کو یہاں سے نکال باہر کرے۔"

ابونصر کو بھی غصہ آگیا: "امیر المومنین! آپ میری بے عزتی کر رہے ہیں، میں اسے برداشت نہیں کر سکتا۔"

خلیفہ سخت مشتعل تھا: "میں خلیفۃ المسلمین ہوں، کیا تجھ کو اپنی جان عزیز نہیں، ادب سے بات کر۔"

ابونصر ذرا بھی نہ گھبرایا۔ "میں نے بھی زندگی کی طرف سے آنکھیں بند کر لی ہیں اور موت کو اپنے سامنے کر لیا ہے۔ موت یہاں بھی ہے اور موت سلطان کے پاس بھی۔ اب میں واپس جا رہا ہوں۔"

وزیر نے دونوں کو سمجھانے کی کوشش کی۔ "امیر المومنین ذرا تحمل فرمائیں۔" اور ابونصر سے کہا۔ "کچھ آپ بھی نرم پڑ جائیں۔ معاملات کو باتوں سے طے کریں۔"

لیکن ابونصر وہاں سے نکل آیا اور باہر آتے ہی خلافتِ عباسیہ کا سیاہ لباس اتار کر پھینک دیا۔ اس کی جگہ سفید لباس پہن لیا جو عباسی حکومت کی نظر میں بدترین جرم تھا۔ گناہ تھا بلکہ یہ صریح بغاوت کی علامت تھی۔

ابونصر نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔ "میرا خیمہ یہاں سے اکھاڑ کر نہروان میں نصب کیا جائے۔"

حکم کی فوراً تعمیل ہوئی اور بغداد کے قاضی القضاۃ اور وزیر خلافتِ عباسیہ کی نظروں کے سامنے ابونصر کا خیمہ بغداد سے اکھڑ کر نہروان چلا گیا۔

یہ خبریں پورے بغداد میں مشہور ہو گئیں اور بغداد کے لوگ سلطان طغرل کے عتاب سے خوفزدہ نظر آنے لگے۔

قاضی القضاۃ نے ابونصر کے اقدام کی خبر خلیفہ کو پہنچائی۔ مجد الوزرا ابوالفتح منصور بن احمد نے دبے لفظوں میں خلیفہ کو بتایا۔ "ابونصر کندری کو اپنی جان کی پروا نہیں اور یہ جو کچھ ہوا بہت برا ہوا۔"

خلیفہ اب بھی حالتِ غیظ و غضب میں تھا۔ "پھر کیا کیا جائے؟ کیا میں اس ستر بہتر سالہ بوڑھے ترک کو اپنی دامادی کا شرف بخش دوں؟"

قاضی القضاۃ نے عرض کیا۔ "امیر المومنین! آپ نے اس پر بھی غور کیا کہ اگر سلطان ناراض ہو گیا اور آپ بغداد چھوڑ کر کہیں اور چلے گئے۔ اس عالم میں بساسیری کی طرح سلطان بغداد اور خاندانِ خلافت مآب پر قابض ہو گیا تو کیا ہو گا؟"

ابوالفتح منصور بن احمد نے عرض کیا۔ "اور ایمانداری کی بات تو یہ ہے کہ سلطان اور ابونصر نے ابھی تک نہایت شرافت کا ثبوت دیا ہے۔"

خلیفہ اپنی پیشانی سہلانے لگا۔ "پھر میں کیا کروں؟ تم لوگ مجھے مشورہ دو کہ میں کیا کروں؟"

قاضی القضاۃ نے عرض کیا۔ "شاید امیر المومنین کو اندازہ نہیں کہ ابونصر خلافت مآب کا کتنا خیر خواہ ہے۔ آپ نے یہ مسئلہ اس پر ہی چھوڑ دیا ہوتا۔ وہ یقیناً کوئی بہتری کی صورت نکال لیتا۔"

> روس میں ایک شخص کو وزیرِ تعلیم کو احمق کہنے پر بیس برس قید کی سزا دی گئی۔ پانچ برس حکومت سے وابستہ ایک شخص کی توہین کرنے پر اور پندرہ برس سرکاری راز فاش کرنے پر۔

خلیفہ بار بار پیشانی سہلا رہا تھا۔ "پھر میں کیا کروں، کچھ تو بتاؤ! کوئی مشورہ تو دو!"

ابوالفتح منصور بن احمد نے جواب دیا۔ "وقت تیزی سے گزر رہا ہے کہیں یہ ہاتھ سے نہ نکل جائے۔"

خلیفہ نے ان دونوں کو حکم دیا۔ "تب پھر تم دونوں ابونصر کے پاس جاؤ اور اسے راضی کر کے ایک بار پھر میرے پاس لے آؤ۔"

ابوالفتح منصور بن احمد نے مشورہ دیا۔ "ہم دونوں، یعنی قاضی القضاۃ اور میں، ابونصر کی دعوت کرتے ہیں۔ اس دعوت میں امیر المومنین بھی شرکت فرمائیں گے پھر وہیں باتیں ہو جائیں گی۔ ویسے جو امیر المومنین کی رائے ہو۔"

خلیفہ نے کہا۔ "ٹھیک ہے جو تم دونوں کی رائے۔ میری عقل تو کام ہی نہیں کر رہی۔"

قاضی القضاۃ نے درخواست کی۔ "اس سے پہلے میں امیر المومنین سے درخواست کروں گا کہ وہ تقریبِ ضیافت میں اپنے جذبات پر قابو رکھیں۔"

خلیفہ نے جواب دیا۔ "میں کوشش کروں گا کہ کوئی ناخوشگوار بات نہ پیش آئے۔"

ادھر سے فارغ ہونے کے بعد یہ دونوں ابونصر کے پاس نہروان روانہ ہو گئے۔ نہروان جو بغداد اور واسط کے درمیان واقع ایک مشہور علاقہ تھا۔ یہاں چوتھے خلیفہ اور خوارج میں ایک مشہور جنگ ہوئی تھی۔

❁

ابونصر نے اس دوران، وہ ساری روداد جو پیش آئی تھی، سلطان کو لکھ کر ہمدان روانہ کر دی۔ اس نے سلطان کو صاف صاف لکھ دیا تھا کہ یہ متلون مزاج اور عارضۂ نسیان کا مریض خلیفہ بار بار بھول جاتا ہے کہ اس کا حاجب ابوتمیمی اس رشتے کو مشروط کر چکا ہے اور یہ بھی کہ اس وقت وہ جو تختِ خلافت پر جلوہ افروز ہے تو صرف سلطان کی وجہ سے اور وہ جو حکومت کر رہا ہے تو سلطان کے رحم و کرم پر۔

اس کے بعد اس نے اپنے عملے کو حکم دیا: "سامان یک جا کیا جائے ہم یہ واپس جائیں گے۔"

سامان باندھا جانے لگا اور یہ کام نہایت تندو مد سے کیا جانے لگا۔ خود ابونصر اپنے خیمے کے در پر کرسی بچھا کر بیٹھ گیا۔ اس کے سامنے سے ایک قافلہ گزر رہا تھا اور اونٹوں کے گلے میں پڑی ہوئی گھنٹیاں شور کر رہی تھیں۔ گدھوں پر بچے سوار تھے اور گھوڑوں پر ان کے بزرگ۔ اونٹوں پر سامان بھی لدا ہوا تھا اور کجاوے بھی کسے ہوئے تھے جن میں خواتین سوار تھیں۔

ابونصر انھیں دیکھ رہا تھا اور یہ جانتا تھا کہ یہ سارے نظارے یا تو اپنے ہو جانے والے ہیں اور یا پھر وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان سے محروم ہو جائے گا کیوں کہ اسے نہیں معلوم تھا کہ سلطان کا اگلا قدم کیا ہوگا اور خلیفہ سلطان کے مقابلے میں کس کا تعاون حاصل کرے گا۔

ابونصر دیر تک اسی طرح بیٹھا رہا ہیں ابراہیم اینال کے دونوں بیٹے بھی پہنچ گئے۔ ان کے سپرد جو کام کیا گیا تھا، اسے دونوں نے بہت عمدگی سے انجام دیا تھا۔ دونوں خمارتگین کا سر لے کر حاضر ہوئے تھے۔

ابونصر دونوں کو خیمے کے اندر لے گیا اور خمارتگین کے سر کو میز پر رکھے ہوئے طشت میں رکھ دیا اور دونوں سے کہا: "خوش بختی ہمارے ساتھ ہے خلیفہ بھی ہمارے سامنے جھک جائے گا۔"

اسماعیل نے خمارتگین کے سر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "ہم تو اسے دنیا کے آخری سرے تک بھی نہ چھوڑتے۔"

ابونصر نے خمارتگین کا کان مروڑ دیا۔ "وزارت عظمیٰ کا خواب دیکھ رہا تھا۔" پھر سر پر ایک چپت رسید کی۔ "اس سر میں سمایا تھا سودا وزارت عظمیٰ کا۔"

چھوٹے بھائی امجد نے پوچھا: "ہم دونوں کے لیے کوئی اور حکم؟"

ابونصر نے جواب دیا: "تم دونوں فی الحال میرے ساتھ رہو کسی مناسب موقعے پر کوئی اچھا سا منصب بھی دلوا دوں گا۔"

دونوں بھائی خلیفہ سے بدمزگی پیدا ہو جانے کا ذکر افواہ کے طور پر سن چکے تھے، پوچھا: "کیا امیرالمومنین سے ان بن ہو گئی ہے؟"

ابونصر نے جواب دیا: "امیرالمومنین اور میرے مرتبے میں زمین آسمان کا فرق ہے میری ان سے کیا ان بن ہوگی۔"

اسماعیل نے کہا: "اگر ایسی کوئی بات ہے تو ہم دونوں جاں نثاری کے لیے حاضر ہیں۔"

ابونصر نے ان دونوں کے لیے ایک خیمہ الگ نصب کرا دیا۔

سہ پہر کو ہوا کے تند و تیز جھونکوں میں قاضی القضاۃ اور ابوالفتح منصور بن احمد نے چند دوسرے امرا کے ساتھ ابونصر کی خدمت میں حاضری دی اور اس کو جتایا: "شعار عباسی کو اتار کر سفید لباس زیب تن کر لینے کا مطلب جانتے ہو؟"

ابونصر نے جواب دیا: "خوب جانتا ہوں۔ میں زندگی سے بیزار ہوں۔ مجھ کو چاہیں تو امیرالمومنین ہلاک کر دیں ورنہ سلطان تو سزا دے گا ہی مجھے۔"

قاضی القضاۃ نے پوچھا: "سلطان کیوں سزا دے گا؟"

ابونصر نے جواب دیا: "کیوں کہ میں سلطان کو لکھ چکا تھا کہ سیدہ کا رشتہ طے پا چکا ہے۔ ابوتمیمی نے اس بات کو مشروط کر دیا ہے اور سلطان نے شرائط مان لی ہیں۔"

ابوالفتح منصور بن احمد نے کہا: "اچھا اب تم خوش ہو جاؤ۔ تم لوگ خلافت عباسیہ اور خلافت عباسیہ کے مخلص ہو اس لیے ہم سب یہی چاہتے ہیں کہ بات بگڑے نہیں، بن جائے۔ ہم تمھیں بغداد واپس لے جائیں گے اور کوشش کریں گے کہ بات بن جائے۔"

ابونصر نے جواب دیا: "میں نے سلطان کو صاف صاف لکھ دیا ہے کہ سلطان کو مایوس کر دیا گیا ہے اور امیرالمومنین اپنے قول سے منحرف ہو گئے ہیں۔ جب تک سلطان کا جواب نہ آ جائے میں بغداد نہیں جاؤں گا۔"

مجدالوزرا ابوالفتح نے کہا: "ہم تمھیں ایک ضیافت میں مدعو کرنے آئے ہیں۔ یہ ہماری طرف سے ہے۔ تمھارے چلے آنے کے بعد ہم نے امیرالمومنین کو قائل کرنے کی کوشش کی اور اس میں بڑی حد تک کامیاب بھی ہو گئے ہیں۔ اس لیے ہماری اس ضیافت میں مذکورہ معاملہ بھی اللہ نے چاہا تو طے پا جائے گا۔"

ابونصر اکڑا ہوا تھا: "میں کس طرح یقین کر لوں کہ تمھاری اس ضیافت میں واقعی بات بن جائے گی؟"

قاضی القضاۃ نے ابوالفتح کو معنی خیز نظروں سے دیکھا: "وہ بات بتا دیں؟"

ابوالفتح نے کہا: "امیرالمومنین اس مسئلے کو تم پر چھوڑ رہے ہیں، جیسا تم چاہو گے ویسا ہی ہوگا۔"

ابونصر نے نفی میں سر ہلایا: "اب میں ان باتوں میں نہیں آؤں گا۔ امیرالمومنین کی طرف سے یہی بات ابوتمیمی بھی

کہہ چکا ہے اور بعد میں امیر المومنین اس سے منکر ہو گئے۔"

ابوالفتح نے خلیفہ کا مکتوب ابونصر کے سامنے رکھ دیا "یہ رہی تحریری اجازت، تحریری قول جو امیر المومنین نے آپ کو دیا ہے۔"

ابونصر نے خلیفہ کی تحریر کو نہایت غور سے پڑھا۔

"ابونصر میرے خیر خواہ اور جاں نثار کو معلوم ہونا چاہیے کہ تیری ناراضی یا خفگی ہمیں گوارا نہیں ہے۔ تو نے ناراض ہونے اور بغداد سے چلے جانے میں عجلت سے کام لیا ورنہ شاید بات بن جاتی۔ اب تو ابوالفتح کی تقریب ضیافت میں ضرور شرکت کرے گا کیوں کہ اس میں میری شرکت بھی یقینی ہے اس میں اس موضوع پر باتیں ہو جائیں گی اور چند باتوں کی وضاحت اور قول و قرار کے بعد سلطان کی درخواست قبول کر لی جائے گی۔"

اس تحریر نے ابونصر کو نرم کر دیا اور اس نے ضیافت میں شرکت کا وعدہ کر لیا۔

قاضی القضاۃ نے کہا "شرکت کا وعدہ کیسا، ہم تو تمھیں اپنے ساتھ لے جائیں گے۔"

ابونصر ذرا سے قیل و قال کے بعد ساتھ جانے پر آمادہ ہو گیا۔

ان کی باتیں دونوں بھائی بھی سن رہے تھے، انھیں خطرہ تھا کہ کہیں اس طرح ابونصر کو دھوکا تو نہیں دیا جا رہا۔ دونوں اجازت کے بغیر خیمے میں داخل ہو گئے۔

ابوالفتح اور قاضی القضاۃ نے ان دونوں کو شک و شبے کی نظروں سے دیکھا اور سوالیہ نظروں سے ابونصر کو دیکھنے لگے۔

ابونصر نے ان دونوں کا تعارف کرایا "یہ دونوں سلطان کے بھتیجے اور ابراہیم اینال کے بیٹے ہیں اور میرے جاں نثار۔"

ابوالفتح نے پوچھا "وہی ابراہیم اینال جس نے سلطان کے خلاف بغاوت کر دی تھی اور سلطان نے اسے قتل کر دیا؟"

ابونصر نے جواب دیا "ابراہیم اینال نے سلطان کے خلاف نہیں، بساسیری کی حمایت میں امیر المومنین کے خلاف بغاوت کی تھی اور اس کو امیر المومنین کے حق میں قتل کر دیا گیا۔"

اب اسماعیل بھی چپ نہ رہا، اس نے ابونصر کو اشارہ دیا "آپ امیر المومنین کے پاس جا رہے ہیں لیکن کیا آپ کو یہ یقین ہے کہ وہاں آپ سے دھوکا نہیں کیا جائے گا؟"

ابونصر نے جواب دیا "میں پہلے ہی واضح کر چکا ہوں کہ میں زندگی کی پروا نہیں کرتا۔"

قاضی القضاۃ نے اسماعیل کو کینہ توز نظروں سے دیکھا "صاحبزادے! امیر المومنین کی ذات سے سوئے ظن اچھی بات نہیں ہوتی۔"

لیکن ابونصر نے اسماعیل کا ساتھ دیا، جواب دیا "یہ مسئلہ سوئے ظن کا نہیں حق گوئی کا ہے۔ خلافت مآب کے آس پاس جو مشیر اور مصاحب ہیں ان کی غیر فتنے دارانہ آرا اور مشورے بہتوں کی جان لے چکے ہیں۔" اس کے بعد خمار تگین کا طشت میں رکھا ہوا سر ابوالفتح اور قاضی القضاۃ کے سامنے رکھ دیا "یہ اس کی ایک مثال تمھارے سامنے ہے۔"

قاضی القضاۃ نے گھبرا کر پوچھا "یہ کیا ہے؟"

ابونصر نے جواب دیا "سلطان کے لائق سردار اور مصاحب خمار تگین کا سر۔"

ابوالفتح نے پوچھا "اس کو کیوں قتل کر دیا گیا؟"

ابونصر نے جواب دیا "کسی احمق نے خلافت مآب کو یہ مشورہ دیا تھا کہ اگر سیدہ کے سلسلے میں خمار تگین کا تعاون حاصل کیا جائے تو شاید خلیفہ کی بات بن جائے۔ اس بیوقوف نے اس مسئلے کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور سلطان نے اس بے جا مداخلت کی یہ سزا دی۔"

ابوالفتح نے افسوس کیا "یہ تو اس کے ساتھ زیادتی ہو گئی۔"

اسماعیل نے تلخ لہجے میں کہا "اسے غلطی یا زیادتی نہ کہیں یہ سلطان کے جائز اقدام پر اعتراض ہے۔"

قاضی القضاۃ کو اندیشہ تھا کہ کہیں یہ باتیں بڑھ کر کسی ناخوشگوار نتیجے پر نہ ختم ہو جائیں۔ اس نے کہا "بس جناب! فضول باتیں ختم، اب چلنے کی تیاری کریں۔"

دونوں بھائیوں نے ساتھ چلنے کی اجازت چاہی "ہم دونوں آپ کے ساتھ چل سکتے ہیں؟"

ابونصر نے اجازت دے دی "بالکل، میں تمھیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔"

لیکن ابونصر اس دن نہیں گیا۔ دوسرے دن صبح وہ دونوں بھائیوں اور دو علمی امرا کے ساتھ ابوالفتح کی ضیافت میں شریک ہوا۔

*

اس شاندار ضیافت میں خلیفہ بھی موجود تھا اور ابونصر نے ایک نظر میں اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ ضیافت ابوالفتح کی طرف سے نہیں، خلیفہ کی طرف سے ہے گو کہ نام ابوالفتح

کا استعمال کیا گیا ہے۔

خلیفہ ابو نصر کے پاس بیٹھ گیا۔ دونوں ایک ساتھ کھانا کھاتے رہے۔ خلیفہ کسی کسی لمحے عجیب سی نظروں سے ابو نصر کو دیکھنے لگتا۔

ان دونوں کے سامنے ابوالفتح، قاضی القضاۃ، اور دونوں دیلمی امرا کھانے میں مصروف تھے۔ ان کے سامنے اسماعیل اور امجد تھے۔ یہ بھی کسی سے مرعوب ہوئے بغیر کھانے میں مشغول تھے۔

خلیفہ نے آہستہ سے کہا: "اے ابو نصر! تو نے شعارِ عباسی اُتار کر جو جرم کیا تھا اگر ہم چاہیں تو..."

ابو نصر نے جواب دیا: "میں بھی چاہتا تھا کہ آپ مجھے قتل کرا دیں، مگر وائے ناکامی کہ یہ خواہش بھی پوری نہ ہوئی!"

خلیفہ نے کہا: "تو ایک ذہین ترین وزیر ہے۔ ہم تجھ کو قتل کرا کے ایک لائق انسان سے محروم ہو جاتے۔"

ابو نصر نے خلیفہ کا شکریہ ادا کیا۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد خلیفہ ابو نصر کو تخلیے میں لے گیا۔ ابوالفتح اور قاضی القضاۃ بھی خلیفہ کے ساتھ اندر چلے گئے۔

دونوں دیلمی امرا اور دونوں بھائیوں کو باہر ہی رکھا گیا اور ان سے کہا گیا کہ ابو نصر کا انتظار کریں۔

دونوں بھائیوں نے ایک دوسرے کو شک و شبے کی نظروں سے دیکھا۔ اسماعیل نے پوچھا: "کیا خیال ہے، کچھ گڑبڑ ہو سکتی ہے؟"

امجد نے مایوسی سے جواب دیا: "اگر کچھ گڑبڑ ہو گی تو ہم دونوں مجبور اور بے بس ہیں۔ ہمارے ہتھیار ہم سے پہلے ہی لے لیے گئے۔"

دونوں دیلمی امرا انھیں اس قسم کی باتیں کرنے سے منع کر رہے تھے۔

اندر خلیفہ ابو نصر سے بڑی نازک باتیں کر رہا تھا۔ وہ ابو نصر سے پوچھ رہا تھا: "میں بار بار غور کرتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ سلطان اس شادی پر کیوں بضد ہے؟ وہ بوڑھا ہے۔ شادی سے کیا حظ اٹھائے گا وہ؟"

ابو نصر نے جواب دیا: "جہاں تک میں سمجھتا ہوں، سلطان اس شادی سے کسی قسم کا تلذذ نہیں حاصل کرنا چاہتا۔ چوں کہ امیر المومنین کا نسب آخر میں جا کر رسولِ مقبول ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ سے جا کر مل جاتا ہے اس لیے سلطان یہ برکت اور فضیلت حاصل کرنے کے خیال سے یہ شادی کرنا چاہتا ہے۔"

خلیفہ نے پوچھا: "کیا سلطان نے اس شادی کے سلسلے میں تجھ کو ہر قسم کا اختیار دے رکھا ہے؟"

ابو نصر نے پوچھا: "امیر المومنین! میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

خلیفہ نے کہا: "میں یہ رشتہ چند شرائط کے ساتھ قبول کر سکتا ہوں۔"

ابو نصر نے کہا: "آپ وہ شرائط بتائیں تو سہی۔"

خلیفہ نے جواب دیا: "میں ان کو تیرے سامنے کیوں بیان کروں؟ اگر مجھ کو یہ یقین ہو کہ تجھ کو سلطان نے ہر قسم کا اختیار دے دیا ہے تو میں کچھ کہوں بھی۔"

ابو نصر نے عرض کیا: "آپ مجھ سے ہر بات کر سکتے ہیں۔ ہر قسم کی بات اور مجھ کو یہ یقین ہے کہ جو ہم دونوں کے درمیان طے پا جائے گا سلطان اس کا پابند ہو جائے گا۔"

خلیفہ کو اس کی باتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ متامل لہجے میں پوچھا: "کیا سچ؟"

ابو نصر نے جواب دیا: "میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں؟"

اب قاضی القضاۃ نے اپنی زبان کھولی: "ابو نصر! جیسا کہ تم کہہ رہے ہو کہ سلطان یہ شادی تلذذ کے لیے نہیں برکت کی خاطر کر رہا ہے تو کیا تم ہمیں یہ یقین دلا سکتے ہو کہ سلطان صرف شادی پر اکتفا کرے گا اور دونوں میں زن و شو کا تعلق کبھی بھی قائم نہ ہو گا؟"

ابو نصر اپنی باتوں کا خود شکار ہو چکا تھا۔ فوری طور پر وہ اس سوال کا کوئی جواب نہ دے سکا۔

ابوالفتح نے پوچھا: "تم چپ کیوں ہو گئے ابو نصر؟"

ابو نصر نے کہا: "لیکن شادی کے بعد دونوں میں زن و شو کا تعلق نہ قائم ہو، کیا یہ عجیب اَن ہونی سی بات نہیں ہے؟"

خلیفہ نے کہا: "جب تو یہ کہہ رہا ہے کہ شادی محض برکت اور فضیلت حاصل کرنے کی غرض سے کی جا رہی ہے تو نکاح کے بعد یہ سلطان کو حاصل ہو جائے گی۔ سلطان کو بس اس پر اکتفا کرنا چاہیے۔"

ابو نصر نے جواب دیا: "چلیے سلطان کی طرف سے میں اسے تسلیم کرتا ہوں۔"

خلیفہ نے کہا: "اور دوسری بات یہ کہ میری بیٹی سیدہ اپنے چہرے پر نقاب ڈالے رہے گی وہ سلطان کو اپنی شکل بھی نہیں دکھائے گی۔ کیوں کہ شکل دکھانے سے پہلی

شرط کے فسخ ہونے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔"

ابو نصر بازی ہارتا جا رہا تھا: "چلیے، یہ بھی منظور اور کچھ؟"

خلیفہ نے کہا: "اور یہ کہ جب تم ہماری نجابت اور فضیلت کا قائل ہے تو تجھ کو یہ وعدہ بھی کرنا ہوگا کہ سلطان اس کی ویسی ہی تکریم کرے گا جیسی میری کرتا رہا ہے۔"

ابو نصر نے جواب دیا: "چلیے، یہ بھی منظور۔"

ابوالفتح کو شبہ تھا کہ شاید سلطان یہ شرائط نہیں مانے گا۔ اس نے کہا: "بہتر یہ ہوگا کہ اس سلسلے میں سلطان کا عندیہ بھی معلوم کر لیا جائے۔"

ابو نصر نے جواب دیا: "میں چاہتا ہوں، یہ مسئلہ ابھی اسی وقت طے ہو جائے اسے مزید طول نہ دیا جائے۔"

خلیفہ نے کہا: "اور یہ کہ یہ ساری باتیں ایک معاہدے کی شکل میں ضبطِ تحریر میں لائی جائیں تاکہ بعد میں کوئی فریق ان سے منحرف نہ ہو سکے۔"

ابو نصر نے جواب دیا: "میں اس کے لیے تیار ہوں۔"

خلیفہ نے قاضی القضاۃ کو حکم دیا: "یہ ساری باتیں جو تو نے سنی ہیں، ان کو ایک معاہدے کی شکل دے دے۔"

قاضی القضاۃ اور ابوالفتح کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ جو عجیب و غریب معاہدہ خلیفہ اور ابو نصر میں ہونے والا ہے سلطان اس کو قبول بھی کرے گا یا نہیں، اس کی کوئی حیثیت ہوگی بھی یا نہیں؟

خلیفہ نے سختی سے کہا: "یہ تو کیا سوچنے لگا۔ معاہدہ تیار کر۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی بات ذہن سے نکل جائے۔"

ابوالفتح نے عرض کیا: "معاہدہ تو ابھی تیار ہو جائے گا۔ لیکن وہی بات کہ سلطان بھی اسے تسلیم کرے گا یا نہیں؟"

خلیفہ نے جواب دیا: "سلطان نے ابو نصر کو اتنے اختیارات دے رکھے ہیں۔ وہ اس معاہدے کی پابندی کرے گا۔"

قاضی القضاۃ معاہدہ تیار کرنے لگا۔

خلیفہ اپنے نسب نامے کی فضیلت اور بڑائی کا ذکر کرنے لگا: "ابو نصر! تو ہمارے خاندان کی بزرگی اور فضیلت کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔ ہم بنی عباس کا خاندان شریف ترین خاندان ہے، ہم میں قیامت تک کے لیے امامت اور زعامت مقدر کر دی گئی ہے۔ جو ہمارا دامن تھامے گا، راہِ راست پر رہے گا۔ جو ہم سے الگ ہوگا، وہ بھٹک جائے گا۔"

ابو نصر نے جواب میں عرض کیا: "امیر المومنین کو مجھ سے زیادہ معلوم ہے کہ رسولِ مقبول ﷺ نے اپنے آخری خطبہ حجۃ الوداع میں حسب نسب کی بڑائی کو یہ کہہ کر ختم کر دیا تھا کہ ہم سب آدمؑ کی اولاد ہیں اور سب آدمؑ مٹی سے پیدا کیے گئے تھے اور یہ کہ اگر کوئی بڑا ہے تو اپنے زہد و تقوے اور پرہیزگاری سے۔ عجمی کو عربی پر اور عربی کو عجمی پر، کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر کوئی فوقیت حاصل نہیں۔ اور یہ فضیلت اور بزرگی جس کا آپ نے ذکر کیا، میری نظر میں کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی۔ اس طرح اگر آپ اجازت دیں تو میں بھی اپنے آقا اور مربی سلطان طغرل ارسلان کے خاندان کی بڑائی اور فضیلت کو بیان کر دوں۔"

خلیفہ کو اندازہ ہو چکا تھا کہ اب ابو نصر کندری ان بیلے احسانات کا ذکر شروع کر دے گا جو وہ خلافت اور خلافت کب پر کر چکا ہے۔ اس لیے خلیفہ نے موضوع ہی بدل دیا: "تو میں اب بھی کچھ زیادہ مطمئن نہیں۔ یہ معاہدہ جو قاضی القضاۃ تیار کر رہا ہے اس پر میرے دستخط ہوں گے اور میں یقین نہیں کرتا کہ سلطان بھی اس معاہدے کی پابندی کرے گا۔"

اب ابو نصر کو یقین ہو گیا تھا کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے خلیفہ اس میں سنجیدہ نہیں ہے اور معاملے کو خواہ مخواہ طول دے رہا ہے۔

ابو نصر نے درخواست کی: "امیر المومنین، معاہدہ تیار کرا دیں تاکہ میں فرصت پاؤں اور سلطان کو بغداد بلوا لوں۔"

خلیفہ کی متلون مزاجی میں ایک اور تبدیلی آ گئی۔ جواب دیا: "یہ معاہدہ ایسا نہیں ہے کہ تو نے کہہ دیا اور ہم نے لکھوا دیا۔ اس میں کچھ وقت لگے گا۔"

ابو نصر نے عرض کیا: "لیکن قاضی القضاۃ تو معاہدہ تیار کر رہا ہے۔"

خلیفہ کے لہجے میں گرمی پیدا ہو گئی: "لیکن میں جو کہہ رہا ہوں کہ یہ جلدی میں نہیں تیار کیا جا سکتا۔" پھر قاضی القضاۃ کو حکم دیا: "اس کو گھر لے جا۔ کوئی جلدی نہیں۔ اطمینان سے تیار کر کے لے آنا۔"

قاضی القضاۃ نے عرض کیا: "امیر المومنین! یہ ابھی تیار ہوا جاتا ہے۔"

خلیفہ نے ابوالفتح کی طرف دیکھا: "ابوالفتح! تو ہی سمجھا اس کو۔ میں کہتا ہوں اس میں جلدی کو کام میں نہ لا۔ گھر سے تیار کر کے لے آنا۔ لیکن یہ مُصر ہے کہ یہیں تیار کرے گا۔ تو اس کو سمجھا کہ اس ضد اور خودسری سے اس کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔"

ابو نصر غصے میں کھڑا ہو گیا: "بہت مذاق ہو چکا۔ اب میں یہ سب نہیں برداشت کر سکتا۔ میں جا رہا ہوں۔"

ابو نصر پاؤں پٹکتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

ابوالفتح نے آگے بڑھ کے اس کو روکنا چاہا لیکن خلیفہ

نے اسے روک دیا: "اسے مت روکو جانے دو۔"

قاضی القضاۃ نے عرض کیا: "بات ایک بار پھر بگڑ گئی۔ اب کیا ہو گا؟"

خلیفہ نے جواب دیا: "بات نہیں بگڑی۔ وقت کا انتظار کرو۔"

ماحول پر گہرا سناٹا چھا گیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وقت ٹھہر گیا ہو۔

قاضی القضاۃ نے خلیفہ کو جاتے ہوئے دیکھا تو دریافت کیا: "یہ معاہدہ تیار کیا جائے یا نہیں؟"

خلیفہ نے جواب دیا: "ابھی روک دیا جائے۔"

خلیفہ اپنے محل میں غائب ہو گیا۔ ابوالفتح اور قاضی القضاۃ دیلمی امرا اور اسماعیل اور امجد سے باتیں کرنے لگے۔

دیلمی امیر فرامرز بن کاکویہ نے ابوالفتح سے پوچھا: "یہ جو کچھ ہوا کیا اس کے نتائج اچھے نکلیں گے؟"

ابوالفتح نے جواب دیا: "میں کچھ کہہ نہیں سکتا لیکن اس کا انجام بہت برا ہو گا۔"

دوسرے دیلمی امیر نے کہا: "جب ساری باتیں طے پا گئی تھیں تو پھر یہ بدمزگی کیوں ہوئی؟"

ابوالفتح نے کہا: "بات کچھ زیادہ ہی بگڑ گئی۔ اب مجھے ڈر ہے کہ امیر المومنین کوئی اور غلطی نہ کر بیٹھیں۔"

قاضی القضاۃ مطلب سمجھ گیا: "ہاں اگر یہ دوسری غلطی بھی امیر المومنین سے سرزد ہو گئی تو پھر خلافتِ عباسیہ کا وجود خطرے میں پڑ جائے گا۔"

دیلمی امیر فرامرز بن کاکویہ کو ابونصر کی جان خطرے میں نظر آ رہی تھی۔ اس نے ابوالفتح کو مشورہ دیا: "آپ امیر المومنین کو اس دوسری غلطی سے روکے رکھیں کیوں کہ اگر ابونصر کو کوئی نقصان پہنچ گیا تو قصرِ خلافتِ عباسیہ ڈھے جائے گا۔"

اسماعیل اور امجد کے کان کھڑے ہو گئے۔ اسماعیل نے پوچھا: "کیا ابونصر کی جان خطرے میں ہے؟"

قاضی القضاۃ نے اطمینان دلایا: "نہیں، شاید ایسا نہ ہو لیکن امیر المومنین کی تلون مزاجی سے ڈر لگتا ہے۔"

دونوں بھائی تیزی سے باہر نکلے اور نہروان روانہ ہو گئے۔

ابونصر اپنے خیمے میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ جب یہ دونوں بھائی اندر داخل ہوئے تو ابونصر زخمی شیر کی طرح گویا اپنا زخم چاٹ رہا تھا۔

اسماعیل نے جو کچھ سنا تھا ابونصر کے سامنے بیان کر دیا۔

"آپ اس جگہ کو چھوڑ دیں کیوں کہ ابوالفتح اور قاضی القضاۃ کے خیال میں امیر المومنین آپ کو قتل بھی کرا سکتے ہیں۔"

ابونصر نے خلیفہ کی شان میں گستاخیاں کرنا شروع کر دیں: "وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ وہ بزدل اور مصلحت اندیش شخص ہے۔"

امجد نے کہا: "پھر بھی احتیاط تو آپ کو کرنا ہی چاہیے۔"

ابونصر نے کہا: "شاید تم دونوں کو سلطان کے پاس ہمدان جانا پڑ جائے۔"

لیکن اس کی ضرورت نہیں پیش آئی۔ باہر چند گھڑسوار گھوڑے دوڑاتے ہوئے ابونصر کے خیمے تک آ گئے۔ دونوں بھائی اپنی تلواریں لے کر خیمے کے دروازے کے اندر چھپ کر کھڑے ہو گئے۔ ان دونوں کو شبہ تھا کہ یہ سوار امیر المومنین کے بھیجے ہوئے ہیں اور یہ کہ یہ گھڑسوار ابونصر کو قتل کرنے آئے ہیں۔

لیکن ابونصر کو یہ یقین نہیں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ آدمی تو خلیفہ ہی کے ہوں گے مگر قتل کرنے نہیں عفو و آشتی کا پیغام لے کر آئے ہوں گے۔

ابونصر نے دونوں کو سمجھایا: "دیکھو عجلت میں کوئی الٹا سیدھا قدم نہ اٹھا بیٹھنا۔ ہو سکتا ہے یہ آنے والے ہمارے دوست ہوں۔"

اب قدموں کی آہٹ تیز ہوتی جا رہی تھی۔

ابونصر نے آہستہ سے کہا: "ان کو نقصان نہ پہنچانا۔ سمجھ گئے نا؟"

دونوں میں سے کسی نے بھی کوئی جواب نہ دیا لیکن جیسے ہی آنے والے اندر داخل ہوئے، اسماعیل اور امجد نے ان کو دبوچ لیا۔

ابونصر نے آنے والوں کی شکلیں دیکھیں تو اسے ہنسی آ گئی۔ اس نے کہا: "ارے، یہ دونوں تو اپنے ہی آدمی ہیں۔"

ابھی یہ فقرہ پورا ہی ہوا تھا کہ ان دونوں کے بعد دو آدمی اور اندر داخل ہوئے... یہ جانے پہچانے نہیں تھے۔

ابونصر کے دونوں آدمی اپنے دبوچے جانے پر حیران تھے اور ابونصر سے پوچھ رہے تھے: "جناب! یہ معاملہ کیا ہے؟ ہمیں کس جرم میں دبوچ لیا آخر؟"

ابونصر نے جواب دیا: "ایک غلط فہمی کی بنا پر۔" پھر دونوں اجنبیوں کے بارے میں پوچھا: "اور یہ دونوں کون ہیں؟"

جواب دیا گیا "یہ دو قاصد سلطان کے قاصد ہیں کوئی خاص پیغام لے کر آئے ہیں۔"

ابونصر نے ان دونوں کو خوش دلی سے اپنے سامنے بٹھا لیا اور ان سے سلطان کی خیریت دریافت کی۔

دونوں بہت تھکے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ ان کے پاؤں گرد آلود تھے اور کپڑے بھی دھول سے اٹے ہوئے تھے۔

ان میں سے ایک نے جواب دیا "یوں تو سلطان بالکل ٹھیک ہے لیکن وہ امیر المومنین سے بہت ناراض ہے۔ اس نے ہمیں دو خط دیے ہیں۔ ان میں ایک خط آپ کا ہے اور دوسرا ابوالفتح کے نام۔"

ابونصر نے کہا "میرا خط مجھے دے دو اور ابوالفتح کا خط اس کو پہنچا دو۔"

ایک قاصد نے کہا "ابوالفتح کے نام کا خط بھی آپ ملاحظہ فرمالیں کیونکہ سلطان کا خیال تھا کہ اگر اس میں کسی بات کا اضافہ کرنا ہو تو کر دیا جائے۔"

ابونصر نے پہلے اپنا خط پڑھا:

"یہ خلیفہ نے جو روش اختیار کر رکھی ہے وہ اس کو تباہی اور بربادی کی طرف لے جا رہی ہے۔ تم خلیفہ کو جو اب تک دیتے رہے ہو اس میں کمی کر دو اور وہی دو جو اس سے پہلے خلفاء کو دیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ خلیفہ کو جو زمینی اقطاع دیے گئے ہیں انھیں بھی اس سے لے لیا جائے۔"

یہ انتہائی سخت اقدام تھے جو کسی محکوم نے اپنے حاکم کے نام جاری کیے تھے۔

اب اس کے سامنے سلطان کا وہ خط تھا جو ابوالفتح کے نام لکھا گیا تھا۔

"ابوالفتح منصور کو معلوم ہو کہ بغداد میں جو کچھ ہو رہا ہے میں اس سے اچھی طرح واقف ہوں۔ میں نے خلیفہ کے لیے جو خدمات انجام دی ہیں وہ زمانے پر عیاں ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا یہی میری خدمات کا صلہ ہے؟ میں نے خلیفہ کی خاطر اپنے بھائی ابراہیم اینال کو قتل کر دیا اور خلیفہ کے لیے اپنا اتنا مال خرچ کر دیا کہ آج میرا ہاتھ خالی ہو گیا۔ میں نے خلیفہ کے لیے اپنے جاں نثاروں کا خون بہایا اور ان سب خدمات کا خلیفہ کی طرف سے مجھے یہ انعام یہ صلہ ملا کہ میری درخواست کو حقارت سے ٹھکرا دیا گیا ہے!

اس خط کے پاتے ہی ارسلان خاتون کو رخصت کر دیا جائے کیونکہ اب میں جس رشتے کا اعلان کرنے والا ہوں اس میں خلیفہ اور میں دور دور ہو جائیں گے۔"

ابونصر نے یہ خط بغداد روانہ کر دیا۔ ابوالفتح اور قاضی القضاۃ نے یہ خط پڑھا اور خلیفہ کو بھی پڑھ کر سنا دیا۔

خلیفہ کو معاملے کی سنگینی کا کسی قدر احساس ہوا۔ پوچھا "کیا ارسلان خاتون کو سے واپس بھیج دیا جائے؟"

ابوالفتح کو حیرت اور تشویش تھی کہ خلیفہ ان خطرات کو محسوس کیوں نہیں کر رہا جو اس کے سر پر منڈلا رہے ہیں۔

قاضی القضاۃ نے عرض کیا "امیر المومنین کو غالباً اس خط کا علم نہیں جو سلطان نے ہدایت نامے کے طور پر ابونصر کے نام لکھا ہے۔"

خلیفہ نے کہا "اچھا! سلطان کا کوئی اور خط بھی آیا ہوا ہے؟"

قاضی القضاۃ نے عرض کیا "جی مولانا امیر المومنین۔"

خلیفہ نے پوچھا "اس میں کیا لکھا ہے سلطان نے؟"

قاضی القضاۃ نے جواب دیا "سچا دوست وہ ہے جو سچ کہہ کر دوست کو رُلا دے۔"

خلیفہ نے پوچھا "تو کہنا کیا چاہتا ہے؟"

قاضی القضاۃ نے ابوالفتح کی طرف دیکھا۔ ابوالفتح نے تائید میں سر ہلا دیا۔

قاضی القضاۃ نے کہا "جو سچ یا واقعہ ہے میں اسے چھپا نہیں سکتا۔ امیر المومنین کو جو کچھ مل رہا تھا اس میں کمی کر دی گئی ہے اور اب جو کچھ ملے گا اس کو برائے نام ہی کہا جائے گا۔ اس کے علاوہ امیر المومنین کے نام جو اقطاع تھے ان کی ضبطی کا فرمان بھی جاری کر دیا گیا ہے۔"

خلیفہ کی ہمت جواب دے گئی۔ اس نے کمزور آواز میں پوچھا "اور... اور؟"

قاضی القضاۃ نے جواب دیا "اور یہ کہ معلوم ہوا ہے سلطان اپنی شمالی اور مغربی سرحدوں کے انتظامات میں مشغول ہو گیا ہے۔ وہ تبریز گیا ہے۔ اُدھر سے مطمئن اور فارغ ہونے کے بعد وہ اپنی پوری قوت بغداد اور خلافت پر صرف کر دے گا۔"

ابوالفتح نے آہستہ سے کہا "اللہ خیر کرے۔"

اب خلیفہ کی ہمت بالکل جواب دے چکی تھی۔ دونوں سے پوچھا "پھر اب کیا کیا جائے؟"

ابوالفتح نے جواب دیا [illegible] یا نا چاہیے امیر المومنین

خلیفہ بے قرار ہو رہا تھا۔ "پھر بھی؟ ہمیں کیا معلوم ہے؟"

ابوالفتح نے جواب دیا۔ "ابونصر سے سارا معاملہ طے پا گیا تھا اور خلافت مآب کے لیے ابونصر نے جو کچھ کیا ہے اس کی دوسری کوئی مثال نہیں ملتی۔"

خلیفہ نے حکم دیا۔ "تو ابونصر کو فوراً بلایا جائے۔"

قاضی القضاۃ نے جواب دیا۔ "وہ ہماری تلون مزاجی سے پریشان ہو کر گیا ہے اس لیے اب نہیں آئے گا۔"

خلیفہ نے پوچھا۔ "وہ معاہدہ کہاں ہے جس کی تیاری کی ذمے داری تیرے سپرد کی گئی تھی؟"

قاضی القضاۃ نے جواب دیا۔ "امیر المومنین کو یہ بھی یاد ہونا چاہیے کہ اسے روک دیا گیا تھا۔"

خلیفہ نے کہا۔ "اگر اس کو روک دیا گیا تھا تو اب اسے مکمل کر لیا جائے۔"

ابوالفتح نے کہا۔ "قاضی القضاۃ! اب آپ اسے فوراً تیار کر لیں۔"

قاضی القضاۃ نے گھر جانے کی اجازت چاہی تو خلیفہ نے اسے یہ حکم بھی دیا کہ یہ کام زیادہ سے زیادہ دو ساعتوں میں مکمل کر لیا جائے۔

اب خلیفہ کا سکون برباد ہو چکا تھا اس نے ابوالفتح کو وہاں سے ہٹنے بھی نہ دیا اور پوچھا۔ "تیرا کیا خیال ہے، سلطان اور کیا کر سکتا ہے؟"

ابوالفتح نے جواب دیا۔ "سلطان آپ کو خلافت سے بے دخل کر سکتا ہے۔ وہ کسی نابالغ اور فاتر العقل کو خلیفہ بنا کر حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے سکتا ہے۔ وہ سیدہ سے زبردستی شادی کر سکتا ہے۔ وہ سارے عربوں کا زور ختم کر کے ترکوں کو مسلط کر سکتا ہے۔ وہ بہت کچھ کر سکتا ہے ــــ وہ ایسی ایسی کارروائیاں کر سکتا ہے جن کا ہمارے خیال اور گمان میں بھی گزر نہیں ہو سکتا۔"

خلیفہ نے کہا۔ "یہ تو بہت برا ہوا۔ ہوا نہیں ہو گا۔ کیا عالم اسلام اس کی ان حرکتوں کو خاموشی سے دیکھے گا اور برداشت کرے گا؟"

ابوالفتح نے جواب دیا۔ "عالم اسلام ہمارے لیے کچھ بھی نہیں کرے گا۔ وہ خاموش تماشائی بنا رہے گا۔"

خلیفہ ابوالفتح پر گرم ہو گیا۔ "تب پھر تو یہاں بیٹھا باتیں کیوں بنا رہا ہے۔ قاضی القضاۃ کے پاس جا اور معاہدے کی تیاری میں اس کی مدد کر۔"

ابوالفتح نے جواب دیا۔ "میں قاضی القضاۃ کے پاس جا تو سکتا ہوں اور اس کی معاہدے کی تیاری میں مدد بھی کر سکتا ہوں لیکن جہاں تک میں جانتا ہوں اس وقت میری آپ کو ضرورت ہے۔ آپ کے پاس میرا رہنا بے حد ضروری ہے۔"

خلیفہ نے کچھ سکوت اختیار کیا۔ شاید وہ جائزہ لے رہا تھا کہ ابوالفتح نے جو کچھ کہا اس میں کتنی صداقت ہے؟ آخر وہ اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ ابوالفتح کی ضرورت خلیفہ کو زیادہ ہے کہا۔ "تو کس قدر ہوشیار اور ذہین انسان ہے۔ واقعی اس وقت تیری مجھ کو ضرورت ہے ورنہ تشویش اور تنہائی میرا کام تمام کر دے گی۔ میں فی الحال اکیلا نہیں رہ سکتا۔"

ابوالفتح نے عرض کیا۔ "اب آپ یہ فیصلہ کریں گے کہ آخر وہ کون سا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے ابونصر کے دل میں ہمارا اعتماد بحال ہو جائے۔"

خلیفہ نے جواب دیا۔ "اس پریشانی میں بھی میرا دماغ کام کر رہا ہے۔ ابونصر کو راضی کرنے کا ایک ایسا طریقہ ہے میرے پاس کہ وہ بالکل مجبور ہو جائے گا اور وہی کرے گا جو طے پا چکا ہے۔ وہ مجھ پر بھروسا کرے گا۔"

ابوالفتح کو خلیفہ کے دعوے پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

قاضی القضاۃ معاہدہ تیار کر کے لے آیا۔ خلیفہ نے معاہدے کو بار بار پڑھا اور مطمئن ہونے کے بعد ابونصر کو قصر خلافت میں طلب کر لیا۔ خلیفہ کا ابونصر کے نام نہایت مختصر پیغام تھا۔

"عمید الملک ابونصر کندری! معاہدہ تیار ہے۔ فوراً آ جا اور اس الجھے ہوئے مسئلے کو ہمیشہ کے لیے طے کر دے۔"

ابونصر کو اس پیغام کی صداقت پر شبہ تھا لیکن وہ اپنی جان کی پروا کیے بغیر قصر خلافت پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ اسماعیل اور امجد بھی تھے اور دیگر امرا بھی۔ ابوالفتح اور قاضی القضاۃ نے ابونصر کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اسے خلیفہ کے پاس لے گئے۔ خلیفہ قائم بامر اللہ اس کو دیکھ کر مسکرایا۔ دونوں نہایت گرمجوشی سے ملے۔ خلیفہ نے اپنا داہنا ہاتھ ابونصر کی طرف بڑھا دیا۔ ابونصر نے اسے اپنی آنکھوں سے چھو کر بوسہ دیا۔

خلیفہ نے پوچھا۔ "اے ابونصر! تو نے یہاں آنے میں پس و پیش سے کام کیوں نہیں لیا؟ اب اگر میں چاہوں تو تجھ کو قتل کرا دوں؟"

ابونصر کو موت اپنے سامنے نظر آ رہی تھی۔ اس نے کن انکھیوں سے اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیا کہ کہیں کوئی جلاد یا حبشی موجود تو نہیں۔ وہاں قاضی القضاۃ اور ابوالفتح

کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ جواب دیا: "امیر المومنین! میں خوب جانتا ہوں کہ آپ ایسا نہیں کر سکتے۔"

خلیفہ نے پوچھا: "لیکن ہم ایسا کیوں نہیں کر سکتے؟"

ابونصر نے جواب دیا: "آپ کا تعلق خاندانِ نبوت سے ہے۔ آپ اس کا احترام کریں گے۔"

خلیفہ نے کہا: "بے شک ہم اس کا احترام کریں گے۔"

اس کے بعد قاضی القضاۃ کو حکم دیا: "وہ معاہدہ ابونصر کو دکھا دے۔"

قاضی القضاۃ نے معاہدہ ابونصر کو دے دیا۔ اس نے بھی معاہدے کو بار بار پڑھا اور پوچھا: "دونوں گواہ کہاں ہیں؟"

خلیفہ نے ابوالفتح اور قاضی القضاۃ کی طرف اشارہ کیا: "یہی دونوں گواہ بھی ہیں۔"

ابونصر نے مؤدبانہ عرض کیا: "معاہدے پر دستخط کون کرے گا، آپ یا میں؟"

خلیفہ نے جواب: "پہلے میں دستخط کروں گا، اس کے بعد تو اور آخر میں دونوں شاہد۔"

ابونصر نے محسوس کیا کہ خلیفہ دستخط کرتے وقت پرسکون اور مطمئن نہیں تھا، اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ شاید وہ یہ معاہدہ "ان کے دباؤ" میں کر رہا تھا۔

دستخط کرنے کے بعد خلیفہ نے یہ معاہدہ ابونصر کی طرف بڑھا دیا: "مجھے یقین ہے کہ جس طرح تو سلطان کی طرف سے اس معاہدے پر دستخط کر رہا ہے اسی طرح سلطان کو اس کا پابند بھی کر دے گا۔"

ابونصر نے جواب دیا: "امیر المومنین! سلطان نے مجھے اس معاہدے کا مجاز و مختار قرار دیا ہے۔ اس لیے وہ اس کی پابندی بھی کرے گا۔"

ابونصر نے بھی اس پر دستخط کر دیے اور اس کے بعد دونوں گواہوں کے دستخط بھی ثبت ہو گئے۔

خلیفہ نے معاہدے کو اپنے قبضے میں کیا اور کہا: "سیدہ کے نکاح میں وکالت کا فریضہ تو انجام دے گا کیوں کہ حاجب ابوتمیمی کی طرح میں نے بھی تجھ پر اعتبار کیا اور سیاہ و سفید کا اختیار تجھ کو دیا۔"

سب کے آخر میں خلیفہ نے ایک چادر میں لپٹی ہوئی پوٹلی ابونصر کے حوالے کر دی: "تو نے میرے لیے اور میرے حق میں جو شاندار خدمات انجام دی ہیں یہ اس کے عوض گراں بہا تحفہ ہے میری طرف سے۔ اتنا قیمتی اور عظیم تحفہ کہ اس سے زیادہ عظیم اور قیمتی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔"

ابونصر نے پوٹلی لے لی اور پوچھا: "امیر المومنین! آپ نے مجھ پر جو اعتماد کیا ہے اس کے لیے میں بے حد شکر گزار ہوں۔ براہِ کرم اس پوٹلی کے بارے میں بھی کچھ ارشاد ہو جائے۔"

خلیفہ نے جواب دیا: "اس میں ایک تو چادرِ نبوی ہے جو ہمارے خاندان میں محفوظ چلی آ رہی ہے۔ اس چادر کو آبِ زم زم سے دھویا گیا ہے اور ایک قمیض ہے جو دبیقی ہے اس کو میں نے اپنے لیے سلوایا تھا۔"

ابونصر دبیقی کپڑے سے خوب واقف تھا۔ دبیق مصر کا ایک شہر تھا اور یہاں کا ایک مخصوص ریشمی کپڑا دبیقی کہلاتا تھا اور قمیص دس دینار میں تیار ہوتی تھی۔

ابونصر نے فرطِ عقیدت سے پوٹلی کو بوسہ دے کر اپنے سر پہ رکھ لیا۔ اس وقت وہ جتنا خوش تھا اس کا اندازہ لگانا دشوار تھا۔

ابونصر نے خلیفہ کو بتایا کہ سلطان تبریز جا چکا ہے اس لیے نکاح کی رسم تبریز میں ادا کی جائے گی۔

خلیفہ کو اس تجویز سے اختلاف نہیں تھا۔ اس نے کہا: "دولھن بغداد ہی میں رہے گی وہ تبریز نہیں جائے گی۔"

اس کے بعد خلیفہ نے ابونصر کی موجودگی اور وکالت میں سیدہ کا نکاح سلطان طغرل سے پڑھوا دیا۔ قاضی القضاۃ اور ابوالفتح نے سماعتِ ایجاب کے دستخط ثبت کیے۔ اس کے بعد خلیفہ نے ابوالقائم نامی امیر کو تبریز روانہ کر دیا۔ نکاح کی دستاویز اس کے ساتھ تھی۔

اس وقت سلطان تبریز کے باہر مقیم تھا۔ ابوالقا(سم) نے یہاں سلطان کا نکاح سیدہ سے پڑھوا دیا۔ سلطان کو خوب معلوم تھا کہ یہ مشکل ترین کام ابونصر کی حکمت، تدبر اور دباؤ سے انجام پایا تھا۔ اس تقریبِ سعید کی خبریں تمام سلطنتِ اسلام میں روانہ کر دی گئیں۔

سلطان نے امیر رئیس العراقین کو اپنا نمائندہ نامزد کیا اور بیش قیمت ہدایا کے ساتھ اسے بغداد روانہ کر دیا۔ بیش قیمت ہدایا میں تیس ترکی غلام اور لونڈیاں، تیس گھوڑے، دو خادم، ایک خاصہ کا گھوڑا مع کوکبِ زریں و سرج مرصع بجواہر اور دس ہزار دینار خلیفہ کے لیے۔ دولھن سیدہ کے لیے یعقوبا کا علاقہ اور عراق کی وہ تمام جاگیریں جو پہلے سلطان کی مرحومہ بیوی کے نام تھیں، ایک قیمتی ہار جس میں ایک ایک مثقال کے تیس موتی پروئے ہوئے تھے اور دس ہزار نقد دیے گئے تھے۔ ولی عہد عدۃ الدین کے لیے پانچ ہزار دینار اور دولھن کی ماں کے لیے تین ہزار دینار روانہ کیے گئے تھے۔

سلطان کے ترسیلِ ہدایا کی خبریں بغداد میں پہلے ہی پہنچ چکی تھیں۔ اہلیانِ بغداد چشم براہ تھے۔ استقبال کرنے والوں کا جمِ غفیر شہر کے شمالی دروازے سے نکل کر میدان میں جمع ہوگیا۔ یہ لوگ اس لیے خوش تھے کہ خلیفہ اور سلطان کے باہمی اختلاف میں انھیں اپنی تباہی اور بربادی کا خدشہ پیدا ہوگیا تھا۔ اب وہ بہت خوش تھے۔

رئیس العراقین نے شہریوں کو چشم براہ دیکھ کر اپنے دل میں بے پایاں فخر اور خوشی کے جذبات محسوس کیے۔

قصرِ خلافت کے باب النوبی میں ارسلان خاتون ان ہدایا کا انتظار کر رہی تھی کیوں کہ رئیس العراقین کی آخری حد یہی دروازہ تھا۔ وہ اس سے آگے نہیں جا سکتا تھا۔

شہری آہستہ آہستہ اس کا ساتھ چھوڑتے رہے۔ آخر باب النوبی کے سامنے پہنچ کر رئیس العراقین نے زمین کو بوسہ دیا اور جو کچھ اپنے ساتھ لایا تھا، اندر موجود ارسلان خاتون کے حوالے کر کے پیچھے ہٹ گیا۔ اس کا خیمہ باب النوبی کے قریب ہی نصب کیا جا چکا تھا۔

ارسلان خاتون نے جب خلیفہ کو اس کی چیزیں دیں تو اس نے نفرت و حقارت سے منہ پھیر لیا۔

ارسلان خاتون نے بڑی ہتک محسوس کی اور پوچھا۔ "کیا آپ اس سے خوش نہیں ہیں؟"

خلیفہ نے جواب دیا۔ "میں نے بدرجۂ مجبوری وہ کام کیا ہے جو اس خاندان میں پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔"

ارسلان خاتون نے پوچھا۔ "کیا یہ چیزیں سلطان کو واپس کر دی جائیں؟"

خلیفہ نے جواب دیا۔ "نہیں، جب میں نے سیدہ کا نکاح سلطان سے کر دیا اور خود اپنی نظروں سے گر گیا تو ذلت کی ان نشانیوں کو بھی یہیں قصرِ خلافت میں رہنے دے۔"

یہاں سے ارسلان خاتون سیدہ کے پاس گئی اور اس کی چیزیں اس کے حوالے کر دیں۔ سیدہ بھی ناخوش تھی۔ اس نے روتے ہوئے کہا۔ "کاش! میرا باپ اتنا کمزور نہ ہوتا۔"

سیدہ کی ماں نے تین ہزار دینار لے لیے اور ارسلان خاتون پر طنز کی۔ "سبحان اللہ! سلطان کی ربیب بیٹی کتنے ذوق و شوق سے اپنے باپ کی شادی میں پیش پیش ہے۔ اللہ ایسی بیٹیاں دوسروں کو بھی نصیب کرے۔"

لیکن ولی عہد نے کچھ بھی نہ کہا۔ اس کو اپنی جوان ماں سے ہمدردی تھی۔ اس کو وہ ساری باتیں معلوم ہو چکی تھیں جو ہدایا پیش کرنے کے دوران ارسلان خاتون کو پیش آئی تھیں۔ ارسلان خاتون نے ولی عہد کو پانچ ہزار دینار دیے اور کہا۔ "تو بھی لفظوں کے تیر و نشتر میرے دل میں اتار دے۔"

ولی عہد نے جواب دیا۔ "میں وہ نہیں کروں گا جو میرے باپ، میری ماں اور میری بہن نے کیا ہے۔ ہمارے ہی عہدِ خلافت کے نابینا شاعر ابو العلا معری کے بقول، یہ سزا جرمِ ضعیفی میں ہمیں دی گئی ہے۔"

ارسلان خاتون کا دم گھٹا جا رہا تھا۔ بھرائی آواز میں کہا۔ "اگر میں چند سال اس ماحول میں اور رہ گئی تو خود بخود مر جاؤں گی۔"

ولی عہد نے تسلی دی۔ "آپ کیوں مریں۔ آپ تو طاقت ور باپ کی بیٹی ہیں۔ آپ اس محل میں اکڑ کے رہیں۔ آپ کسی سے کیوں خوفزدہ ہوں!"

لیکن انھی باتوں کے دوران خلیفہ نے ارسلان خاتون کو اپنے پاس بلوا لیا۔ اس نے معذرت کی۔ "ارسلان خاتون! تو مجھے معاف کر دے کیوں کہ میں نے جو کچھ کہا وہ جذبات سے مغلوب ہو کر کہا تھا اور مجھ کو اس قسم کی باتیں تجھ سے نہیں کرنا چاہئیں۔"

ارسلان خاتون نے جواب دیا۔ "امیر المومنین! دل پر زخم لگانے کے بعد کچھ بھی کہیں فضول ہے۔"

خلیفہ کو غصہ آگیا۔ "میں تجھ سے معذرت خواہ ہوں اور تو اسے قبول نہیں کر رہی۔ دیکھ، اس قصر میں جو کچھ ہوتا ہے اس کا ذکر قصر کے باہر نہیں ہونا چاہیے۔"

ارسلان خاتون بے باک ترک خاتون تھی۔ جواب دیا۔ "بار بار غلطیاں، بار بار معذرت خواہی، اور بار بار ہدایات اور سرزنش۔ امیر المومنین کو بھی ان بچکانہ حرکات سے باز آ جانا چاہیے۔"

یہ تلخ و ترش باتیں خلیفہ کے لیے ناقابلِ برداشت تھیں لیکن وہ طاقتور سلطان طغرل سے خوف زدہ تھا جو اب اس کا داماد بھی تھا اور دامادی سے قبل وہ خلیفہ کا خسر تھا۔ بیک وقت خسر بھی اور داماد بھی، اور یہ طاقت ور خسر اور داماد بہت جلد بغداد آنے والا تھا۔

ستر بہتر سالہ سلطان طغرل نوجوان سینو سے نکاح کرنے کے بعد تبریز سے آرمینیا چلا گیا۔ وہاں کچھ دن بڑی مصروفیت میں گزار دیے۔ آرمینیا سے نکلا تو آذربائیجان میں داخل ہو گیا۔ آذربائیجان میں وہ کچھ زیادہ ہی مشغول رہا۔ شہزادہ الپ ارسلان خلافِ معمول اچانک ہی آذربائیجان میں داخل ہوا اور سلطان کی خدمت میں حاضری دی۔ خواجہ حسن مرو میں شہزادے کی نیابت کا فرض انجام دے رہا تھا۔

اب سلطان اور شہزادے کے لشکر آمنے سامنے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ سلطان الپ ارسلان کو بہت پسند کرتا تھا لیکن سلطان کے وہ امرا جو ابو نصر اور شہزادہ سلیمان سے دلچسپی رکھتے تھے، وہ نہیں چاہتے تھے کہ الپ ارسلان سلطان سے ان کی عدم موجودگی میں ملے۔ ان امرا میں ایرانی ہزار اسپ بھی شامل تھا۔ اس نے سلطان کو سب سے پہلے یہ خبر دی کہ شہزادہ الپ ارسلان اپنے لشکر کے ساتھ سلطان کا مدِمقابل ہو رہا ہے۔

سلطان کو اس خبر نے حیرت میں ڈال دیا۔ شہزادہ الپ ارسلان اور سلطان کا مدِمقابل! تحقیقِ حال کے لیے وہ اپنے خیمے سے باہر آ گیا۔ سلطان کی نگاہ اب زیادہ کام نہیں کرتی تھی۔ ہزار اسپ نے شہزادے کے لشکر کی طرف اشارہ کیا جو تقریباً ایک فرسخ دور خیمہ زن تھا۔

سلطان نے دھندلی نگاہ سے خیموں کی اس چھوٹی سی بستی کا نظارہ کیا اور بے یقینی سے پوچھا: "کیا یہ سچ ہے کہ شہزادہ میرا مدِمقابل ہے؟"

ہزار اسپ نے جواب دیا: "آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔"

سلطان نے سوچا کہ اگر شہزادہ خیر سگالی کے جذبات کے ساتھ یہاں آیا تھا تو اسے سلطان کی خدمت میں حاضری بھی دینا تھی لیکن وہ نہیں آیا جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی نیت میں کھوٹ ہے۔

سلطان کرسی ڈال کر خیمے کے در پہ ہی بیٹھ گیا اور کہا: "شہزادے کو اسی وقت میرے روبرو حاضری دینا چاہیے تھی۔ اس کو بلوایا جائے۔"

ہزار اسپ نے شک و شبے سے عرض کیا: "کیا وہ بلوانے سے آ جائے گا؟"

سلطان نے پورے یقین سے جواب دیا: "کیوں نہیں آئے گا؟ ضرور آئے گا۔ اگر اس نے سرتابی کی تو میں اس کو سزا دوں گا۔ ایسی سزا جو کسی اور کو نہ دی ہو۔"

ہزار اسپ نے لوہے کو گرم دیکھا تو اس پر چوٹ لگا دی: "میں نے سنا ہے شہزادہ الپ ارسلان کو کسی نے یہ یقین دلا دیا ہے کہ سلطان چراغِ سحری کی طرح جھلملا رہا ہے۔ تیز ہوا کا ایک جھونکا اس کو بجھا سکتا ہے اس لیے اس سے پہلے ہی اقتدار پر قبضہ کر لو۔"

سلطان نے ایک بار پھر الپ ارسلان کے لشکر کو دیکھنا چاہا۔ اس نے اپنی آنکھوں کو ہاتھ کے چھجے کے سائے میں لے کر لشکر کی طرف دیکھا۔ اسے دور دور تک فضا دھواں دھواں نظر آ رہی تھی۔

امیر ہزار اسپ نے عرض کیا: "اگر آپ کا شہزادے کے نام کوئی پیغام ہو تو میں اس کے لیے شہزادے کے پاس جا سکتا ہوں۔"

سلطان کو اپنی بینائی پر غصہ آ رہا تھا۔ وہ سلطان کو دھوکا دے رہی تھی۔ اس نے امیر ہزار اسپ کو حکم دیا کہ وہ شہزادے کو اپنے ساتھ اس کے پاس لے آئے۔

امیر ہزار اسپ نے عرض کیا: "کیا میں اپنے ساتھ تھوڑی سی فوج بھی لے جا سکتا ہوں؟"

سلطان نے پوچھا: "وہاں تیری فوج کا کیا کام؟ فوج لے جا کر کیا کرے گا؟"

امیر ہزار اسپ نے جواب دیا: "اس کے عزائم کا علم ہم سب کو ہے۔ وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ حفظِ ماتقدم بھی کوئی چیز ہے۔"

سلطان نے اجازت دے دی: "تو تھوڑی سی فوج اپنے ساتھ لے جا لیکن اس کو منع کر دینا کہ وہ شہزادے سے جنگ نہ کرے۔"

ہزار اسپ ایک ہزار سوار لے کر الپ ارسلان کی طرف روانہ ہو گیا۔

الپ ارسلان اس کو راستے ہی میں مل گیا۔ وہ بھی اپنے دس سواروں کے ساتھ سلطان کے پاس جا رہا تھا۔

امیر ہزار اسپ اس کو راہ میں دیکھ کر گھبرا گیا اور پوچھا: "شہزادے آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

شہزادے نے ان سواروں میں سلطان کو تلاش کیا۔ اور جب سلطان نظر نہ آیا تو ہزار اسپ سے سوال کر دیا: "حضور کہاں جا رہے ہیں؟"

امیر ہزار اسپ نے جواب دیا: "شہزادے میں آپ کا ہی خواہ ہوں اور آپ کو یہ بتانے جا رہا تھا کہ سلطان آپ کو

لاؤ لشکر کے ساتھ آذربائیجان میں دیکھ کر برہم ہوا ہے۔"

الپ ارسلان نے پوچھا "وہ کیوں؟ میرے لاؤ لشکر سے سلطان کو ہمیشہ تقویت حاصل ہوئی ہے۔ پھر آج اس پر یہ اعتراض کیوں؟"

امیر ہزار اسپ نے تند و تیز لہجہ اختیار کیا "میں کچھ نہیں جانتا، آپ کی بھلائی اسی میں ہے کہ یہیں سے واپس چلے جائیں اور اس وقت تک سلطان کی نظروں سے اوجھل رہیں جب تک کہ سلطان آپ کو خود نہ طلب کرے۔"

الپ ارسلان نے کہا "لیکن تو میرا راستہ کیوں روک رہا ہے؟"

اس نے جواب دیا "راستہ میں نہیں آپ کا چچا سلطان طغرل روک رہا ہے۔"

الپ ارسلان نے کہا "اسی لیے تو میں وہاں جا رہا ہوں، سلطان کے پاس۔ میں اس سے بات کروں گا اور اس تبدیلی کی وجہ پوچھوں گا۔"

اب امیر ہزار اسپ بھی اپنے منصوبے کی تکمیل میں کوشاں تھا۔ جواب دیا "ویسے تو تو آزاد ہے جو جی میں آئے کر لیکن اس وقت میں تجھے سلطان کے پاس نہیں جانے دوں گا۔"

لیکن اسی وقت سلطان خود ان کے پاس پہنچ گیا۔

ہزار اسپ نے سلطان کو اچانک اپنے سر پر دیکھا تو گھبرا گیا اور اپنے ایک آدمی کو ڈانٹنا شروع کر دیا "تو نے یہ غیر ذمے دارانہ خبر کہاں سنی تھی؟"

الپ ارسلان، سلطان کو اپنے سامنے دیکھ کر گھوڑے سے اترا اور سلطان کی رکاب کو بوسہ دیا۔

سلطان، الپ ارسلان سے بڑی محبت کرتا تھا۔ محبت آمیز نظروں سے شہزادے کو دیکھا اور گھوڑے پر بیٹھے جانے کا حکم دیا۔

الپ ارسلان دوبارہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

امیر ہزار اسپ نے دریافت کیا "اب ہم کہاں جائیں گے؟ اپنے لشکر میں یا...؟"

سلطان نے جواب دیا "میں الپ ارسلان کے پڑاؤ پر جا رہا ہوں۔"

امیر ہزار اسپ نے متامل لہجے میں دریافت کیا "کیا یہ مناسب ہے؟"

سلطان نے جواب دیا "بالکل مناسب ہے۔"

الپ ارسلان ایک بار پھر اپنے گھوڑے سے نیچے آ گیا اور اپنے گھوڑے کو اپنے ایک ساتھی کے حوالے کر کے خود سلطان کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر پیدل چلنے لگا۔

سلطان نے کہا "تو یہ کیا کر رہا ہے؟ آخر تو بھی تو شہزادہ ہے۔ اپنے گھوڑے پر سوار ہو جا۔"

الپ ارسلان نے عرض کیا "لیکن آپ میرے باپ بھی ہیں، چچا بھی اور سلطان بھی۔ آپ اس خدمت سے مجھے محروم نہ کریں۔"

سلطان بھی گھوڑے سے اتر کر پیدل چلنے لگا۔ سلطان کے ساتھ ہی سبھی گھوڑوں سے اتر کر پیدل چلنے لگے۔

سلطان نے چلتے چلتے پوچھا "تو آذربائیجان کیا لینے آیا تھا؟"

الپ ارسلان نے جواب دیا "آپ سے ملاقات کرنے، آپ کا نیاز حاصل کرنے۔"

سلطان نے کہا "یہ ملاقات رے یا بغداد میں بھی ہو سکتی تھی۔"

شہزادے نے جواب دیا "بجا ارشاد لیکن وہاں میں آپ سے وہ باتیں نہیں کر سکتا تھا جو یہاں کروں گا۔"

سلطان نے پوچھا "تیرے ساتھ فوج کتنی ہے؟"

شہزادے نے جواب دیا "کل تین ہزار... مگر کیوں؟"

سلطان نے میر ہزار اسپ کی طرف دیکھا "بس یونہی، کوئی خاص بات نہیں۔"

شہزادے نے بہت کچھ سمجھ لیا تھا "پھر بھی، کیوں؟ آپ نے یہ سوال کیوں کیا؟"

سلطان نے صاف صاف بتا دیا "مجھ کو یہ بتایا گیا تھا کہ تو یہاں میرے مدمقابل بری نیت سے آیا ہے۔"

الپ ارسلان بہت جذباتی ہو رہا تھا "کس نے یہ خبر دی تھی آپ کو؟"

سلطان نے جواب دیا "بس دی تھی کسی نے یہ خبر۔"

الپ ارسلان روہانسا ہو رہا تھا "میں اور آپ کا مدمقابل! یہ کیسی شرمناک بات کہی گئی آپ سے؟"

امیر ہزار اسپ کے پورے جسم میں چیونٹیاں سی رینگ رہی تھیں۔ اس نے اپنے آدمی کو دوبارہ ڈانٹا "تو نے میرے منہ پر کالک مل دی۔ کس نے دی تھیں یہ خبریں؟"

لیکن اس آدمی پر ہزار اسپ کی باتوں کا کوئی اثر نہ تھا۔

الپ ارسلان نے پھر وہی سوال کیا "آپ مجھے اس آدمی کا نام ضرور بتائیں جس نے ہم دونوں میں بدظنی پھیلانے کی کوشش کی تھی۔"

سلطان نے ایک بار پھر میر ہزار اسپ کی طرف دیکھا اور جواب دیا "سوچتا ہوں، کس کا نام لوں۔ نام بتاتے ہوئے شرم محسوس

پھر رہا ہے۔"

امیر ہزار اسپ نے اپنی نیام سے تلوار نکالی اور جس شخص کو بار بار ڈانٹ رہا تھا' ایک ہی وار میں اس کو قتل کر دیا۔ "یہ ہے تیرے جھوٹ اور بے سروپا خبریں دینے کی سزا۔"

سلطان نے اس قتل پر افسوس کیا اور ہزار اسپ سے پوچھا: "یہ تو نے کیا کیا؟"

امیر ہزار اسپ نے جواب دیا: "میں نے جو کچھ کیا ہے' درست کیا ہے کیونکہ یہی وہ شخص تھا جس نے شہزادہ الپ ارسلان کے بارے میں بے سروپا خبریں دی تھیں۔"

سلطان نے کہا: "تو نے اسے ناحق قتل کر دیا۔ اس سے تو یہ پوچھنا چاہیے تھا کہ آخر اس نے ایسا کیوں کیا تھا۔"

امیر ہزار اسپ نے جواب دیا: "میں نے اس جھوٹے کو جہنم واصل کر دیا اور اب میں بے حد مطمئن ہوں۔"

ایک آدمی چشم زدن میں قتل کر دیا گیا اور اس کا جسم تڑپ تڑپ کر سرد پڑ گیا۔ کسی کو اس کی موت کا نہ تو افسوس ہوا اور نہ دکھ۔ وہ جس طرح چل رہے تھے اسی طرح چلتے رہے۔

الپ ارسلان کے لشکر میں پہنچ کر سلطان، شہزادے کے خیمے میں چلا گیا۔ امیر ہزار اسپ اور اس کے ساتھیوں کو دوسرے خیموں میں بھیج دیا گیا۔

شہزادے کا خیمہ کسی قدر پرتکلف تھا۔ یہاں آرائش و زیبائش کا بھی خیال رکھا گیا تھا۔

الپ ارسلان سلطان کی خوشامد درآمد میں مصروف تھا۔ وہ امیر ہزار اسپ کے بارے میں بھی غور کرتا رہا۔

سلطان نے اسے فکرمند دیکھا تو اسے اس سے باز رکھنا چاہا: "الپ ارسلان، اب تو سیدھا سادھا عام انسانوں جیسا ہو جا۔"

الپ ارسلان نے جواب دیا: "لیکن جب تک معلوم نہ ہو کر ہمیں اڑا دینے کی کوشش کیوں کی گئی ہے' میں پریشان ہی رہوں گا۔"

سلطان نے کہا: "امیر ہزار اسپ کو جس شخص نے یہ خبر دی تھی' امیر نے اس کو تیرے سامنے قتل کر دیا۔"

الپ ارسلان نے جواب دیا: "لیکن مجھ کو جو کچھ بتایا گیا تھا اس کی رو سے یہ مارا جانے والا گونگا تھا اور اس کو چند دن پہلے ہی کسی کی سفارش پر امیر ہزار اسپ نے اپنے آدمیوں میں شامل کر لیا تھا اور آج وہی ناحق مارا گیا۔"

سلطان نے یہ انکشاف بڑی حیرت سے سنا: "وہ گونگا تھا؟ یہ کس نے بتایا مجھ کو؟"

الپ ارسلان ذرا سی دیر کے لیے باہر گیا اور جب دوبارہ خیمے میں داخل ہوا تو امیر ہزار اسپ کا ایک آدمی شہزادے کے ساتھ تھا۔ شہزادے نے اس کو سلطان کی طرف دھکیل دیا اور کہا: "اس نے بتایا تھا مجھ کو۔"

سلطان نے پوچھا: "اس کو تو کہاں سے پکڑ لایا؟"

لیکن اس سوال کا جواب شہزادے نے نہیں' اس آدمی نے دیا: "سلطان محترم! مرنے والا میرا ہم وطن تھا۔ امیر سے اس کو میں نے ملوایا تھا۔"

سلطان نے پوچھا: "کیا وہ واقعی گونگا تھا؟"

اس نے جواب دیا: "میں جھوٹ کیوں بولوں گا۔"

سلطان نے پوچھا: "جو کچھ تو نے ابھی ابھی ہمارے سامنے کہا ہے' امیر ہزار اسپ کے سامنے بھی کہہ سکتا ہے؟"

اس نے جواب دیا: "میں یہ سچ کہیں بھی بول سکتا ہوں اور کسی کے بھی سامنے۔"

شہزادہ اب بھی غصے میں تھا: "امیر ہزار اسپ نے جو کچھ کیا' اس کو اس کی سزا ملنا چاہیے۔"

سلطان نے جواب دیا: "لیکن میں ایسا نہیں کر سکتا۔"

اس کے بعد سلطان نے امیر ہزار اسپ کے آدمی کو خیمے سے نکال دیا: "اب تو جا سکتا ہے۔"

اس نے جاتے جاتے پوچھا: "کیا مجھ کو دوبارہ بھی بلایا جائے گا؟"

سلطان نے جواب دیا: "نہیں، میں تجھ کو دوبارہ نہیں بلواؤں گا۔"

اس نے سادگی سے سوال کیا: "اور میرا یہ سچ؟"

سلطان نے جواب دیا: "اپنے اس سچ کو تو بھی بھول جا۔ تیری یا اس ادنیٰ آدمی کی وجہ سے جسے قتل کر دیا گیا' میں امیر ہزار اسپ کو جھٹلا کر شرمندہ نہیں کرنا چاہتا۔"

یہ شخص بہت افسردہ ہو رہا تھا: "مگر یہ انصاف تو نہیں ہے۔ میں مقتول کے گھر والوں کو کیا جواب دوں گا؟"

سلطان نے جواب دیا: "کچھ بھی، یہ بھی ایک جواب ہے کہ وہ میدان جنگ میں مارا گیا اور یہ بھی کہ اس کو نامعلوم شخص نے ذاتی دشمنی میں قتل کر دیا۔"

جب یہ شخص چلا گیا تو سلطان نے الپ ارسلان کو سمجھایا: "میرے لیے امیر ہزار اسپ بے حد قیمتی ہے۔ میں اس کو کسی گونگے پر تو ضائع نہیں کر سکتا۔"

شہزادے نے کہا: "لیکن امیر ہزار اسپ نے جو کچھ کیا' کیا اس سے ہم دونوں آپس میں نہیں لڑ سکتے تھے؟"

محمد شاہ تغلق ایک مرتبہ اپنے باغ میں ٹہل رہا تھا۔ اچانک سامنے سے ایک لڑکا دوڑتا ہوا آیا اور بادشاہ سے ٹکرا گیا۔ محمد شاہ تغلق کو اس حرکت پر بہت غصہ آیا اور اس نے لڑکے کو چھڑی سے پیٹ ڈالا۔
لڑکا روتا ہوا عدالت میں پہنچا اور اس کے استغاثے پر قاضی القضاۃ نے بادشاہ کو عدالت میں بلوالیا۔ محمد شاہ تغلق ایک معمولی ملزم کی طرح حاضرِ عدالت کر دیا گیا اور اس نے جرم تسلیم کر لیا اور کہا کہ لڑکے نے مجھے نہیں دیکھا تھا اور مجھ سے واقعی زیادتی ہوئی۔
قاضی القضاۃ نے بادشاہ کو ایک دن کی مہلت دی اور کہا کل تک اس لڑکے کو راضی کر لو ورنہ قصاص کے لیے تیار ہو جاؤ۔
بادشاہ نے لڑکے کو بہت کچھ زر و مال دینا چاہا مگر وہ کسی طرح رضامند نہ ہوا۔ دوسرے دن بادشاہ قاضی القضاۃ کے دربار میں حاضر ہوا اور قاضی القضاۃ کے حکم سے لڑکے نے اسی چھڑی سے جس سے اُسے پیٹا گیا تھا، بادشاہ کے جسم پر ۲۱ بید لگائے۔ سزا کے بعد بادشاہ نے دو رکعت نمازِ شکرانہ ادا کی کہ خدا نے اُسے انصاف پر ثابت قدم رکھا اور دنیا میں اُس سے جو غلطی ہوئی تھی اس کی سزا اُسے دنیا ہی میں مل گئی۔

مولانا امداد صابری کی تاریخ "جرم و سزا"

سلطان نے جواب دیا: "نہیں، کم از کم میں تو نہیں، ...ر امرا ہزار اسپ جیسے ہیں پھر میں ان کو کیوں قتل کروں؟ ...ں تو ان کو اپنے اعضائے جسمانی کی طرح سمجھتا ہوں۔"

شہزادہ الپ ارسلان تلملایا ہوا تھا۔ اس کا بس نہیں ...ل رہا تھا۔ وہ امیر ہزار اسپ کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

سلطان نے اس کو یہ کہہ کر چونکا دیا: "اب میں تیرا محاسبہ ...رنا چاہتا ہوں اس لیے سنبھل جاؤ۔"

شہزادے نے حیرت سے پوچھا: "میرا محاسبہ! میں نے ...یا کیا ہے؟"

سلطان نے پوچھا: "تُو یہاں کیوں آیا؟"

شہزادے نے بیٹھ جانے کی اجازت طلب کی: "کیا میں ...یٹھ کر باتیں کر سکتا ہوں؟"

سلطان نے جواب دیا: "بیٹھ جا، بیٹھ کے باتیں کر مگر ...جھ کو میرے تمام سوالوں کے جوابات درست ملنا چاہئیں۔ ...ں پوچھتا ہوں تو یہاں آذربائیجان کیوں آیا؟"

شہزادے نے جواب دیا: "آپ سے ملاقات کرنے ...ر آپ سے چند اہم اُمور پر تبادلۂ خیال کرنے کی خاطر۔"

سلطان نے کہا ـــــ "یہ ملاقات تو رے میں بھی ہو ...کتی تھی پھر یہاں آذربائیجان میں ہی کیوں؟"

شہزادے نے جواب دیا: "رے اور بغداد میں تخلیہ نہ ہوتا۔"

سلطان نے پوچھا: "تخلیہ! کیسا تخلیہ؟ تخلیہ تو ہر کہیں ...ن ہے؟"

شہزادے نے کہا: "رے میں میرا بھائی سلیمان موجود ہے، ...س کی ماں موجود ہے جو سلیمان کو آپ کا جانشین قرار دینے پر مُصر ہے، بغداد ہے وہاں آپ کا عقلمند اور وفادار وزیر ابونصر موجود ہوتا ہے۔ میں ان کو تخلیے سے کس طرح نکال سکتا ہوں؟"

سلطان نے کہا: "میں شہزادہ سلیمان اور اس کی ماں کی بات تو نہیں کرتا لیکن ابونصر کی بڑی عزت کرتا ہوں میں اپنے بیشتر کام اسی کے مشورے سے انجام دیتا ہوں۔"

شہزادے نے اپنے دل کی بات صاف صاف کہہ دی: "کیا شہزادہ سلیمان کی ولی عہدی کا چرچا بے بنیاد ہے؟ جبکہ ہر اعتبار سے میں اس کا زیادہ مستحق ہوں۔"

سلطان نے اسے یقین دلایا: "تو کیوں فکر مند ہے؟ میں جانتا ہوں تو ولی عہدی کا ہر طرح اہل ہے۔"

شہزادے نے تجویز پیش کی: "ہم سب کے لیے آج سب سے بڑی خوش خبری یہ ہے کہ آپ خلیفۃ المسلمین کے داماد ہیں۔ اس موقع پر اگر آپ میری ولی عہدی کا بھی اعلان فرما دیں تو ہمیں دوہری خوشی حاصل ہو جائے گی۔"

سلطان نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور کھڑے ہوتے ہوئے کہا: "الپ ارسلان! تو مجھے بہت عزیز ہے اور میں یہ یقین دلا رہا ہوں کہ تو ہی میرا جانشین ہے لیکن میں یہاں تیرے خیمے سے یہ اعلان نہیں کر سکتا۔"

الپ ارسلان میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ وہ پوچھتا کیوں؟ آخر کیوں؟ اس خیمے سے، میرے خیمے سے یہ اعلان کیوں نہیں ہو سکتا۔

سلطان کہہ رہا تھا: "اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ میں تیرے خیمے میں تنہا اور بے یار و مددگار ہوں تو یہ خیالِ خام اپنے دل

سے نکال دے۔"

الپ ارسلان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس بات کے لیے یہ مناسب وقت، مناسب موقع نہیں تھا۔

سلطان نے کہا: "میں جا رہا ہوں، اگر مجھے کوئی روکنا چاہے تو روک کے دکھائے۔ ایک اقبال مند بادشاہ کبھی تنہا یا بے یار و مددگار نہیں ہوتا۔ اس کا اقبال اور خوش بختی ہمیشہ اس کے ساتھ رہتے ہیں۔ میں بھی یہاں اکیلا نہیں آیا۔ میری خوش بختی اور اقبال مجھ سے دو قدم آگے چل رہے تھے۔"

الپ ارسلان ان باتوں کا عادی نہیں تھا۔ اس کو تکلیف پہنچ رہی تھی۔

سلطان خیمے سے نکل گیا۔ الپ ارسلان اس سے چند قدم پیچھے تھا۔ باہر نکل کر سلطان اپنے گھوڑے پر بیٹھ گیا۔

امیر ہزار اسپ اپنے سواروں سمیت سلطان کا منتظر تھا۔ وہ بھی سلطان کے ساتھ ہو لیا۔ الپ ارسلان بھی سلطان کے ساتھ چل رہا تھا۔

ہزار اسپ کی تیز اور معاملہ فہم نظریں سلطان اور الپ ارسلان کے کھنچاؤ کو محسوس کر رہی تھیں۔

اپنے خیمے کے سامنے سلطان نے اعلان کر دیا: "میرا ولی عہد فی الحال کوئی نہیں اور میں یہ فیصلہ اپنے وزیر ابو نصر کے مشورے اور رائے سے طے کروں گا۔"

یہ کہہ کر سلطان اپنے خیمے میں چلا گیا۔ الپ ارسلان جہاں رکا تھا وہیں کھڑا رہ گیا۔

امیر ہزار اسپ نے پوچھا: "شہزادے! کیا بات ہے؟ آپ کچھ پریشان نظر آ رہے ہیں۔"

الپ ارسلان نے جواب دیا: "تو فضول باتیں نہ کر، تو نے ہی سلطان کو ورغلا کر میرے خلاف کر دیا ہے۔"

امیر ہزار اسپ مسکرا رہا: "شہزادے! یہ بات نہیں ہے۔ اپنے دل کو ٹٹولیں، سلطان کا دل آئینہ ہے۔ اس میں ہمارے دلوں کا عکس بھی نظر آ جاتا ہے۔"

الپ ارسلان دیر تک باہر کھڑا رہا۔ وہ سلطان سے اذنِ باریابی کا طالب تھا۔

نصف ساعت بعد ہزار اسپ نے اسے مشورہ دیا۔ "اب آپ تشریف لے جائیں۔ سلطان آپ کو نہیں بلائے گا۔"

الپ ارسلان گونگا بنا ہوا تھا۔ وہ ہزار اسپ کی کہی بات کا بھی جواب نہیں دینا چاہتا تھا۔

پھر جیسے کہ وہ اچانک اٹھا اور اندر سے سلطان کا غلام خاص برآمد ہوا۔ اس نے الپ ارسلان کو بتایا کہ سلطان آپ کو یاد کر رہے ہیں۔

الپ ارسلان تھکا تھکا سا نظر آ رہا تھا۔ اندر سلطان تنہا نہیں تھا۔ وہاں آرمینیا کے دو عیسائی بھی موجود تھے۔ ان کے گلوں کی صلیب چمک رہی تھی۔ دونوں سلطان کے سامنے دو زانو بیٹھے تھے۔

سلطان نے الپ ارسلان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دونوں سے کہا: "یہ میرا بھتیجا اور ولی عہد الپ ارسلان ہے۔ تم دونوں اس کو پہچان لو۔"

الپ ارسلان کو سنی ہوئی مسرت آمیز باتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

آرمینیا کے باشندے الپ ارسلان کی طرف گھوم گئے۔ انھوں نے شہزادے کو خوب اچھی طرح دیکھا اور اس کی شکل اپنے دل و دماغ میں محفوظ کر لی۔

اس کے بعد سلطان نے ان دونوں کو رخصت کر دیا۔ اور دونوں آرمینی خیمے کے عقبی دروازے سے باہر نکل گئے۔

سلطان ٹہلنے لگا۔ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر تھے۔ اچانک اس نے بولنا شروع کر دیا: "دونوں آرمینی وہ بات پوچھ رہے تھے جو تو پوچھ رہا ہے۔"

الپ ارسلان نے عرض کیا: "سلطان کی ناراضی سے بہتر ہے کہ مجھے قتل کر دیا جائے۔"

سلطان نے پوچھا: "وہ امیر ہزار اسپ... وہ کہاں چلا گیا؟ باہر موجود ہے یا چلا گیا ہے؟"

الپ ارسلان نے جواب دیا: "وہ باہر موجود ہے اور اس وقت تک موجود رہے گا جب تک میں یہاں آپ کے پاس موجود ہوں۔"

شہزادہ الپ ارسلان کی آواز اور لہجے میں جو شکایت یا دکھ تھا، سلطان اسے خوب محسوس کر رہا تھا۔ سلطان نے پوچھا: "میں نے دونوں آرمینی عیسائیوں سے تیرا جو تعارف کرایا ہے تو نے سن لیا۔ تیری بے چینی اور سوال کا جواب اس میں موجود تھا۔ اب تو جا سکتا ہے۔"

الپ ارسلان نے جذباتی آواز میں کہا: "اس وقت آپ سلطان نہیں میرے عم ہیں۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ نے جو بات آرمینیوں سے کہی، پہلے ہی مجھ سے کیوں نہیں کہہ دی؟"

سلطان نے جواب دیا: "میں یہ بات اپنے کسی امیر کے سامنے نہیں کہہ سکتا کیونکہ میں جانتا ہوں تیرے خلاف سازشیں شروع ہو جائیں گی اور تجھ کو قتل بھی کرایا جا سکتا ہے۔ اب تو جا سکتا ہے۔"

جب وہ جانے لگا تو سلطان نے آواز دے کر اسے روک لیا۔ "ہاں! ایک بات اور، بہت ضروری بات۔"

الپ ارسلان رک گیا اور مڑتے ہوئے پوچھا۔ "جی...! کون سی بات؟"

سلطان نے جواب دیا۔ "تو یہاں سے نکل کر یہی تاثر دے کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے خوش نہیں ہیں اور یہ کہ میں نے تجھ کو مایوس کر دیا ہے۔"

شہزادے نے کہا۔ "بہتر ہے۔ میں ایسا ہی کروں گا۔"

سلطان نے کہا۔ "اب تو جا سکتا ہے۔"

شہزادہ باہر نکلا تو اس کے چہرے پر نہ صرف افسردگی طاری تھی بلکہ مردنی چھا گئی تھی۔ وہ ہزار اسپ اور اس جیسے بعض دوسرے امرا کو یہ تاثر دے رہا تھا کہ سلطان نے اس کو صرف مایوس ہی نہیں کیا بلکہ اس کو ڈانٹا ڈپٹا بھی ہے۔

اس نے باہر نکل کر امیر ہزار اسپ کو ادھر ادھر تلاش کیا مگر وہ کہیں نظر نہ آیا لیکن جب وہ اپنے گھوڑے کی طرف بڑھ رہا تھا تو ایک خیمے کی آڑ سے امیر ہزار اسپ برآمد ہو گیا مسکرا رہا تھا۔ اس نے شہزادے کا راستہ روک لیا اور اس کے چہرے سے اندرونی کیفیات کا جائزہ لیتا رہا۔

شہزادے نے دونوں ہاتھوں سے اسے ہٹانا چاہا، مگر وہ نہیں ہٹا اور پوچھا۔ "اندر کیا ہوا؟ آپ کو کیوں بلایا گیا تھا؟"

شہزادے نے جواب دیا۔ "مجھے راستہ دے۔ میں ایسی ولی عہدی اور جانشینی پر تھوکتا بھی نہیں۔ ذلت اور بے عزتی کی انتہا ہو گئی۔"

امیر ہزار اسپ نے شکایتاً کہا۔ "آپ نے میری شکایت کی تھی سلطان سے۔ میں نے اپنے ایک شخص کو کسی وجہ سے قتل کر دیا تو آپ کو یہ زیب نہیں دیتا تھا کہ مقتول کو گونگا ثابت کرتے۔"

شہزادے نے کہا۔ "اچھا تو مجھے راستہ دے۔ وہ گونگا تھا میں نے گونگا ثابت کیا۔"

ہزار اسپ نے اسے راستہ دے دیا اور کہا۔ "ہم بھی ہیں شہزادے، ہمیں نظر انداز کرو گے تو پریشانیوں میں گھر جاؤ گے۔"

الپ ارسلان اس کو سامنے سے ہٹا کر اپنے گھوڑے کے پاس گیا اور پھر اس پر سوار ہو کر اپنے لشکر کی طرف روانہ ہو گیا۔

ہزار اسپ اور دوسرے امرا بھی اپنی اپنی جگہ اس بات سے خوش تھے کہ سلطان اور الپ ارسلان میں ان بن ہو گئی ہے۔

کراچی میں مظہر خیری مرحوم مدیر جام نو کے گھر ایک فرشی مشاعرہ ہوا۔ مشاعرے کے بعد کچھ شاعر اپنے جوتے تلاش کرنے لگے جو ایک ہی ڈیزائن کے ہونے کی وجہ سے رل مل گئے تھے۔ سید محمد جعفری کے سلیم شاہی جوتے کا ایک پیر نہیں مل رہا تھا۔ انہوں نے شاعر لکھنوی سے پوچھا

"آپ کا جوتا بھی میرے جیسا ہی ہے۔ کہیں ایک پیر تو آپ سے نہیں بدل گیا؟"

شاعر لکھنوی کہنے لگے: "جناب میرا تو پیر بھی آپ سے بڑا ہے۔"

ہزار اسپ نے ابو نصر، سلیمان اور اس کی ماں کو الگ الگ خوش خبریاں بھیج دیں۔ اس نے ابو نصر کو لکھ بھیجا: "آپ کی عدم موجودگی میں الپ ارسلان نے بڑی کوشش کی کہ اس کی ولی عہدی اور جانشینی کا اعلان کر دیا جائے لیکن ایسا نہیں کرایا جا سکا۔ اب سب کچھ شہزادہ سلیمان کے حق میں ہے۔"

شہزادہ سلیمان کی ماں کو بھی یہی خوش خبری لکھ کر بھیج دی گئی تھی۔

اس کے ساتھ ہی امیر ہزار اسپ نے سلطان کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ شہزادہ الپ ارسلان، سلطان کے خیمے سے نکل کر سلطان کو برا بھلا کہہ رہا تھا۔

سلطان نے ہزار اسپ کو سمجھایا۔ "تو کیوں پریشان ہے۔ وقت کا انتظار کر، سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

امیر ہزار اسپ خاموش ہو گیا۔

اب سلطان کو بغداد پہنچنے کی جلدی تھی لیکن اس دوران اس کا سر درد کرنے لگا۔

اس نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ یہاں سے چلنے کی تیاری کی جائے۔ درد اور تیز ہو گیا۔

جب لشکری اپنا سامان سمیٹ اور لپیٹ رہے تھے تو ابو نصر کا پیغام موصول ہوا۔

"آپ جلد از جلد بغداد آ جائیں تاکہ بقیہ رسوم بھی ادا کر لی جائیں..."

اس قاصد نے سلطان کو ارسلان خاتون کا پیغام بھی دیا۔

"سیدہ خاتون آپ کی بیوی تو بن گئی مگر میں آپ کی نظروں سے گر گئی۔ اب میں یہاں نہیں رہ سکتی اس لیے مجھ کو بلا لیا جائے۔"

سلطان کے سر کا درد اور زیادہ بڑھ گیا۔ اطبا کا دس نفری دستہ سلطان کی دیکھ بھال اور علاج معالجے میں مشغول ہو گیا۔

امیر عزالدین نے سلطان کو یہ باور کرانا چاہا کہ شہزادہ الپ ارسلان، سلطان پر جادو کر رہا ہے لیکن سلطان نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔

اطبا اس کو طرح طرح کی دوائیں پلا رہے تھے، بہت سی دواؤں کے جوڑ دیے جا رہے تھے، مرکبات۔

امرا نے سفر کی مخالفت کی کہ فی الحال سفر سے گریز کیا جائے لیکن سلطان اپنے ارادے کسی کے کہنے سننے سے بدلنے کا عادی نہیں تھا۔

وہ بغداد روانہ ہو گیا۔ کچھ دیر بعد درد میں افاقہ ہوا اور وہ ہشاش بشاش نظر آنے لگا۔

بغداد میں یہ خبر پہنچ چکی تھی کہ سلطان اپنی نوجوان دلہن سیدہ خاتون کے پاس آ رہا ہے۔

ابو نصر اور اس کے ساتھی اپنے سلطان کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔

خلیفہ قائم بامر اللہ اور اس کے وزیر اور قاضی بھی منتظر تھے۔ سلطان کے استقبال کے لیے ایک جماعت تشکیل دی گئی۔ خلیفہ بہ ذات خود بہت بے چین اور پریشان تھا۔ اس نے ابو نصر کو بطورِ خاص اپنے محل میں طلب کر لیا اور اس سے پوچھا: ”سلطان کب تک آ جائے گا؟“

ابو نصر نے جواب دیا: ”اے امیر المومنین! سلطان کسی وقت اور کسی بھی دن آ جائے گا۔“

خلیفہ نے اس کو معاہدہ یاد دلایا: ”تمھیں معاہدے کی شقیں تو یاد ہوں گی۔“

ابو نصر نے جواب دیا: ”خوب اچھی طرح۔ اس پر میرے دستخط بھی تو موجود ہیں۔“

خلیفہ نے پوچھا: ”کیا سلطان کو ان شقوں کا علم ہے؟“

ابو نصر نے جواب دیا: ”میں نے سلطان کو معاہدے کی تفصیل سے آگاہ کر دیا ہے۔“

خلیفہ نے کہا: ”تو سلطان کو ایک بار پھر یہ لکھ دے کہ وہ سلطان کی دلہن تو ہے...“ پھر پوچھا: ”کیا تو میری بات توجہ سے سن رہا ہے؟“

ابو نصر نے عرض کیا: ”پوری توجہ سے۔ آپ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں کہتے رہیے، میں سن رہا ہوں۔“

”تو سلطان کو لکھ دے کہ یہ شادی خاندانی شرف و عزت حاصل کرنے کے لیے کی گئی تھی اس لیے زفاف کی شب کبھی بھی نہیں آئے گی۔“

ابو نصر نے جواب دیا: ”یہ بات سلطان کے علم میں ہے اس لیے اس کا دوبارہ سہ بارہ ذکر کرنا فضول ہے۔“

خلیفہ نے کہا: ”اور سلطان کو یہ بھی بتا دیا جائے کہ جب سلطان کا سیدہ خاتون سے آمنا سامنا ہوگا تو سیدہ خاتون اپنے چہرے پر نقاب ڈال لے گی، وہ سلطان کے احترام میں کھڑی نہیں ہوگی، وہ سلطان سے کسی قسم کی بات بھی نہیں کرے گی اور سلطان کا یہ فرض ہوگا کہ وہ سیدہ کا احترام کرے اور...“

ابو نصر کو خلیفہ پر غصہ آ رہا تھا۔ اس نے جواب دیا: ”یہ باتیں معاہدے میں تو موجود نہیں ہیں۔“

خلیفہ نے کہا: ”نہ ہوں معاہدے میں موجود۔ میں جو کہہ رہا ہوں۔“

ابو نصر نے ان نئی شقوں کے مضمرات کا ذکر کیا: ”شاید سلطان ان کی پابندی نہ کرے اور بات بگڑ جائے۔“

خلیفہ نے جواب دیا: ”میں جو کہہ رہا ہوں وہی ہوگا، ویسا ہی ہوگا۔“

ابو نصر نے کوئی وعدہ نہیں کیا: ”جس معاہدے پر میں نے دستخط کیے ہیں میں اس کا پابند ہوں اور سلطان بھی اسی کی پابندی کرے گا۔ اس کے سوا جو کچھ ہوگا اس کی پابندی نہ میں کروں گا نہ سلطان۔“

خلیفہ نے کہا: ”بہر حال میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس کو ذہن میں رکھو اور سلطان کو اس کی اطلاع دے دو۔“

ابو نصر خلیفہ کے پاس سے چلا آیا اور اس کے بعد خلیفہ نے ارسلان خاتون کو طلب کر لیا۔ ارسلان خاتون تو پہلے ہی بے زار تھی۔ اس نے خلیفہ کو منع کر دیا کہ میں اپنے چچا طغرل اور سیدہ کے بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔ ان دونوں کے علاوہ کوئی بات ہو تو ضرور کروں گی۔

خلیفہ نے طنزیہ سوال کیا: ”تجھ کو اتنا اختیار کس نے دے دیا کہ تو بات چیت میں مجھے یعنی امیر المومنین کو پابند کر دے؟“

ارسلان خاتون نے جواب دیا: ”میں امیر المومنین کی بیوی ہوں اور ایک بیوی اپنے شوہر سے اس طرح بات کر سکتی ہے۔“

خلیفہ نے اس کی بات ٹھیک سے نہیں سنی اور اسے حکم دیا: ”جب سلطان ہمارے کسی محل میں آئے گا تو تو سیدہ کے پاس موجود رہے گی۔ سیدہ کے چہرے کو نقاب میں تو چھپائے گی اور اپنے چچا طغرل کو تو یہ بتائے گی کہ وہ سیدہ سے دور رہے، سیدہ کا احترام کرے اور سیدہ سے باتیں کرنے سے گریز کرے۔“

ارسلان خاتون کو خلیفہ اور ابونصر کے مابین ہونے والے معاہدے کی شقوں کا کوئی علم نہیں تھا اس لیے اس نے دوسری ہی بات کی: "میرا چچا طغرل، سیدہ کا شوہر ہے اس لیے اب وہ دونوں زن و شوہر کی طرح رہیں گے۔ اس میں آپ مداخلت کیوں کریں؟"

خلیفہ نے تند و تیز لہجے میں کہا: "فضول باتیں نہ کر۔ میں جو کہہ رہا ہوں اس پر عمل کر۔ بس۔"

ارسلان خاتون نے سر کو ہلکا سا جھٹکا دیا اور یہ کہتی ہوئی وہاں سے چلی گئی: "میں یہ رشتے داریاں نہیں قبول کروں گی۔ اور اپنے چچا طغرل کے ساتھ چلی جاؤں گی۔ میرا یہاں کے محلات میں دم گھٹنے لگا ہے۔ اب میں یہاں نہیں رہ سکتی۔"

اب خلیفہ دیوان میں چلا گیا اور وہاں قاضی القضاۃ اور ابوالفتح منصور کو بھی طلب کر لیا۔ معاہدہ خلیفہ کے ہاتھوں میں موجود تھا۔

خلیفہ نے دونوں سے پوچھا: "کیا تم جانتے ہو کہ سلطان طغرل آذربائیجان سے چل چکا ہے؟"

دونوں نے جواب دیا: "ہاں، ہمیں معلوم ہے۔"

خلیفہ نے معاہدہ قاضی القضاۃ کے ہاتھ میں دے دیا۔ "میں چاہتا ہوں، سلطان کی آمد سے قبل اس میں چند شقوں کا اضافہ کر دیا جائے۔"

خلیفہ کی باتوں نے دونوں کو پریشان کر دیا ــــ وہ دونوں ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔

خلیفہ نے پوچھا: "یہ تم دونوں ایک دوسرے کو کس طرح دیکھ رہے ہو؟"

قاضی القضاۃ نے پوچھا: "کیا امیرالمومنین نے ان نئی شقوں کے بارے ابونصر سے بھی بات کر لی ہے؟"

خلیفہ نے جواب دیا: "میں نے ان نئی شقوں کا ذکر ابونصر سے بھی کر دیا۔ اب وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کو کچھ بتلایا نہیں گیا۔"

ابوالفتح منصور نے عرض کیا: "لیکن امیرالمومنین! ان نئی شقوں پر آپ کے اور ابونصر کے ایک ساتھ دوبارہ دستخط ہونا چاہئیں۔"

خلیفہ نے ابوالفتح کو آنکھیں دکھلائیں: "تو خاموش رہ، میں قاضی القضاۃ سے بات کر رہا ہوں۔" پھر ان نئی شقوں کے بارے میں قاضی القضاۃ کو بتایا گیا۔ وہ معاہدے میں ان کو بھی شامل کرتا رہا۔ آخر میں قاضی القضاۃ کو حکم دیا گیا کہ ابونصر کے دستخط ان نئی شقوں پر بھی لے لیے جائیں۔

دہلی کا واقعہ

محمد اعظم نے T.V خریدا جس کی گارنٹی ایک سال کی تھی۔ جب بھی T.V بگڑا محمد اعظم نے کمپنی کو فون کیا، مکینک آیا اور درست کر گیا۔

ایک سال بعد خراب ہوا تو اپنے علاقے کے مکینک سے رجوع کرنا پڑا۔ مکینک نے تیس روپے فیس جمع کرائی، شام کو آیا T.V دیکھا، اینٹینا گھمایا اور چلا گیا۔ T.V کام کرنے لگا۔ ہر مہینے میں ایک دو بار ایسا ہوتا رہا۔ ایک روز محمد اعظم نے ایک دوکان پر T.V گائیڈ نامی کتاب دیکھی، دس روپے میں خرید لی۔ پڑھا تو معلوم ہوا کہ 75% T.V کی خرابی صرف انٹینا کی خرابی سے ہوتی ہے۔ آخر میں کتاب والا کا چھاپا ہوا کلر T.V گائیڈ کا بھی اشتہار دیکھا، محمد اعظم نے کلر T.V گائیڈ بھی تیس روپے میں خرید لیا اور اسے پوری توجہ سے کئی کئی بار پڑھا۔ بہت سی باتیں معلوم ہوئیں۔ تو محمد اعظم نے ہمت کر کے مرمت کا سامان جو T.V کو چیک کرنے میں مدد دیتا ہے ستر روپے میں خرید لیا۔ اپنے T.V پر ہی پہلا کام کیا اور کامیاب رہا۔ ہمت بڑھی۔ پڑوس کے لوگوں کے T.V بھی درست کئے اور تین مہینے میں خود پر بھروسہ کرنے لگا۔ ایک دن دیکھا۔ محمد اعظم کے گھر پر بورڈ لگا تھا:

کلر و بلیک اینڈ وائٹ T.V ریپیر باکس
ملنے کا وقت صبح ۸ سے ۹ بجے تک شام چھ بجے کے بعد

اس طرح محمد اعظم نے اپنے لیے پارٹ ٹائم ہرک حاصل کر کے اپنی آمدنی بھی بڑھائی اور اپنے T.V کی مرمت فیس سے بھی بچ گیا۔ ہر وہ انسان جو اردو پڑھنا جانتا ہو اور T.V سے دلچسپی رکھتا ہو۔ T.V گائیڈ اور کلر ٹی وی گائیڈ پڑھ کر اچھا مکینک بن سکتا ہے۔

رام کرشن اگروال

قاضی القضاۃ نے جواب دیا "میں ابونصر سے کہوں گا لیکن مجھ کو یقین نہیں کہ وہ ان پر دستخط بھی کرے گا۔"

خلیفہ نے کہا "اگر وہ دستخط نہیں بھی کرے گا تب بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

کسی میں بھی اتنی ہمت نہیں تھی کہ خلیفہ کی مرضی کے خلاف بحث و مباحثہ کرتا۔ خلیفہ نے جو کچھ کہا قاضی القضاۃ نے معاہدے میں شامل کر دیا۔

خلیفہ معاہدے کو سنبھال کر سلطان کا انتظار کر رہا تھا۔ محرم کے مہینے میں سلطان بغداد سے دس فرسخ دور مشرق میں عکبرا نامی شہر کے قریب پہنچ گیا۔ اس کے شمال میں قفص نامی ایک ترقی یافتہ گاؤں آباد تھا۔ اس گاؤں کی خوبصورت عمارتیں دیکھنے سے تعلق رکھتی تھیں۔ عباسی خلفاء یہاں تفریحاً قیام کرتے تھے۔ طغرل نے بھی اس گاؤں میں قیام کیا۔ عباسی وزیر نے سلطان کا اس گاؤں میں استقبال کیا اور سلطان کو بتایا کہ امیر المومنین آپ کے منتظر ہیں۔

اس دوران ابونصر بھی قفص پہنچ گیا اور سلطان کو خلیفہ کی بدعہدی سے مطلع کیا۔

سلطان نے کہا "نکاح تو ہو چکا۔ اب وہ کس قسم کی بدعہدی کا مرتکب ہو رہا ہے؟"

ابونصر نے جواب دیا "خلیفہ کہتا ہے کہ سیدہ کی آپ صورت بھی نہیں دیکھیں گے۔ جب آپ اس کے سامنے جائیں گے تو اس کے چہرے پر نقاب پڑی ہوگی۔ وہ آپ کے احترام میں کھڑی بھی نہیں ہوگی بلکہ آپ اس کا اسی طرح احترام کریں گے جس طرح امیر المومنین کا کرتے ہیں۔"

سلطان نے ابونصر کی ہمت افزائی کی "پھر تو کیوں پریشان ہے؟ معاہدے میں جو کچھ بھی ہے میں اس کا پابند ہوں۔"

ابونصر نے اندیشہ ظاہر کیا "مجھے ڈر ہے کہ آپ کے بغداد تک پہنچتے پہنچتے خلیفہ معاہدے میں اپنی طرف سے کچھ اور شقوں کا اضافہ کر دے گا۔"

سلطان نے جواب دیا "یاد رکھ جیت ہماری ہے۔ خلیفہ مجھ سے نہیں جیت سکتا۔"

سلطان نے قفص میں چند دن قیام کیا اس کے بعد بغداد روانہ ہو گیا۔

وزیر سلطان سے پہلے بغداد میں پہنچ گیا کیونکہ اس کو سلطان اور اس کی نئی نویلی دلہن کے لیے قصر خلافت ہی کے ایک حصے کو مزین اور آراستہ کرنا تھا۔

سلطان کو بغداد کے دروازے پر ہی بتا دیا گیا کہ اس کو قصر کے کس حصے میں قیام کرنا ہے۔

جب سلطان قصر کے مذکورہ حصے میں داخل ہوا تو ایک کنیز نے معاہدہ سلطان کے سامنے کر دیا "براہ کرم اس معاہدے کو ضرور پڑھ لیں۔"

سلطان نے معاہدے پر ایک سرسری نظر ڈالی اور کنیز کو جواب دیا "میں اس معاہدے کا پابند ہوں اور اس کی ایک ایک شق کا خاص خیال رکھوں گا۔"

کنیز نے کہا "ایک ایک شق کا آپ خاص خیال رکھیں گے؟"

سلطان نے اس کو کوئی جواب نہیں دیا اور محل کے اس حصے میں چلا گیا جو اس کے لیے مخصوص اور مزین کیا گیا تھا۔ یہاں سلطان کا ایک خاص کمرا تھا۔ اس کمرے میں سلطان کے آرام و آسائش کی ہر چیز موجود تھی۔ خوشبو سے کمرا مہک رہا تھا۔ دیباج اور ریشم کے قیمتی لباس، جوتے اور چادریں۔ دیواروں کو قیمتی کپڑوں کے پردوں سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔

سلطان نے یہاں اپنی خدمت کے لیے چند خدام کو متعین کیا تھا۔

قاضی القضاۃ نے سلطان کی خدمت میں حاضری دی اور اس کو یاد دلایا کہ سیدہ اس کی بیوی ضرور ہے لیکن اس سے بیوی جیسا سلوک نہیں ہوگا۔

سلطان نے ناخوشگوار لہجے میں پوچھا "یہ سب مجھ کو بار بار کیوں یاد دلایا جا رہا ہے؟"

قاضی القضاۃ نے جواب دیا "سلطان تو خود دانا و بینا ہیں۔ ہم سب کسی کے تابع فرمان ہیں اور اکثر و بیشتر کام اپنی مرضی کے خلاف انجام دیتے ہیں۔"

سلطان نے کہا "مجھ کو تجھ سے ہمدردی ہے۔ براہ کرم معاہدے کی ایک نقل مجھے بھی دے دی جائے تاکہ میں اس کی ایک ایک شق کا خیال رکھوں اور ان کا پابند اور کاربند رہوں۔"

قاضی القضاۃ نے جواب دیا "کل تک آپ کو مہیا کر دی جائے گی۔"

سلطان نے کہا "اور اس کا خاص خیال رہے کہ معاہدے کی اس نقل پر امیر المومنین اور ابونصر کے دستخط ہونا چاہئیں۔"

قاضی القضاۃ چلا گیا۔ سلطان نے اپنے قصر میں شام تک ان کنیزوں کو بھی بلا لیا جو سیدہ کے لیے خریدی گئی تھیں۔

وہ تحائف اور ملبوسات بھی پوٹلوں کی شکل میں بندھے رکھے تھے جو سلطان سیدہ کی خدمت میں خود پیش کرنا چاہتا تھا۔

اس روز سہ پہر کو رے سے شہزادہ سلیمان اور اس کی ماں بھی بغداد پہنچ گئے۔ یہ دونوں سلطان کی شادی میں شرکت کرنے آئے تھے۔ ابونصر نے ان کو ایک شاندار قصر میں ٹھہرایا

شہزادہ سلیمان کی ماں، سلطان کے پاس محل میں ٹھہرنا چاہتی تھی مگر اس کو وہاں نہیں جانے دیا گیا۔

ابونصر نے اسے بتایا کہ وہ محل میں اس لیے نہیں جا سکتی کہ یہاں خلیفہ کا حکم چلتا ہے اور خلیفہ اپنی بیٹی سیدہ اور سلطان کے سوا کسی کو بھی محل میں نہیں رہنے دے گا۔

شہزادے کی ماں ابونصر سے شرمندہ تھی۔ اس نے خمارتگین کا سہارا لیا تھا لیکن وہ سہارا بھی عارضی اور ناپائدار نکلا اور قسمت نے دونوں ماں بیٹے کو ایک بار پھر ابونصر کے رحم و کرم کے حوالے کر دیا۔ اب وہ کسی ایسے موقع کی تلاش میں تھی جب وہ دوبارہ ابونصر کا اعتماد حاصل کرے۔

ابونصر بہت مشغول تھا اور اس کو سلطان کے سوا کسی اور کی طرف توجہ دینے کی فرصت ہی نہ تھی۔

شام کو الپ ارسلان بھی بغداد میں داخل ہو گیا۔ شہزادہ سلیمان اور اس کی ماں کو الپ ارسلان کی آمد کا علم ہوا تو دونوں پریشان ہو گئے۔

ابونصر نے الپ ارسلان کو خاصی عزت و تکریم سے نوازا جس کا وہ مستحق تھا۔ اس طرح ابونصر، شہزادہ سلیمان اور اس کی ماں کو خمارتگین کے عہد کا ماضی یاد دلا رہا تھا۔

شہزادہ سلیمان نے اپنی ماں سے کہا: "اب ہمیں کسی اور سے نہیں، خود الپ ارسلان سے ملنا چاہیے۔"

ماں نے پوچھا: "اس سے مل کر کیا کرو گے؟"

شہزادہ سلیمان نے جواب دیا: "میں شہزادہ الپ ارسلان سے کہوں گا کہ وہ میرے راستے میں نہ آئے۔"

ماں نے جواب دیا: "یہ کیسی احمقانہ بات کر رہا ہے تو۔ حکومت طغرل کے پاس ہے۔ وہ جس کو چاہے دے۔"

شہزادہ سلیمان نے ابونصر کی شکایت کی: "اب ابونصر بھی الپ ارسلان سے مل گیا ہے۔"

ماں نے تاسف آمیز لہجے میں کہا: "یہ میں بھی دیکھ رہی ہوں اور اپنی غلطیوں پر آنسو بہا رہی ہوں۔ ہم نے خمارتگین پر بھروسا کیا اور ابونصر کو نظر انداز کیا۔ اس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔"

سلیمان نے چڑچڑے انداز میں پوچھا: "اب سوال تو یہ ہے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔"

ماں نے فی الفور جواب دیا: "ابونصر سے دوستی، ہمیں اس کا اعتماد دوبارہ حاصل کرنا ہو گا۔"

سلیمان نے پوچھا: "کس طرح؟"

ماں نے جواب دیا: "تو یہ کام مجھ پر چھوڑ دے اور دیکھ، کوئی ایسا ویسا قدم نہ اٹھانا کہ بعد میں شرمندگی ہو اور منزل اور زیادہ دور ہو جائے۔"

بات ختم ہو گئی اور ماں نے اس روز الپ ارسلان کو اپنے خیمے میں طلب کر لیا۔

الپ ارسلان نے حاضری دینے سے انکار تو نہیں کیا لیکن وہ گیا بھی نہیں، بس ملنے کا وعدہ کر لیا۔

سلیمان کی ماں کا دوسرا پیغام سلطان طغرل کے نام تھا۔ "میں سلیمان کے ساتھ آپ کی خوشیوں میں شریک ہونے آگئی ہوں۔ آگے جو آپ کا حکم۔"

سلطان نے ایک ترک امیر کے ذریعے یہ معلوم کرنا چاہا کہ وہ اپنے بیٹے کے ساتھ اتنی دور کیوں آگئی ہے؟

اس نے سلطان طغرل کو پیغام بھیجا: "فی الحال تو میں واپس جانے سے رہی اور جب یہاں تک آ ہی گئی ہوں تو آپ سے ملے بغیر واپس جانے سے رہی۔ آپ مجھ سے چند باتیں کر لیں، میں واپس چلی جاؤں گی۔"

سلطان کے پاس ملاقات کے لیے ذرا سا بھی وقت نہیں تھا۔ رات کو وہ اس کے پاس خیمے میں پہنچ گیا۔

سلیمان کی ماں اس کو چوروں کی طرح اپنے سامنے دیکھ کر مسکرائی: "میں جانتی تھی کہ آپ ضرور آئیں گے۔"

سلطان کو بڑی جلدی تھی، کہنے لگا: "تجھ کو مجھ سے کیا بات کرنا ہے؟ جلدی کر لے اور پھر واپس چلی جا۔"

اس نے کہا: "اس عمر میں نئی نویلی دلہن کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی آپ کو؟"

سلطان نے اس بات کا جواب نہیں دیا، کہا: "کام کی بات کر۔"

اس نے ابونصر کی شکایت کی: "ابونصر آپ کی خدمت میں ایسا لگا کہ میرے لیے اس کے پاس وقت ہی نہیں رہا۔ اس کو سمجھائیں کہ وہ ہمیں نظر انداز نہ کرے۔"

سلطان نے جواب دیا: "میں اسے سمجھا دوں گا۔ وہ کل ہی تجھ سے ملے گا۔" پھر پوچھا: "بس یا اور کچھ؟"

اس نے کہا: "بس ایک بات اور، آخری بات۔"

سلطان واپس جانے کے لیے بے چین ہو رہا تھا۔ "پھر جلدی کر اپنی آخری بات۔"

اس نے جواب دیا: "اب آپ سیدہ سے شادی کر چکے ہیں۔ ہو سکتا ہے، اس سے کوئی اولاد ہو جائے۔"

سلطان نے آگے کی بات ہی نہیں سنی: "اس سے کوئی اولاد نہ ہو گی، یہ میں جانتا ہوں۔ جب زفاف کی رات ہی نہیں آئے گی تو اولاد کیسے ہو گی؟"

وہ حیرت سے سلطان کی شکل دیکھ رہی تھی: "زفاف کی رات ہی نہیں ہو گی! کیا مطلب؟"

سلطان نے جواب دیا: "یہ ساری باتیں بعد میں بھی ہو سکتی ہیں۔ فی الحال تو آخری بات بتا۔"

اس نے کہا: "ولی عہدی کا مسئلہ اسی وقت طے کر دیں، ابھی اور اسی وقت۔"

سلطان نے جواب دیا: "یہ مسئلہ بھی دو چار دن میں طے کر دوں گا لیکن اس وقت نہیں۔"

"لیکن وہ نہیں مانی: "سلطان اب میں آپ سے دور ہو جاؤں گی اس لیے یہ مسئلہ آج ہی طے پا جانا چاہیے۔"

سلطان نے غصے میں جواب دیا: "کیوں، آخر کیوں؟ آج ہی اور اسی وقت کیوں؟"

وہ ہنسنے لگی۔ اس پر سلطان کے غصے کا کوئی اثر نہ ہوا۔ "آپ میں اتنی تبدیلی تو آ گئی کہ آپ میری معقول بات پر مجھے آنکھیں دکھا رہے ہیں۔"

سلطان ایک دم نرم پڑ گیا: "دیکھ، موقع اور وقت کی نزاکت کو دیکھ۔ میں تیری ہر بات مان لوں گا لیکن اس وقت مجھ کو جانے دے۔"

اس نے جواب دیا: "اچھا آپ جائیں اس وقت لیکن میں اس وقت تک یہیں بغداد میں رہوں گی جب تک ولی عہدی کا مسئلہ طے نہیں پا جاتا۔ اور کل ابو نصر کو اس ہدایت کے ساتھ میرے پاس بھیج دیں کہ مجھ سے بے اعتنائی کسی طرح بھی اس کے حق میں نہ ہو گی۔"

سلطان فوراً واپس چلا گیا اور اسی وقت ابو نصر کو یہ حکم دیا کہ وہ شہزادہ سلیمان کی ماں سے صبح مل لے اور اس کو کسی قسم کی شکایت کا موقع نہ دے۔

سیدہ خاتون کو زرنگار لباس پہنا کر اور خوبصورت زیورات سے آراستہ کر کے ایک اونچے تخت پر بٹھا دیا گیا۔ سلطان طغرل کی کنیزوں نے سیدہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور اس کی دل جوئی کرنے لگیں۔ ان میں سے دو نے مگس رانی کا فریضہ انجام دیا۔ سیدہ کے چہرے پر نقاب پڑا ہوا تھا لیکن نقاب کی باریک جالی سے اس کا حسن چھن رہا تھا۔

چاندی کی ایک چھوٹی سی نیچی چوکی سیدہ کے تخت کے پاس بھی رکھ دی گئی۔

سلطان طغرل کی بھتیجی اور امیر المومنین کی بیوی ارسلان خاتون بھی وہاں موجود تھی۔ اس کے ہاتھ میں وہ صلوٰۃ نامہ تھا

جس کا ایک فریق خلیفہ تھا اور دوسرا سلطان طغرل لیکن سلطان طغرل کی نیابت کا فرض ابو نصر نے انجام دیا تھا۔ اس صلح نامے کو قاضی القضاۃ نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔

سلطان طغرل کو اس کے کمرے میں مطلع کر دیا گیا کہ اب وہ سیدہ کے پاس جا سکتا ہے۔

سلطان اپنے کمرے سے اس طرح نمودار ہوا کہ اس کے آگے چار کنیزیں، سلطان سے دو قدم پیچھے اپنے کاندھوں پر قیمتی تحائف لادے ہوئے ساتھ ساتھ چل رہی تھیں۔

جب سلطان سیدہ کے قریب پہنچا تو اس کے قدم ڈگمگا گئے۔ سلطان ایک قسم کے احساس کمتری میں مبتلا ہو چکا تھا۔

ارسلان خاتون نے سلطان کا استقبال کیا اور سلطان سے کہا: "جناب والا! آپ اپنی دلہن کے پاس جانے سے پہلے اس صلح نامے کی شقوں پر ایک نظر ضرور ڈال لیجیے گا۔"

سلطان نے ایک قیمتی ہار اور چند پوشاکیں ارسلان خاتون کو بھی دیں۔ اس نے اپنے چچا کا شکریہ ادا کیا۔

ارسلان خاتون نے اپنے چچا کا ہاتھ پکڑا اور اسے چاندی کے تخت تک لے گئی۔

اس نے چاندی کے تخت کی طرف اشارہ کیا: "یہ کیا ہے، آپ اس کو یعنی یہ کہ . . ."

سلطان نے اس کی بات پوری نہیں سنی: "ایک سچے موتیوں کا چار لڑی ہار اور خوشبویات کے ڈبے ارسلان خاتون کے حوالے کیے اور کہا: "ان کو میری طرف سے سیدہ کی خدمت میں پیش کر دے۔"

ارسلان خاتون نے وہ چیزیں سیدہ کی خدمت میں پیش کر دیں۔ اس میں وہ زرنگار فرجیہ بھی تھی جسے بغداد کے نامی گرامی خیاط نے تیار کیا تھا۔

ارسلان خاتون نے سلطان طغرل کو بتایا کہ آپ کو سیدہ کے قدموں میں اسی طرح زمین بوس ہونا ہے جس طرح امیر المومنین کے سامنے زمین بوس ہوا جاتا ہے۔

سلطان بلا تامل زمین بوس ہو گیا۔

ارسلان خاتون نے سیدہ سے کہا: "اب آپ سلطان کی مزاج پرسی میں چند کلمات ادا کر سکتی ہیں۔"

لیکن مغرور سیدہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

سلطان نے زمین سے سر اٹھا کر سیدہ کی طرف دیکھا۔ سیدہ نے اپنے چہرے کو اس طرح جھکا لیا کہ سلطان اس کے باریک جالیوں کے پیچھے چھپے ہوئے چہرے کو بس ذرا سی

جھلک کے طور پر دیکھ سکا۔

سلطان کو بتایا گیا کہ وہ سیدہ کو باتیں کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔

سلطان اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے قرار تھا۔ اس کی نظریں بار بار سیدہ کے نقاب میں چھپے چہرے کی طرف جاتیں اور بے نیل و مرام واپس آجاتیں۔

اس سے کہا گیا کہ اب وہ سامنے بچھے ہوئے چاندی کے تخت پر بیٹھ جائے۔

سلطان اس پر بیٹھ گیا اور سیدہ سے درخواست کی۔ "جب تُو نے اپنا چہرہ نقاب میں چھپا ہی لیا ہے تو اب اسی حال میں اسے میری نظروں کے سامنے رہنے دے۔"

سیدہ نے ارسلان خاتون کو اشارے سے اپنے قریب بلایا اور اس کے کان میں کچھ کہا۔

ارسلان خاتون نے بآوازِ بلند سلطان کو مطلع کیا: "جناب سیدہ فرما رہی ہیں کہ آپ کی خواہش پوری کر دی گئی۔ اب کسی اور بات کے لیے آپ مجبور نہ کریں۔"

سیدہ جب ارسلان خاتون کے کان کو منہ سے لگا کے بات کر رہی تھی تو اس کے ہاتھ کا کنگن جس کو عرب 'سوار' کہتے تھے' اپنے موتیوں کی چمک دمک سے سلطان کو ڈانواں ڈول کیے دے رہا تھا۔ اس کے کانوں کے آویزے جنہیں وہ لوگ قرط کہتے تھے' سر کی جنبش سے ہل کر سلطان کے دل کو ہلائے دے رہے تھے۔

سلطان نے کہا: "یہ معاہدہ جس کی میں پابندی کر رہا ہوں' میرے وزیر ابونصر اور آپ کے والد قائم بامراللہ کے مابین طے پایا تھا۔ یہ میری صد درجہ شرافت ہے کہ میں اس کا پابند ہو گیا ہوں۔ آپ میرا امتحان نہ لیں اور اپنا چہرہ میرے سامنے رکھیں۔ میں آپ سے ہرگز یہ نہ کہوں گا کہ آپ اپنے چہرے کی نقاب اتار دیں۔"

سیدہ نے چہرے سے نقاب تو نہیں دور کیا مگر چہرہ جو پہلے جھکا ہوا تھا اب سیدھا سلطان کے سامنے تھا۔ سلطان نے جالی دار نقاب کے پیچھے وہ تل بھی دیکھ لیا جو اس کے داہنے رخسار پر تھا اور بہت اچھا لگتا تھا۔ اس نے کہا: "سیدہ خاتون! مجھ سے اچھا تو یہ بھنورا ہے جو تل بن کے تیرے رخسار میں پیوست ہو گیا ہے۔"

سیدہ نے ارسلان خاتون کے کان میں کہا: "سلطان سے کہہ دے کہ اس بڑھاپے میں تیری یہ شاعری اچھی نہیں لگ رہی۔"

ارسلان خاتون نے معذرت کر لی: "افسوس کہ میں یہ بات نہیں کر سکتی۔"

سیدہ نے کہا: "اچھا تب پھر تو سلطان سے یہ کہہ دے کہ سلطان نے میرے تل کی شان میں جو کچھ کہا ہے اگر یہ بات کسی پچیس سالہ نوجوان نے کی ہوتی تو بہت مزہ آتا۔"

ارسلان خاتون نے جواب دیا: "میں یہ بات بھی نہیں کہہ سکتی۔"

سلطان نے اپنی بھتیجی سے پوچھا: "یہ کیا کہہ رہی ہے؟"

ارسلان خاتون کو شرم آ رہی تھی۔ وہ جواب دیے بغیر ہی واپس چلی گئی۔

سلطان نے اسے آواز دی لیکن اس نے پلٹ کر دیکھا تک نہیں۔ اب سلطان اور سیدہ تنہا رہ گئے تھے کنیزیں بھی تخلیہ کر کے ادھر ادھر ہو گئیں۔

سلطان دیر تک سیدہ کی شان میں قصیدہ پڑھتا رہا۔ سیدہ زیر لب مسکراتی رہی۔ سلطان سیدہ کی آواز سننا چاہتا تھا مگر وہ بالکل خاموش رہی اور سلطان سیدہ کو بولنے پر مجبور نہیں کر سکا۔ اس نے کئی بار کوشش کی کہ سیدہ کے چہرے کی جھلک تو دیکھتا رہے لیکن اس میں بھی ناکام رہا۔ سیدہ جہاں بٹھا دی گئی تھی وہیں بیٹھی رہی۔ سلطان اس کے قد و قامت کا اندازہ بھی نہیں لگا سکا۔

سلطان نے ابونصر کو برا بھلا کہنا شروع کیا: "ابونصر! تُو نے یہ کیسا معاہدہ کر لیا کہ میں بالکل مجبور اور بے بس ہو کر رہ گیا ہوں۔"

کچھ دیر بعد اس نے کہا: "لیکن شاید معاہدے میں بات چیت پر کوئی پابندی نہیں۔ سیدہ! یہ آپ مجھ پر ظلم کر رہی ہیں۔ آپ کو مجھ سے بات ضرور کرنا چاہیے۔"

سیدہ نے پھر کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ گونگی نظر آنے لگی تھی۔

دوپہر تک دل برداشتہ ہونے کے بعد وہ وہاں سے چلا آیا اور ابونصر سے پوچھا: "تو نے یہ کیسا معاہدہ کیا ہے کہ سیدہ بولتی تک نہیں۔"

ابونصر نے جواب دیا: "خلیفہ نے معاہدے کے بعد بھی اس میں کچھ اضافے کیے ہیں۔"

سلطان نے اپنا سر پکڑ لیا۔ وہ بیمار ہو رہا تھا اور درد نے مزاج میں تکدر پیدا کر دیا تھا۔

شادی کی مبارک باد دینے والوں نے حاضریاں دینا شروع کر دیں۔ امرا اور عمال نے سلطان کو مبارک باد دی۔ اور سلطان سے انعام و اکرام اور تحائف اور ہدایا وصول کیے

ان میں شہزادہ الپ ارسلان بھی شامل تھا۔ اس نے بھی شادی کی مبارک باد دی اور عرض کیا: "اس شادی سے آپ نے جو اعزاز اور مرتبہ حاصل کیا ہے، ماضی میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔"

سلطان اپنے اس ہونہار اور لائق بھتیجے سے بڑی محبت کرتا تھا اور اس میں وہ سارے اوصاف اور خوبیاں اسے نظر آ رہی تھیں جو سلطان کے جانشین میں اسے درکار تھیں اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ان دنوں الپ ارسلان اسے اپنے آس پاس کیوں نظر آ رہا ہے۔

سلطان نے اس سے پوچھا: "الپ ارسلان! کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تو مرو کے بجائے بغداد میں کیوں نظر آ رہا ہے؟"

الپ ارسلان نے جواب دیا: "میں اپنے خاندان کی اس عظیم خوشی میں شرکت کو بہت بڑا اعزاز سمجھتا ہوں۔"

سلطان مسکرا رہا تھا: "ہاں ایک یہ سبب بھی ہو سکتا ہے۔"

الپ ارسلان نے عرض کیا: "بس یہی ایک سبب ہے۔"

سلطان نے اسے اپنے قریب بلایا: "میرے پاس آ جا، میرے قریب، میرے پیارے بھتیجے! میں تیری پریشانیوں سے خوب آگاہ ہوں۔"

ایک خدمت گار نے سلطان کو مطلع کیا: "ابونصر حاضری کا خواہش مند ہے۔"

سلطان نے ابونصر کو اندر بلوالیا۔ وہ سلطان کے پاس شہزادہ الپ ارسلان کو دیکھ کر واپس جانا چاہتا تھا مگر سلطان نے اسے نہیں جانے دیا۔

ابونصر نے عرض کیا: "میں پھر آ جاؤں گا۔"

سلطان نے [illegible] دیا: "پھر کیوں؟ تو یہیں موجود رہ، اور ہم دونوں کی باتیں سن۔"

ابونصر کی موجودگی میں شاید الپ ارسلان بھی وہ باتیں نہیں کرنا چاہتا تھا جن باتوں کے لیے وہ آذربائیجان گیا تھا اور آذربائیجان سے بغداد آگیا تھا۔ الپ ارسلان نے جانے کی اجازت چاہی اور عرض کیا: "میں مبارک باد دینے آیا تھا۔ سو دے چکا۔ اب میرا یہاں کیا کام؟"

سلطان نے جواب دیا: "الپ ارسلان، تو میرا سب سے لائق بھتیجا ہے۔ اس لیے تجھ کو دوسروں سے زیادہ جری اور حوصلہ مند بھی ہونا چاہیے۔"

الپ ارسلان نے سلطان پر اچٹتی نظر ڈالی اور عرض کیا: "عم محترم! میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

سلطان نے کہا: "لیکن میں نے تیرا مطلب پالیا ہے۔ تو آذربائیجان کیوں پہنچا تھا اور آذربائیجان سے یہاں کیوں آیا، میں خوب جانتا ہوں۔"

الپ ارسلان خاموش ہو گیا۔

اب سلطان نے ابونصر کو بھی اس بات چیت میں شریک کر لیا۔ اس سے پوچھا: "اے ابونصر! سچ سچ بتا کہ اگر میں تجھ سے یہ پوچھوں کہ میرے بھتیجوں میں سب سے زیادہ لائق کون ہے تو تو کس کا نام لے گا؟"

ابونصر نے کن انکھیوں سے الپ ارسلان کی طرف دیکھا اور جواب دیا: "کسی کا بھی نہیں کیونکہ سلطان کی موجودگی میں میں۔۔۔"

سلطان نے ہاتھ کے اشارے سے اسے خاموش کر دیا اور شہزادہ الپ ارسلان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "کیا الپ ارسلان سے زیادہ لائق کوئی اور ہے؟"

ابونصر نے جواب دیا: "یہ عاجز اور نادان کیا عرض کرے۔"

سلطان نے اس کو آزادی سے بات کرنے کی اجازت دے دی: "ابونصر! میں نے تجھے کو آزادی دی۔ بلا جھجک باتیں کر۔"

ابونصر نے جواب دیا: "افسوس کہ میں اس معاملے میں کوئی رائے نہیں دوں گا۔"

الپ ارسلان نے بے چینی سے ابونصر کی طرف دیکھا۔ اسے غصہ آ رہا تھا کہ ابونصر اس کا نام کیوں نہیں لے رہا۔

سلطان نے ابونصر کو مجبور نہیں کیا اور الپ ارسلان سے مخاطب ہو گیا: "الپ ارسلان! آج میں یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میرے بعد تو ہی میرا جانشین ہو گا۔"

ابونصر کے دل پر بجلی سی گری۔ وہ یہ بات سلطان کی زبان سے نہیں سننا چاہتا تھا۔

الپ ارسلان نے سلطان کی زبان سے جو کچھ سنا تھا وہی اس کی منزلِ مراد تھی اور وہی اس کا مقصود [illegible]۔

سلطان نے الپ ارسلان سے باتوں کا سلسلہ جاری رکھا: "اچھا اب جبکہ میں تجھ کو اپنا جانشین سمجھ چکا ہوں تجھ سے چند ایسے سوالات کروں گا جن سے تیری لیاقت حکمرانی کا امتحان ہو جائے گا۔"

الپ ارسلان دم بخود سلطان کے روبرو نظریں جھکائے کھڑا تھا۔

سلطان نے پوچھا: "شہزادے! کیا تو ہمیں بتائے گا۔۔۔ کہ دنیا میں موجود اقوام میں اقبال مند قوم کس کو کہا جائے گا؟"

الپ ارسلان نے جواب دیا: "صاحب کوئی قوم برسرِ اقتدار

ہو اور دُنیا اس کا ساتھ بھی دے رہی ہو۔"

شاید سلطان کی اس مختصر جواب سے تشفی نہیں ہوئی تھی۔ وہ الپ ارسلان کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

الپ ارسلان نے پوچھا: "کیا میرا جواب ناکافی ہے؟"

سلطان نے کہا: "ہاں، کچھ اور، ذرا وضاحت سے۔"

الپ ارسلان نے جواب دیا: "عم محترم! آپ نے جس اقبال مند قوم کا ذکر کیا ہے اس میں یہ خوبیاں ضرور ہونا چاہئیں۔"

سلطان نے پوچھا: "مثلاً کون سی خوبیاں؟"

الپ ارسلان نے جواب دیا: "یہ قوم جہاں بھی جائے سرخرو ہو۔ گھوڑے کی لگام جدھر بھی مڑے کامیابیاں اس کی ہم عنان ہوں۔ وہ جس کام میں ہاتھ ڈالے وہ کام کبھی بھی نہ بگڑے۔ وہ جہاں قدم رکھ دیں میخ کی طرح جم جائیں۔ وہ مٹی کو چھو کر سونا بنا دیں۔ وہ کیمیا گر ہوں۔"

سلطان اس کی باتیں سنتا رہا اور مسکراتا رہا۔

شہزادے نے سلطان کی مسکراہٹ دیکھ لی اور خاموش ہو گیا۔

سلطان نے کہا: "ہاں، اور ... اور ... بولتے رہو۔ چپ کیوں ہو گئے؟"

الپ ارسلان نے عرض کیا: "کیا میرا جواب شافی اور کافی نہیں ہے؟"

سلطان نے جواب دیا: "ہاں تیرا جواب نہ تو کافی ہے اور نہ ہی تسلی بخش۔"

ابونصر لاتعلق بنا بیٹھا تھا۔ دونوں کی باتیں سن رہا تھا مگر دلچسپی کسی میں بھی نہیں لے رہا تھا۔

الپ ارسلان نے عرض کیا: "عم محترم! میں نے جو کچھ جواب میں عرض کیا ہے شاید وہ کافی ہے۔"

سلطان ہنس رہا تھا: "نہیں، تیرا جواب مکمل ہے، کچھ باقی نہیں ہے۔"

الپ ارسلان نے جواب دیا: "پھر شاید میں صحیح جواب سے آگاہ نہیں ہوں۔"

سلطان نے کہا: "ہاں، میں تجھ کو بتا سکتا ہوں۔" اس کے بعد سلطان ابونصر سے مخاطب ہوا: "کیا تیرے پاس اس کا جواب ہے؟"

ابونصر نے جواب دیا: "اگر میرے پاس اس کا جواب ہو بھی تو اس سے شہزادے کو کیا فائدہ پہنچے گا۔ یہ سوال جس کا جواب شہزادے کو دینا ہے ایک قسم کا آزمائشی سوال ہے۔ اس کا جواب ہی شہزادے کو حکومت اور سلطان کی جانشینی کا اہل یا نااہل قرار دے دے گا۔"

الپ ارسلان کو ابونصر کی باتوں میں منافرت کی بو محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ ابونصر اس کی حوصلہ شکنی کر رہا ہے۔ یہاں اسے خواجہ حسن بہت یاد آیا۔

سلطان نے اسے خاموش دیکھ کر پوچھا: "تو تیرے پاس میرے سوال کا بس یہی حتمی جواب تھا؟"

الپ ارسلان نے جواب دیا: "جی عم محترم۔"

سلطان نے کہا: "تو نے جو کچھ کہا میں اس کو ایک عجیب اور دلنشین گپ سے زیادہ اہمیت نہیں دوں گا۔"

الپ ارسلان شرمندہ اور احساس کمتری کا شکار ہو رہا تھا۔ ابونصر کو بھی سلطان کی باتوں میں مزہ آ رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید سلطان اس طرح الپ ارسلان کو مسترد اور سلیمان کو نامزد کرنا چاہ رہا ہے۔

الپ ارسلان انتظار کر رہا تھا کہ سلطان مزید کیا کہتا ہے لیکن اس وقت یوں بڑی بدمزگی ہو گئی کہ شہزادہ سلیمان اپنی ماں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔

ابونصر نے ان دونوں کو دیکھ کر اٹھ جانا چاہا مگر سلطان نے اسے روک لیا: "تو بیٹھ، مجھ کو تجھ سے چند باتیں کرنا ہیں۔"

شہزادہ سلیمان کی ماں نے الپ ارسلان کو یہاں دیکھ کر کچھ بھانپ لیا، پوچھا: "کس قسم کے فیصلے ہو رہے ہیں؟"

سلطان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے ان دونوں کی آمد کو گراں بھی محسوس نہیں کیا۔

شہزادہ سلیمان کی ماں نے اپنی باتیں شروع کر دیں، پوچھا: "یہ کیسی شادی کی ہے کہ سنا ہے آپ نے اپنے دشمن کی ناصیہ فرسائی کی ہے؟"

سلطان نے کہا: "اے عورت! فوراً خاموش رہ۔ یہاں بہت کام کی باتیں ہو رہی ہیں۔"

شہزادہ سلیمان کی ماں برا مان گئی: "کیا میں فضول بات کر رہی ہوں؟"

سلطان نے جواب دیا: "ہاں، فضول اور سرتاپا فضول۔"

لیکن وہ نہیں مانی اور جو بات شروع کی تھی اس پر قائم رہی: "کسی ترک نے آپ جتنی ذلت نہیں اٹھائی ہو گی۔"

سلطان نے جواب دیا: "اور کسی ترک نے میرے جتنی عزت بھی حاصل نہیں کی ہو گی۔ میں خلیفہ کا داماد ہوں۔"

اس نے طنز کیا: "داماد، داماد اور کیسا داماد! جو اپنی بیوی کو خدا سمجھ کر سجدہ کرتا ہے اور بیوی اتنی مغرور کہ میں نے سنا ہے نہ تو اس نے اپنی شکل دکھائی اور نہ ہی کوئی بات کی۔ میرا خیال

ہے آپ نے اس کی آواز تک نہیں سُنی۔"

سلطان نے جواب دیا۔ "تو جو کچھ کہہ رہی ہے درست ہے مگر اس کے باوجود میں خلیفہ کا داماد ہوں۔"

اس بحث و تمحیص نے دوسروں کو بیزار کر دیا۔ الپ ارسلان نے کہا۔ "میں پھر آ جاؤں گا۔"

شہزادہ سلیمان کی ماں نے پوچھا۔ "کیا جانشینی کا مسئلہ طے پا گیا یا ابھی کچھ باقی ہے؟"

الپ ارسلان نے جواب دیا۔ "میاں ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ آپ خواہ مخواہ فکر مند نہ ہوں۔"

سلطان نے اس کو ایسی باتیں کرنے سے منع کر دیا۔ "تم دونوں کی آمد سے پہلے ہم دونوں بہت کام کی باتیں کر رہے تھے تو نے وہ سلسلہ ہی منقطع کرا دیا۔"

شہزادے کی ماں نے کہا۔ "تو وہ باتیں دوبارہ شروع کر دیں۔ میں بھی تو سنوں وہ کام کی باتیں۔"

سلطان نے شہزادہ سلیمان سے کہا۔ "تو بھی ذرا غور سے سُن ہم دونوں کی باتیں۔"

شہزادہ سلیمان نے اس بات میں دلچسپی ہی نہ لی۔ جس طرح بے نیازی سے بیٹھا تھا بیٹھا رہا۔

سلطان نے زیرِ بحث موضوع کے بارے میں ان دونوں کو مختصراً بتایا اور کہا۔ "اب جواب اس سوال کا درکار ہے کہ دُنیا کی اقبال مند قوم کے خصائص کیا ہوتے ہیں؟"

شہزادہ سلیمان کی ماں نے بڑے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔ "اس سوال کا جواب سلیمان بہت اچھا دے سکتا ہے۔" اس کے بعد سلیمان کو شاباش دی۔ "ہاں بیٹے، تو کیا ہے تیرے پاس اس سوال کے جواب میں؟"

شہزادہ سلیمان نے جواب دیا۔ "جب میں بادشاہ ہو جاؤں گا تب میں اپنے کسی لائق وزیر سے یہ سوال کروں گا اور پھر جو جواب میرا وزیر دے گا وہ آپ کے سامنے دُہرا دوں گا کیونکہ اس قسم کی دماغ سوزی بادشاہ نہیں کرتے۔"

سلطان نے اس کے جواب میں مسکراتے ہوئے کہا۔ "پھر جب سارے جواب وزیر ہی کو دینا ہوں گے تو پھر بادشاہ کیا کرے گا؟"

شہزادہ سلیمان نے جواب دیا۔ "حکومت۔"

سلطان نے شہزادہ سلیمان کو سینے سے لگا لیا۔ "ماشاءاللہ کیا جواب دیا ہے۔ کیسی رسا عقل پائی ہے تو نے۔"

ماں کا خوشی سے حال غیر ہو گیا، کہا۔ "میرا بیٹا بھی کسی سے کم نہیں ہے۔"

سلطان اس کا مذاق اُڑا رہا تھا۔ "تم کیا سنی! یہ ہم سب پر بھاری اور حاوی ہے۔"

الپ ارسلان نے پھر جانے کی اجازت چاہی۔

مگر سلطان نے تو اس کو ٹلنے بھی نہیں دیا۔ کہا۔ "الپ ارسلان، میری بات تو ادھوری ہی رہ گئی۔"

الپ ارسلان نے عرض کیا۔ "وہ پھر ہو جائے گی۔ . . . اس ماحول میں تو وہ بات نہیں ہو سکتی۔"

سلطان نے جواب دیا۔ "اس ماحول میں بھی وہ بات ہو سکتی ہے، بالکل ہو سکتی ہے۔"

شہزادہ الپ ارسلان، سلطان کا بھتیجا، سلیمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ سلطان کے کہنے سے رُک تو گیا لیکن خوشدلی سے نہیں، بیزاری سے۔

سلطان نے سلیمان سے کہا۔ "میں الپ ارسلان سے جو باتیں کر رہا ہوں انھیں زیادہ توجہ سے سُن، تیرے بہت کام آئیں گی۔"

اس بار ابونصر نے بھی زبان کھولی۔ شہزادہ سلیمان سے کہا۔ "آپ یہ تمام باتیں دھیان سے سنیں، بہت کام آئیں گی۔"

الپ ارسلان نے پہلی بار خود کو تنہا محسوس کیا۔ ابونصر بھی شہزادہ سلیمان ہی کا ساتھ دے رہا تھا۔

سلیمان کی ماں نے ابونصر کی توجہ اپنے بیٹے پر مبذول دیکھی تو اسے شکر گزار نظروں سے دیکھا۔

سلطان طغرل نے بطورِ خاص الپ ارسلان کو مخاطب کیا۔ "تو نے کسی قوم کی اقبال مندی کی جو نشانیاں بیان کی ہیں وہ اچھی خاصی گپ کے سوا کچھ نہیں۔ یاد رکھ، دُنیا کی کوئی قوم کوئی بھی حکومت زمانے کے حوادث سے محفوظ نہیں۔ اسے ہر حال میں نشیب و فراز سے گزرنا پڑتا ہے۔ کوئی قوم کتنی ہی مدبّر اور مقبل ہو، شہسواروں کی طرح گر بھی جائے گی تو دوبارہ سوار بھی ہو جائے گی۔ یاد رکھ، جہاں نفع ہو گا وہیں نقصان بھی ہو گا، جہاں روشنی ہو گی وہیں تاریکی بھی، جہاں جنت ہو گی وہیں جہنم بھی، جہاں بہار ہو گی وہیں خزاں بھی، جہاں نکھار ہو گا، وہیں کملاہٹ بھی، جہاں چمک ہو گی وہیں گہن بھی۔ کوئی ضعیف ہو یا قوی، مارضی ہو یا عراقی، سب کو زمانہ اس کی تھپیٹ کا مزہ ضرور چکھائے گا اور یاد رکھ کہ جن اقوام یا قوم میں اقبال کی ذرا سی رمق بھی موجود ہو گی ان کے لیے مرورِ ایام اتفاقی ہوں گی۔ اگر ان پر بلاؤں کا نزول ہو گا تو وہ اس سے گزر جائیں گی اور خود کو بچا لیں گی وہ ذرا سی ڈگمگا کر سنبھل جائیں گی۔ زمانے کی نیرنگیاں ان کو حیران نہیں کر سکتیں کوئی بھی ادھر ہو

کوئی بھی دُکھ ہو وہ اس کا مداوا تلاش کر لیں گی۔ ان پر حوادث کا نزول ہوگا لیکن یہ اس سے بچی رہیں گی۔ وہ اس طرح ہوشیار اور بیدار ہو جاتی ہیں جیسے کسی خواب پریشان کو دیکھ کر کوئی بیدار ہو جائے۔ ہر افسردگی کے بعد وہ بھڑک اٹھتے ہیں ہر پژمردگی کے بعد وہ چہک اٹھتے ہیں، ان کا پگھلنا بھی کسی سانچے میں ڈھلنے کی خاطر ہوتا ہے۔ وہ غوطہ لگاتے ہیں تو دُرِ نایاب کی حصولیابی کے لیے۔ اگر وہ کہیں رُکیں گے تو دم لے کر آگے چلنے کی خاطر، اگر وہ ٹھوکر بھی کھائیں گے تو سنبھلنے کی خاطر۔ وہ مرض کو سبب سے سمجھ لیتے ہیں۔ اگر وہ الجھیں گے تو اس سے پہلے سُلجھ چکے ہوں گے۔ ان کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ فرماں روا ہی ہوں، وہ رعایا میں سے ہوں یا خود کشور کشا ہوں، وہ سپاہی ہوں، تاجر ہوں یا ملّاح ہوں۔ اس سے بحث نہیں کہ وہ کیا ہیں لیکن ان کا اپنے آپ سے واقف ہونا ضروری ہے۔ ان کو اپنے بارے میں یہ ضرور معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کون ہیں کیا ہیں اور کہاں ہیں۔ وہ چھوٹے ہیں، بڑے ہیں یا معمولی ہیں یا گراں مایہ ہیں۔ وقت گزرنے کے بعد جب ان کو ہوش آجائے تو ان کو یہ نہیں زیب دیتا کہ وہ اپنی قسمت کو کوسنے دے کر چُپ چاپ بیٹھ جائیں۔ وہ سب متحد ہو کر کوشش شروع کر دیں اور اگر ان کے دامن پر کسی قسم کا داغ لگ گیا ہو تو اسے دھو کر ہی دم لیں۔"

سلطان طغرل کی باتیں الپ ارسلان تو خوب سمجھ رہا تھا لیکن شہزادہ سلیمان کے پلّے کچھ نہیں پڑ رہا تھا۔ وہ آنکھیں بند کر کے بار بار جماہیاں لے رہا تھا۔

سلیمان کی ماں نے بیزار ہو کر کہا: "اب بند بھی کریں اپنی نصیحتیں۔ ان کو یاد کون رکھے گا؟"

سلطان طغرل نے اس کو حقارت سے دیکھا: "تو خاموش رہ جاہل عورت! یہ باتیں تیری سمجھ میں نہیں آئیں گی۔"

ابونصر، سلطان کی تقریر سے سب سے زیادہ لطف اندوز ہو رہا تھا۔

لیکن سلطان نے یہ کہہ کر اپنی تقریر ختم کر دی: "اور آخری بات یہ کہ اقبال مند لوگ ہوں یا کوئی شخص، ان میں ایک بات مشترک ہوتی ہے۔ ان میں آسمان تک پہنچنے کی تاب و توانائی ہو یا نہ ہو لیکن ان کی پرواز جاری رہتی ہے اور وہ وہاں تک اپنی پرواز جاری رکھتے ہیں جہاں تک رسائی ممکن ہوتی ہے۔"

الپ ارسلان نے اس تقریر سے سب کچھ حاصل کر لیا۔ سلیمان اور اس کی ماں، الپ ارسلان کی موجودگی سے ناخوش تھے اور ابونصر ہر طرح انھی دونوں کو راضی رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ان حالات اور اس ماحول میں شہزادہ الپ ارسلان کا وہاں رہنا مناسب نہیں تھا اس لیے وہ اجازت لے کر چلا آیا۔

سلطان نے اس کو حکم دیا کہ وہ مرو واپس جائے۔

الپ ارسلان کے چلے جانے کے بعد سلیمان کی ماں نے ابونصر سے کہا: "کچھ دیر کے لیے تم بھی یہاں سے چلے جاؤ۔"

سلطان نے اسے روکنا چاہا: "ابونصر کیوں جائے؟"

پھر ابونصر سے کہا: "تجھ کو یہاں سے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

لیکن وہ نہیں مانی اور ابونصر کو حکم دیا: "اب تم چلے جاؤ۔ میں جو کہہ رہی ہوں۔"

ابونصر نے سلطان کی طرف دیکھا: "کیا میں....؟"

سلطان نے بات کاٹ دی: "بس ذرا سی دیر کے لیے، اس ناقص العقل عورت کی خاطر۔"

ابونصر چلا گیا۔ اب سلطان، سلیمان اور اس کی ماں ایک دوسرے سے آزادانہ باتیں کر سکتے تھے۔

سلطان نے کچھ دیر بعد سلیمان سے پوچھا: "میں نے جو کچھ کہا، تیری سمجھ میں کچھ آیا؟"

لیکن جواب سلیمان کے بجائے اس کی ماں نے دیا۔ "آپ جس سے باتیں کر رہے تھے اس نے سمجھ لی ہوں گی۔"

سلیمان نے کہا: "باتیں ذرا مشکل تھیں، کچھ سمجھ میں آگئیں، کچھ نہیں آئیں۔"

لیکن سلیمان کی ماں کچھ اور ہی فیصلہ کر کے آئی تھی۔ "آپ نے ایک جوان لڑکی سے شادی بھی کر لی۔ میں نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اب جانشینی اور ولی عہدی کا مسئلہ بھی حل ہو جانا چاہیے۔ حل ہو جانے سے میری مراد طے ہو جانے سے ہے۔"

سلطان نے چڑ کر پوچھا: "تو کیا چاہتی ہے؟"

اس نے جواب دیا: "سلیمان کو اپنا ولی عہد اور جانشین قرار دے دیں۔"

سلطان نے کہا: "میں تیری خواہش آج ہی بلکہ اسی وقت پوری کر سکتا ہوں لیکن میں جانتا ہوں کہ سلیمان یہ بوجھ نہیں اٹھا سکے گا۔"

وہ ناراض ہو گئی: "کیوں نہیں اٹھا سکے گا یہ بوجھ؟"

سلطان نے جواب دیا: "اس لیے کہ ناتجربہ کار ہے ابھی۔"

اس بار سلیمان نے جواب دیا: "میں ناتجربہ کار نہیں

ہوں تجربہ کار ہوں۔ آپ مجھے کسی جگہ کی حکومت دیں تو سہی۔"
سلطان نے ان دونوں کو ایک ہفتے بعد کا وقت دیا۔
"ایک ہفتے بعد بات کروں گا آج نہیں۔"
لیکن سلیمان کی ماں اڑ گئی۔ "ایک ہفتے بعد نہیں آج ہی اسی وقت۔ آپ کو جو فیصلہ کرنا ہے آج ہی کر دیں۔"
سلطان کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ "دیکھو، میں تجھ سے محبت کرتا ہوں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میں تیری وجہ سے تیری خاطر کوئی غلط فیصلہ کر بیٹھوں، ایسا نہیں ہوگا۔"
سلیمان کی ماں نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ "اگر آپ نے آج ہی میرے بیٹے سلیمان کو اپنا جانشین نہ قرار دیا تو میں اپنے بیٹے کے ساتھ کہیں منہ کالا کر جاؤں گی اور آپ ہم دونوں کو زندگی بھر تلاش ہی کرتے رہ جائیں گے۔"
سلطان نے پھر وہی طعنہ دیا۔ "تو جہالت کی باتیں کر رہی ہے۔"
سلیمان کی ماں اپنی ضد پر قائم رہی۔ "درست، مگر میں یہ کام کرا کے رہوں گی۔"
اس کے بعد وہ رونے لگی۔ "سلطان طغرل! اب آپ بہت بڑے آدمی ہیں اور میں آپ کی نظر میں جاہل عورت قرار پائی ہوں اس لیے مجھے آپ سے جدا ہو جانا چاہیے۔"
سلطان کا دل پسیج گیا۔ "تو میری بات سمجھ کیوں نہیں رہی ہے۔ میں بھی تجھ کو بے حد عزیز رکھتا ہوں۔"
وہ اپنے آنسو دامن سے پونچھنے لگی۔ "اب اس قسم کی باتیں نہ کریں کیونکہ آپ کا قول آپ کے عمل کے مطابق نہیں ہے۔"
سلطان نے تنگ آکر پوچھا۔ "آخر تو چاہتی کیا ہے؟"
اس نے جواب دیا۔ "میں ایک ہی بات کہاں تک دہراتی رہوں۔ میں سلیمان کو حکمران دیکھنا چاہتی ہوں۔"
"میں ولی عہدی کی وصیت میں سلیمان کا نام دے سکتا ہوں لیکن کیا تجھے یقین ہے کہ سلیمان اس حکومت کی حفاظت کر سکے گا؟"
ماں نے جواب دیا۔ "یہ کون سا مشکل کام ہے۔ حکومت کی حفاظت فوج کرے گی، ابو نصر کرے گا، سلیمان تو صرف حکومت کرے گا۔"
سلطان نے کہا۔ "الپ ارسلان میری جانشینی کے لیے موزوں ترین بھتیجا ہے اور میرے ذہن اور حافظے میں یہ موزوں ترین نام ہے۔"
وہ ناراض ہو گئی۔ "یہ نہیں ہو سکتا، میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔"
سلطان خاموش ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا، دیر تک سوچتا رہا۔
شہزادے کی ماں نے کہا۔ "میں سب سے زیادہ سوچ بچار سے ٹوٹ گئی ہوں، آپ سوچا نہ کریں۔"
سلطان تھک چکا تھا، کہنے لگا۔ "میں تیری خواہش پر سلیمان ہی کو اپنا جانشین نامزد کر دوں گا لیکن یہ الپ ارسلان کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔"
ماں نے پوچھا۔ "الپ ارسلان کا مقابلہ، وہ کیوں؟"
سلطان نے جواب دیا۔ "الپ ارسلان میرے اس فیصلے سے اتفاق نہیں کرے گا اور وہ سلیمان سے بزورِ قوت وہ سب چھین لے گا جو میں اسے دوں گا۔"
ماں نے کہا۔ "تو اتنا برا ہے میں یہ نہیں جانتی تھی لیکن اب کیا بھی کیا جا سکتا ہے جو ہو گیا سو ہو گیا۔"
سلطان نے پوچھا۔ "کون برا ہے؟ جو تو نے یہ باتیں کس کے لیے کہی ہیں؟"
اس نے جواب دیا۔ "الپ ارسلان کے لیے۔"
سلطان نے کہا۔ "تو وصیت نامہ تیار کرا لیا جائے؟"
اس نے جواب دیا۔ "آپ جو مناسب سمجھیں کریں۔ میں تو بس یہ چاہتی ہوں کہ میرا سلیمان آپ کا جانشین قرار پا جائے۔"
سلطان نے اسے تسلی دی۔ "میں ابو نصر سے کہوں گا کہ وہ وصیت نامہ تیار کر دے۔ اس وصیت نامے کی رو سے سلیمان میرا جانشین قرار پائے گا۔"
سلیمان کی ماں نے اس فیصلے کا خیر مقدم کیا۔ "میں اس وصیت نامے کا انتظار کروں گی۔"
سلطان نے ان دونوں سے بمشکل پیچھا چھڑایا۔ اس کے سر میں ہلکا ہلکا درد ہو رہا تھا۔ وہ تنہائی میں بستر پر دراز ہو گیا اور دونوں ہاتھوں سے آہستہ آہستہ اپنا سر دبانے لگا۔ وہ اپنی اس تکلیف کا ذکر کسی اور سے نہیں کرنا چاہتا تھا۔
کچھ دیر بعد درد میں اضافہ ہو گیا۔ ایک کنیز کو آواز دی اور اسے سر دبانے کا حکم دیا۔
جب وہ سر دبا رہی تھی تو سلطان نے اسے حکم دیا۔
"اس بیماری کا ذکر کسی اور سے نہ کر دینا۔"
جب کئی ساعتیں گزر جانے کے باوجود سر کے درد میں افاقہ نہ ہوا تو کنیز نے پوچھا۔ "کیا کسی طبیب کو بلوا لیا جائے؟"
سلطان نے منع کر دیا۔ "عجیب، میں تجھ کو منع کر رہا ہوں کہ اس بیماری کا کسی اور کو علم نہیں ہونا چاہیے۔ اور تو طبیب بلوانے کا مشورہ کیوں دے رہی ہے؟"

جب کنیز تھک گئی تو دوسری کنیز کو بلوایا گیا اور اس کو بھی یہی حکم دیا گیا کہ اس بیماری کا کسی اور کو پتا نہیں چلنا چاہیے۔

سلطان نے ہر کسی سے ملنا جلنا بند کر دیا۔ یہاں تک کہ ابو نصر کو بھی اندر نہیں آنے دیا گیا۔

ابو نصر کو سلیمان کی ماں نے حکم دیا تھا کہ وہ سلیمان کی جانشینی کے حق میں ایک وصیت نامہ تیار کرے۔

لیکن ابو نصر یہ کام اس وقت تک نہیں کر سکتا تھا جب تک سلطان کی طرف سے اسے یہ حکم نہیں مل جاتا۔

شہزادے کی ماں کی طرف سے دباؤ بڑھتا رہا اور ابو نصر کئی بار سلطان سے ملنے کی کوشش میں ناکام ہونے کے بعد فکر و تشویش میں مبتلا ہو گیا۔ طرح طرح کے اندیشے اور وسوسے اس کو پریشان کر رہے تھے۔ ابو نصر سلیمان کی ماں پر شبہ کر رہا تھا۔

آخری بار وہ نصف شب سے ذرا پہلے سلطان سے ملاقات کرنے گیا تو کنیز نے اسے بتایا کہ سلطان محوِ استراحت ہے۔ مل نہیں سکتا۔

ابو نصر نے سختی سے کہا: "لیکن اب میں سلطان سے ملے بغیر واپس نہیں جاؤں گا۔"

کنیز نے بے بسی ظاہر کی: "ہم مجبور ہیں۔ سلطان کا حکم ہے کہ انھیں سونے دیا جائے اور یہ کہ ان کے آرام میں کسی کو مخل نہ ہونے دیا جائے۔"

ابو نصر نے کنیز کو گدی سے پکڑ لیا: "سچ سچ بتا، بات کیا ہے؟ سلطان خیریت سے تو ہے؟"

کنیز نے اپنی گدی چھڑانے کی کوشش کی: "آپ میری گدی تو چھوڑیں۔ میں وہی کر رہی ہوں جس کا سلطان نے مجھے حکم دیا ہے۔"

ابو نصر نے اس کا چہرہ اپنے سامنے کر لیا: "میں وزیر ہوں اور سلطان مجھ کو کبھی بھی ملاقات سے محروم نہیں کرتا۔"

کنیز نے جواب دیا: "آپ نے جو کچھ فرمایا، بجا و درست ہے۔ میں آپ کو اندر نہیں جانے دوں گی۔"

ابو نصر نے اس کو دھکا دے کر ایک طرف کر دیا اور اندر داخل ہو گیا۔

ایک دوسری کنیز ان دونوں کو تو تو میں میں کرتے دیکھ رہی تھی۔ کچھ دیر بعد واپس آئی اور کنیز سے کہا: "سلطان بیدار ہو چکے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ وزیر کو اندر آنے دیا جائے۔ اب آپ اندر جا سکتے ہیں۔"

ابو نصر اندر چلا گیا اور جب وہ سلطان کے قریب پہنچا تو یہ دیکھ کر رک گیا کہ سلطان سر پر پٹی باندھے بستر پر دراز ہے۔ وہ کچھ دیر کھڑا سلطان کو دیکھتا رہا۔ سلطان بھی اسے دیکھ رہا تھا۔

ابو نصر نے پوچھا: "بنصیب دشمناں، یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے؟"

سلطان نے جواب دیا: "آذربائیجان میں تھا تو وہاں سر میں درد اٹھا تھا۔ اب اس درد نے میرا پیچھا ہی پکڑ لیا ہے۔"

ابو نصر نے کہا: "میں طبیب کو بلواتا ہوں۔ آپ اس کو حال بتا کے دوا لیں۔"

لیکن سلطان نے اس کو منع کیا: "یہاں طبیب نہیں آئے گا۔"

ابو نصر نے پوچھا: "وہ کیوں! آخر کیوں؟"

سلطان نے جواب دیا: "میں اپنی اس بیماری کا چرچا نہیں چاہتا اور طبیب دیکھے گا تو چرچا کرے گا۔"

ابو نصر نے عرض کیا: "تو آپ کے سر درد کا معقول علاج ہونا چاہیے۔ اگر کوئی اس کا چرچا کرتا ہے تو کرنے دیں۔"

سلطان نے اس کو اپنے پاس بٹھا لیا اور کہا: "میں تجھ کو یاد ہی کر رہا تھا۔"

ابو نصر نے پوچھا: "وہ کیوں؟"

سلطان نے جواب دیا: "وہ پاگل اور جاہل عورت مجھ سے جو کچھ چاہتی ہے، میں نہیں دینا چاہتا۔"

ابو نصر نے پوچھا: "وہ کیا چاہتی ہے آپ سے؟"

سلطان نے جواب دیا: "وہ چاہتی ہے کہ میں شہزادہ الپ ارسلان کو محروم کر دوں اور اس کے نالائق بیٹے سلیمان کو اپنا جانشین قرار دے دوں۔"

انسانی حقوق کی انجمن کے ایک افسر ایک پاکستانی جیل کے دورے پر گئے تو انھوں نے دیکھا کہ ایک ہال میں ٹیلی ویژن چل رہا ہے اور بہت سے قیدی بیٹھے پروگرام دیکھ رہے ہیں۔ انھوں نے یہ دیکھ کر وارڈن سے کہا: "آپ کی جیل میں تو قیدیوں کو بڑی سہولتیں مہیا ہیں۔"

وارڈن بولا: "آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ ٹیلی ویژن دیکھنا تو ان قیدیوں کی سزا میں شامل ہے۔"

ابو نصر نے پوچھا۔ "اور آپ کیا چاہتے ہیں؟"

سلطان نے جواب دیا۔ "میں چاہتا ہوں کہ وہ جاہل عورت اس سے باز آ جائے۔"

ابو نصر نے دریافت کیا۔ "مجھ کو کیا کرنا چاہیے؟"

سلطان نے جواب دیا۔ "تو اس عورت کو سمجھا کہ وہ ایسا نہ چاہے۔ میں اس نالائق کو لائق پر کس طرح ترجیح دے سکتا ہوں!"

ابو نصر نے تامل سے کام لیا۔ "ہاں، میں سمجھانے کی کوشش کروں گا لیکن مجھے یقین نہیں کہ میں اس میں کامیاب بھی ہو جاؤں گا۔"

سلطان نے اصرار کیا۔ "کوشش نہیں، تجھ کو یہ کام ہر حال میں کرنا ہے۔"

ابو نصر نے سلطان کو کچھ اور ہی باور کرانے کی کوشش کی۔ "ویسے نیابت اور جانشینی کا صحیح حقدار شہزادہ سلیمان ہی تو ہے۔"

سلطان نے حیرت سے اپنے وزیر کو دیکھا۔ "وہ کیوں؟ کس طرح؟"

ابو نصر نے جواب دیا۔ "الپ ارسلان کی لیاقت مسلّم۔ وہ جس حصے پر قابض ہے اس میں مزید توسیع کر سکتا ہے لیکن شہزادہ سلیمان، اس کو جو کچھ آپ دے دیں گے وہی اس کا مقسوم ہو گا، وہی اس کی قسمت، اس لیے حکومت اس کا حق ہے۔"

سلطان نے پوچھا۔ "اور اگر یہ اپنے اقتدار کا اہل نہ نکلا تو؟"

ابو نصر نے جواب دیا۔ "اقتدار شہزادہ سلیمان کو ملے گا اور میں اسے کامیابی سے ہمکنار کروں گا۔ حکومت کے ہاتھ پاؤں تو ہم لوگ ہیں، یعنی اعضائے جسمانی۔ پھر آپ لوگ شہزادہ سلیمان کو حکومت سونپ دیں گے تو یہی آپ کا انصاف ہو گا اور یہی آپ کا عدل۔"

سلطان کی حیرت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ "یعنی یہ تو کہہ رہا ہے؟"

ابو نصر نے نظریں جھکا لیں۔ "جی نہیں، بندہ پرور، میں کہہ رہا ہوں اور میں وہی کہتا ہوں جو حق اور انصاف ہوتا ہے۔"

سلطان کی حیرت میں کمی نہیں ہو رہی تھی۔ وہ دیر تک ابو نصر کو دیکھتا رہا۔ اس کے بعد کہا۔ "اچھا اب تو جا سکتا ہے۔"

اس روز رات کو سلطان کے سر میں شدید درد ہوتا رہا، اب وہ اس سے پریشان رہنے لگا تھا۔ اس نے اپنی اس تکلیف کا ذکر بھی کسی سے نہیں کیا۔

*

فجر کی نماز ادا کر کے سلطان تو اپنی نوجوان دلہن سیدہ کے پاس چلا گیا جو اپنے چہرے کو نقاب میں چھپائے اور زبان کو تالو سے لگائے بیٹھی رہتی تھی۔

ابو نصر اپنے خیمے میں مستقبل کے منصوبے بناتا رہتا تھا۔ اس نے سلیمان اور اس کی ماں کی حمایت تو کر دی تھی لیکن یہ دونوں ابو نصر سے کافی دور ہو چکے تھے۔

وہ اپنے خیمے میں بیٹھا یہی سب سوچ رہا تھا کہ اسے مطلع کیا گیا کہ شہزادہ سلیمان اور اس کی ماں اس سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔

ابو نصر جلدی سے کھڑا ہو گیا اور دونوں کی پیشوائی کے لیے خیمے کے در تک گیا۔

شہزادہ سلیمان نے ادب سے سلام کیا لیکن ماں کی چڑھی ہوئی تیوریاں بتا رہی تھیں کہ وہ کوئی تصفیہ کرنے آئی ہے۔

ابو نصر نے خوشامدانہ روش اختیار کی۔ "آپ دونوں کی تشریف آوری کا شکریہ۔ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

شہزادہ سلیمان کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن ماں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ "تو خاموش رہ، بات میں کروں گی۔"

شہزادے نے اپنا منہ بند کر لیا۔

ماں نے ابو نصر کو مخاطب کیا۔ "تو الپ ارسلان سے ملنے کے لیے اس کے خیمے میں جا سکتا ہے لیکن ہم سے نہیں مل سکتا اور ہم دونوں کو تیرے پاس خود آنا پڑتا ہے!"

ابو نصر نے معذرت کی۔ "الپ ارسلان سے میں کسی خاص سبب سے نہیں ملا تھا۔ بس رسماً مل لیا تھا۔ آپ دونوں مجھ سے ناراض تھے اس لیے ملاقات کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔"

ماں نے پوچھا۔ "کیا یہ درست ہے کہ تو الپ ارسلان کو جانشین نامزد کروانا چاہتا ہے؟"

ابو نصر بلا کا چالاک اور عقلمند تھا۔ جواب دیا۔ "الپ ارسلان کے لیے کسی سعی اور سفارش کی ضرورت ہی نہیں۔ اس کی لیاقت ہی اس کی سعی اور قابلیت ہی اس کی سفارش اور مددگار ہے۔"

اسے غصہ آ گیا۔ "لیکن جب تک میں زندہ ہوں، یہ نہیں ہونے دوں گی۔"

ابونصر نے کہا: "آپ کے چاہنے یا نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے، اصل فیصلہ تو سلطان کے ہاتھ میں ہے اور سلطان کو یہ معلوم ہے کہ کون لائق ہے اور کون نالائق۔ اس کو بے وقوف نہیں بنایا جاسکتا۔"

شہزادے کی ماں خوف زدہ ہو گئی کہ ابونصر نے اس کا ساتھ نہ دیا تو اس کا بیٹا حکمران نہیں بن سکتا۔ وہ نرم پڑ گئی "ہر لیکن تو سلطان کو سمجھا کہ جانشینی اور حکومت سلیمان ہی کا حق ہے۔"

ابونصر نے معذرت کرلی: "محترم خاتون! آپ نے اپنے اس کام کے لیے خمارتگین مرحوم کا انتخاب کیا تھا۔ میں اس لائق کہاں کہ اتنا دشوار کام انجام دوں۔"

شہزادے کی ماں اور نرم پڑ گئی: "جو کچھ گزر گیا اس کا ذکر فضول ہے۔ تجھ کو میرا یہ کام ہر حال میں کرنا ہوگا۔"

ابونصر نے اور زیادہ پریشان کر دیا: "سلطان سے اس موضوع پر میری بات ہوئی تھی، میں نے الپ ارسلان کی تائید کر دی۔"

وہ مشتعل ہو گئی: "ایسا نہیں ہوگا، ایسا نہیں ہو سکتا۔ تو ہمارا ساتھ دے گا، میرے بیٹے سلیمان کو برسرِ اقتدار لائے گا۔"

ابونصر نے سکوت اختیار کیا۔ کچھ دیر بعد آہستہ سے کہا: "بہت مشکل کام ہے۔"

ماں نے کہا: "اور یہ مشکل کام ہر حال میں تجھ کو کرنا ہوگا۔"

ابونصر نے طنز کیا: "اور جب یہ مشکل کام ہو جائے گا تو مجھ کو یعنی ابونصر کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال باہر پھینک دیا جائے گا۔"

ماں نے اسے یقین دلایا: "ایسا نہیں ہوگا، کسی حال میں بھی ایسا نہیں ہوگا۔ سلیمان کا وزیر تو ہوگا۔"

شہزادہ سلیمان نے بھی وعدہ کیا: "میں تو آپ کے علاوہ کسی کے لیے سوچ بھی نہیں سکتا۔"

ابونصر نے نیم دلی سے وعدہ کیا: "میں کوئی وعدہ نہیں کر رہا، کوشش کروں گا۔"

ماں نے زور دیا: "کوشش نہیں، یہ کام ضرور ہونا چاہیے۔ سلطان تیرے مشوروں کی قدر کرتا ہے اور تمہارا کام را کو احترام کی نظر سے دیکھتا ہے۔"

ماں نے ابونصر کو نو لڑیوں والا ایک ہار دینا چاہا لیکن اس نے یہ نہیں لیا۔

دونوں ماں بیٹے چلے گئے تو ابونصر اپنے شاندار مستقبل کے بارے میں سوچتا رہا۔ وزیر کی شکل میں مطلق العنان حکمران۔

دوسری طرف سلطان نہایت پابندی سے سیّدہ کے پاس حاضریاں دیتا رہا لیکن بات نہیں بنی۔ سیّدہ اس سے بات نہیں کر رہی تھی۔

سلطان کو سیّدہ پر غصّہ آ رہا تھا لیکن یہ غصّہ بھی سلطان کے دل و دماغ ہی کو متاثر کر رہا تھا۔

ابونصر موقعے کی تاک میں تھا۔ اس دوران کسی تاجر نے ابونصر کو بتایا کہ الپ ارسلان راہ میں ملا تھا اور باتوں سے اندازہ ہوا کہ اس کے خیالات باغیانہ ہیں۔

ابونصر نے پوچھا: "باغیانہ سے تیری کیا مراد ہے؟"

تاجر نے جواب دیا: "وہ کہتا ہے کہ جب میں ولی عہد ہوں تو کسی نالائق کو ولی عہد یا سلطان نہیں بنایا جاسکتا۔ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ اگر ایسا ہوا تو وہ اپنے حق کے لیے جنگ کرے گا۔"

ابونصر مسکرایا: "بہت خوب۔ تو وہ ہم سے یعنی شہزادہ سلیمان سے جنگ کرے گا۔"

تاجر نے اجازت چاہی تو ابونصر نے کہا: "تیرا کام ابھی ختم نہیں ہوا۔"

تاجر نے کہا: "میرا اب کیا کام؟"

ابونصر نے جواب دیا: "تو نے ابھی ابھی جو کچھ بتایا ہے تجھ کو یہ سب سلطان کے سامنے بھی کہنا ہوگا۔"

تاجر نے کہا: "میں تو کسی قسم کا اندیشہ مول نہیں لینا چاہتا۔"

ابونصر نے جواب دیا: "تو میری بات نہیں سمجھ رہا، میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اگر تو اس پر عمل کرے گا تو تجھ کو بے حد فائدہ پہنچے گا۔"

تاجر نے پوچھا: "وہ کس طرح؟"

ابونصر کو اس فضول بحث میں مزہ نہیں، غصّہ آ رہا تھا۔ جواب دیا: "سلطان کا اعتماد حاصل کر لینا بہت قیمتی بات ہے۔"

تاجر نے بمجبوری ہاں کرلی: "ٹھیک ہے آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پر عمل کر کے بھی دیکھ لیتا ہوں۔"

ابونصر تاجر کو سلطان کے پاس لے گیا۔ اس نے پہلے تو سلطان کو تاجر کے بارے میں بتایا۔ اس کے بعد کہا: "یہ شخص جس قسم کی خبر لایا ہے اس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔"

اور جب سلطان کو الپ ارسلان کی بات بتا دی گئی تو اس نے بے پروائی سے کہا: "اس میں میرے کرنے کی کیا بات ہے؟ میں کیا کروں؟"

ابونصر نے کہا: "الپ ارسلان نے بغاوت کی ابتدا کر دی ہے اس لیے ولی عہدی اور جانشینی کا مسئلہ فوراً طے کر

دینا چاہیے۔"

سلطان بھی الپ ارسلان کی دھمکی سے ناخوش تھا لیکن وہ کوئی ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہتا تھا جس سے بھائی بھائی میں جنگ چھڑ جائے۔

ابونصر سلطان کو مشورہ دے رہا تھا۔ "بلکہ اب سلطان کو ایک قدم اور بڑھانا چاہیے۔ یعنی یہ کہ شہزادہ الپ ارسلان کے غرور کو توڑنے کے لیے شہزادہ سلیمان کو اپنی سرپرستی میں سلطان بنا دینا چاہیے اور اگر کسی طرف سے اس کی مخالفت ہو تو مردانہ وار اس کا مقابلہ کیا جائے۔"

سلطان کی سمجھ میں یہ بات آ رہی تھی مگر وہ شہزادہ ارسلان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

ابونصر سلطان کے پس و پیش سے آگاہ تھا۔ اس نے لوہے کو گرم جو دیکھا تو اس پر چوٹ لگا دی۔ "اگر شہزادہ سلیمان کو حضور نے اپنی سرپرستی میں، اپنی زندگی ہی میں سلطان بنا دیا تو اس سے حالات قابو میں رہیں گے اور الپ ارسلان کی ہمت جواب دے جائے گی اور اس نے جو کچھ سوچا ہے اس پر عمل نہیں کر سکے گا۔"

ابونصر کی تجویز معقول تھی۔ سلطان نے وعدہ کیا۔ "میں یہی کروں گا جس کا تو مشورہ دے رہا ہے اور یہ بھی طے ہے کہ میں اپنی مخالفت خواہ کسی طرف سے بھی ہو، برداشت نہیں کر سکتا۔"

ابونصر نے پوچھا۔ "کیا میں وصیت نامہ تیار کر دوں؟"

سلطان نے جواب دیا۔ "ہاں! تیار کر دے۔"

ابونصر نے بازی جیت لی تھی۔ وہ اپنی بات منوانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

ابونصر کے چلے جانے کے بعد سلطان کے دل و دماغ نے اس سے ایک سوال کیا۔ "کیا حکومت پر میری گرفت ڈھیلی پڑ چکی ہے؟ کیا میں کمزور پڑ چکا ہوں اور کیا میرے مخالفین نے بھی میری اس کمزوری کو محسوس کر لیا ہے؟"

ان وسوسوں اور اندیشوں کا اس کے پاس ایک ہی جواب تھا۔ "ہاں!"

اس "ہاں" نے سلطان کو کچھ اور پریشان کر دیا۔

ابونصر وصیت نامہ تیار کر رہا تھا۔ شہزادہ سلیمان اور اس کی ماں ابونصر کی اس کامیابی سے بے حد خوش تھے۔

الپ ارسلان جاتے جاتے بغداد میں اپنے چند آدمی چھوڑ گیا تھا۔ یہ آدمی بغداد میں الپ ارسلان کے حقوق کی حفاظت کر رہے تھے۔

لیکن یہ وصیت نامہ جس عجلت اور رازداری سے تیار کیا گیا تھا اس کی کسی اور کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

شہزادہ سلیمان اور اس کی ماں پھولے نہیں سماتے تھے۔ دونوں لوگوں میں کہتے پھر رہے تھے۔ "اب اصل میں سلطان شہزادہ سلیمان ہے۔"

شہزادہ الپ ارسلان کا ایک حمایتی خلیفہ کے پاس موجود تھا۔ وہ خلیفہ کا مصاحب بھی تھا اور مشیر بھی۔ اس کا نام ابنِ عدی تھا۔

جب ابنِ عدی کے کانوں میں یہ باتیں پہنچیں تو وہ بے چین ہو گیا۔ وہ اس خبر کی تصدیق کرنا چاہتا تھا۔

جب خلیفہ سے اس کا ذکر کیا گیا اس نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا۔

ابنِ عدی ابونصر سے ملا اور اس سے اس خبر کی تصدیق یا تردید چاہی۔

ابونصر نے پوچھا۔ "تو اس خبر کی تصدیق یا تردید کیوں چاہتا ہے؟"

ابنِ عدی نے جواب دیا۔ "مجھ کو اس قسم کی خبریں جمع کرنے کا شوق ہے اور میں چند کتابیں لکھ رہا ہوں۔ ان کتابوں میں یہ خبر اس طرح دی جائے گی کہ پڑھنے والوں کو مزہ آ جائے گا۔"

ابونصر نے کہا۔ "میں سلطان سے بات کر کے کچھ بتا سکتا ہوں۔"

ابنِ عدی نے کہا۔ "سلطان سے کیوں؟ کیا یہ وصیت نامہ آپ نہیں تیار کر رہے؟"

ابونصر نے جواب دیا۔ "یہ وصیت نامہ میں نہیں تیار کر رہا۔"

ابنِ عدی بالکل مطمئن نہ تھا۔ وہ یہاں سے اٹھ کر شہزادہ سلیمان کے پاس گیا اور اسے اپنی طرف سے مبارکباد دی۔ "شہزادے! حکومت مبارک ہو۔"

شہزادہ سلیمان بہت خوش ہوا اور پوچھا۔ "تجھ کو یہ خبر کس نے دی؟"

ابنِ عدی نے جواب دیا۔ "خلیفہ نے۔"

شہزادہ سلیمان نے کہا۔ "اور خلیفہ کو یہ خبر کس نے دی؟"

ابنِ عدی نے حیرت سے پوچھا۔ "کیوں کیا خلیفہ کو اس خبر کا علم نہیں ہو سکتا؟"

شہزادے نے جواب دیا۔ "ابونصر سے یہ طے پایا تھا کہ اس وصیت نامے کی خبر ہم چار کے سوا کسی اور کو نہیں ہونا چاہیے۔"

ابنِ عدی نے پوچھا۔ "یہ چار کون کون؟"

شہزادے نے جواب دیا۔ "وہ چار ہیں ہم چار۔ میں، میری

ملا، ابونصر اور سلطان۔"

ابن عدی خبر کی تصدیق سے بے حد خوش ہوا، کہا "اب پھر یہ خبر سلطان نے امیر المومنین کو دی ہوگی۔"

شہزادے نے کہا "سلطان کو بھی ایسا نہیں کرنا چاہیے۔"

ابن عدی نے بھی افسوس کیا "ہاں جب ایک بات طے پا چکی تھی تو اس کا خیال رکھنا چاہیے تھا۔" پھر پوچھا "یہ وصیت نامہ کون تیار کر رہا ہے؟"

شہزادے نے جواب دیا "ابونصر۔ اس سے زیادہ لائق اور قابلِ اعتبار دوسرا کوئی ہے بھی تو نہیں۔"

ابن عدی نے پوچھا "اس وصیت نامے میں کیا لکھا گیا ہے؟"

شہزادہ ناراض ہوگیا "تم تو سبھی کچھ جان لینا چاہتے ہو، آخر کیوں؟"

ابن عدی نے جواب دیا "میں نے بتایا تو ہے کہ مجھے اس کا شوق ہے۔"

شہزادے نے کہا "بہت برا شوق ہے۔ اس شوق سے پیچھا چھڑاؤ۔"

ابن عدی نے وعدہ کیا "آئندہ میں ایسا نہیں کروں گا۔ بس آخری سوال۔"

شہزادے نے کہا "ہاں تو کرو آخری سوال۔"

ابن عدی نے پوچھا "اس وصیت نامے میں کیا لکھا گیا ہے؟"

شہزادے نے جواب دیا "یہ کہ مجھ کو یعنی شہزادہ سلیمان کو سلطان کی زندگی ہی میں اس کا جانشین اور حکمران مقرر کیا جا رہا ہے۔"

ابن عدی نے پوچھا "سلطان کی زندگی ہی میں کیوں؟ وفات کے بعد کیوں نہیں؟"

شہزادے نے جواب دیا "اس لیے کہ سلطان، میری ماں اور ابونصر کو یہ شبہ ہے کہ اگر یہ کام ابھی نہ کیا گیا تو الپ ارسلان بعد میں یہ کام نہیں ہونے دے گا اور مجھ سے حکومت چھیننے کی کوشش کرے گا۔"

ابن عدی نے شہزادے کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے ابن عدی کو وہ قیمتی خبریں بہم پہنچائیں جو کہیں اور سے نہیں مل سکتی تھیں۔

ابن عدی نے یہ باتیں الپ ارسلان کو لکھ بھیجیں کہ بغداد میں جو کچھ ہو رہا ہے اس سے آپ سلطان کے جانشین نہیں بن سکیں گے۔ اس کے علاوہ یہ کہ آپ مستعد اور ہر طرح ہاتھ پیر بند رہیں کیوں کہ کوئی بھی ایسی خبر آپ کسی وقت بھی سن لیں گے جس کی آپ کو امید بھی نہ ہوگی۔"

اس طرح الپ ارسلان کو بغداد کی خبریں پابندی سے پہنچ رہی تھیں۔

ابونصر نے وصیت نامہ تیار کر دیا۔ سلطان نے اس وصیت نامے کو اپنے پاس رکھا۔

شہزادہ سلیمان اور اس کی ماں کو اب اطمینان حاصل ہوا تھا لیکن جب تک وصیت نامہ ان کے قبضے میں نہیں آ جاتا، وہ دونوں تھوڑے بہت فکر مند رہتے۔

سلطان اپنی نوجوان دلہن سیدہ کی دربار داری میں سات دن مشغول رہا اور ان سات دنوں میں سے ایک دن اور ایک لمحے کے لیے بھی وہ سیدہ کی نہ آواز ہی سن سکا اور نہ ہی اس کی ایک جھلک دیکھ سکا۔ اس نے اس ظلم اور زیادتی کا کسی سے شکوہ بھی نہ کیا۔

ابونصر کو سلطان پر رحم آ رہا تھا اور وہ خلیفہ کی زیادتی پر اسے برا بھلا کہتا رہتا تھا۔ اس نے سلطان کو بتایا کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے معاہدے کے خلاف ہو رہا ہے اور خلیفہ نے زیادتی اور بددیانتی سے یہ صورتِ حال پیدا کی ہے۔

سلطان نے ابونصر کو سمجھایا "تم پریشان نہ ہو اس کا جواب میں دوں گا۔"

ابونصر نے سلطان سے اجازت چاہی "اگر آپ اجازت دیں تو میں خلیفہ سے بات کروں۔"

سلطان نے منع کیا "نہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں میں اسی معاہدے سے خلیفہ کو چت کر دوں گا۔"

لیکن ابونصر منع کرنے کے باوجود خلیفہ کے پاس گیا اور اس سے سیدہ اور معاہدے کے موضوع پر بات شروع کر دی۔

خلیفہ نے صاف صاف کہہ دیا "میں اس موضوع پر کوئی بات نہ کروں گا۔"

ابونصر اپنی ضد پر قائم رہا "آپ بات نہ کریں لیکن میں ضرور کروں گا۔"

خلیفہ نے کہا "تو کیا بات کرے گا، ذرا مجھے بھی تو معلوم ہو۔"

ابونصر نے کہا "سیدہ سلطان کی بیوی ہے پھر وہ سلطان کو اپنی شکل کیوں نہیں دکھاتی اور سلطان سے بات کیوں نہیں کرتی؟"

خلیفہ نے جواب دیا "سیدہ جو کچھ کر رہی ہے معاہدے کے مطابق کر رہی ہے۔"

ابونصر نے کہا "امیر المومنین! آپ شاید سلطان کی ذہانت اور حاضر دماغی سے اچھی طرح واقف نہیں ہیں۔ سلطان نے مجھے بتایا ہے کہ وہ آپ کو اسی معاہدے سے چت کر دے گا۔"

خلیفہ نے اسے درشت لہجے میں منع کیا: "تو کس طرح باتیں کر رہا ہے کیا تو یہ بھی نہیں جانتا کہ تو کس سے مخاطب ہے اور تجھ کو مجھ سے کس لب و لہجے میں بات کرنا چاہیے؟"

ابونصر نے جواب دیا: "آپ جو کچھ بھی ہیں میں خوب جانتا ہوں لیکن اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ کے اطوار اور افعال آپ کے شایانِ شان نہیں ہیں۔"

خلیفہ نے مشتعل ہو کر تالی بجائی جواب میں دو سیاہ رو غلام حاضر ہو گئے۔ خلیفہ نے دونوں کو حکم دیا: "اس شخص کو باہر نکال دو۔"

دونوں غلام ابونصر کی طرف بڑھے مگر ابونصر نے ان دونوں کو ہاتھ کے اشارے سے روکا۔

دونوں رک گئے اور ابونصر یا خلیفہ کے اگلے اشارے کا انتظار کرنے لگے۔

خلیفہ بھانپ گیا: "یہ جو کچھ اور جس طرح تو کہہ رہا ہے اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس پر تو اعتراض کرے۔"

ابونصر نے جواب دیا: "آپ نے مجھے ذلیل کر دیا۔ آپ مجھے یہاں سے نکال رہے ہیں۔ میں خود نکل جاؤں گا۔ اپنے غلاموں کو روکیں یہ میری بے عزتی نہ کریں۔"

خلیفہ کو اس کی سابقہ خدمات کا بھی خیال آ گیا۔ غلاموں کو ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

ابونصر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے: "مجھے رونا نہیں چاہیے کیونکہ مردوں کو رونا زیب نہیں دیتا لیکن میں پھر بھی رو رہا ہوں اس لیے کہ میں اپنے سینے میں گوشت کا لوتھڑا یعنی دل رکھتا ہوں اگر میں پتھر ہوتا تو نہ روتا۔"

ابونصر وہاں سے چلا آیا۔ یہاں اسے اپنے خیمے میں سلطان کا یہ حکم موصول ہوا کہ ابونصر شہزادہ سلیمان اور اس کی ماں کو لے کر رے چلا جائے۔

ابونصر نے تعمیلِ حکم سے پہلے سلطان سے ملاقات کرنا چاہی لیکن ناکام رہا کیونکہ سلطان اس وقت بھی اپنی دلہن کی بارگاہ میں چاندی کے تخت پر مؤدب بیٹھا ہوا تھا۔

ایک کنیز نے سلطان کو مطلع کیا کہ ابونصر رے جانے سے پہلے سلطان سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔

سلطان نے جواب دیا: "اس سے کہہ دو کہ اب رے میں ملاقات ہو گی۔ میں اپنی دلہن کو لے کر رے آ رہا ہوں۔"

یہ مکالمے دلہن نے بھی سنے اور وہ پریشان ہو کر پہلو بدلنے لگی۔

سلطان کو یقین تھا کہ اب دلہن بات چیت کے لیے کسی کنیز کی خدمات حاصل کر سکے گی۔ اس لیے کنیزوں کو حکم دیا کہ وہ چلی جائیں۔

کنیزیں چلی گئیں۔ سیدہ نے اشارے سے ایک کنیز کو روکنا بھی چاہا مگر سلطان نے اسے آنکھ دکھائی اور وہ چلی گئی۔

اب سلطان نے سیدہ کو مخاطب کیا: "میں نے تیری ضیافت کا مزہ لوٹ لیا۔ اب تو میرے ساتھ رے جائے گی اور ہماری ضیافت اور خاطر داری کو بھی دیکھے گی۔"

دلہن بہت پریشان نظر آ رہی تھی۔ وہ کچھ پوچھنا چاہتی تھی مگر براہِ راست نہیں کسی کے ذریعے اور وہ ذریعہ فی الحال میسر نہ تھا۔

سلطان نے دلہن سے کہا: "سیدہ خاتون! تو میری دلہن ہے۔ میں امیر المومنین کو مطلع کرنے جا رہا ہوں کہ میں اپنی بیوی کے ساتھ آج یا کل رے روانہ ہو جاؤں گا اور کنیزوں کو حکم دوں گا کہ وہ رختِ سفر باندھ لیں۔"

سیدہ اور زیادہ بے چین نظر آ رہی تھی۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی کچھ پوچھنا چاہتی تھی لیکن کوئی ذریعہ میسر نہیں تھا۔

سلطان چلا گیا تو سیدہ نے ایک کنیز کو طلب کیا اور غصے میں کہا: "سلطان سے کہہ دے کہ میں رے نہیں جاؤں گی۔"

کنیز نے جواب دیا: "محترمہ سیدہ! ہمیں منع کیا گیا ہے کہ ہم بات چیت میں واسطہ نہ بنیں۔"

سیدہ نے پوچھا: "پھر میں بات کس طرح کروں گی؟"

کنیزوں نے اس سوال کا کوئی جواب نہ دیا۔

سیدہ اپنے تخت سے نیچے آ گئی اور دو چار قدم اِدھر اُدھر چل کر سلطان کو تلاش کیا: "وہ کہاں چلا گیا؟"

ایک کنیز نے جواب دیا: "شاید سفر کی تیاری کے احکامات صادر فرمانے۔"

سیدہ نے بے بسی سے کہا: "لیکن میں رے نہیں جاؤں گی۔"

کنیزوں نے پھر سکوت اختیار کیا۔ جواب نہ ملنے سے سیدہ کا دم گھٹا جا رہا تھا۔

سیدہ نے کہا: "تم جواب کیوں نہیں دیتیں؟"

ایک کنیز نے کہا: "کس بات کا جواب؟"

سیدہ نے کہا: "میں امیر المومنین کے پاس جانا چاہتی ہوں۔"

کنیز نے جواب دیا: "آپ ضرور جائیں لیکن سلطان کی اجازت سے۔ آپ سلطان کی عدم موجودگی میں کہیں نہیں جائیں گی۔"

سیدہ نے بپھرتے ہوئے پوچھا: "میں جاؤں گی اور دیکھوں گی کہ مجھے کون روکتا ہے؟"

ایک کنیز نے جواب دیا: "آپ کدھر سے جائیں گی سلطان

نے دروازوں کو مقفل کر دیا ہے۔"

سیدہ اور زیادہ گھبرا گئی۔ "سلطان کو بلاؤ۔ میں اس سے پوچھوں گی کہ یہ کیا تماشا ہے۔"

لیکن سلطان وہاں تھا ہی نہیں، پھر اس سے یہ سوال کون کرتا؟

کافی دیر بعد سلطان واپس آیا۔ کنیزوں نے سیدہ کو خبر کر دی کہ سلطان واپس آ گیا ہے۔

سیدہ نے ایک کنیز سے کہا۔ "جا میری طرف سے سلطان سے پوچھ کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔"

کنیز نے عرض کیا۔ "لیکن ہمیں منع کر دیا گیا ہے کہ آپ سے بات چیت کرنے میں ہم ذریعہ نہ بنیں۔"

سیدہ نے سختی سے حکم دیا۔ "یہ میں کہہ رہی ہوں۔ میں تجھ کو حکم دے رہی ہوں اور میں حکم عدولی کسی حال میں بھی برداشت نہیں کر سکتی۔"

جب کنیز نے محسوس کیا کہ اس کی جان نہیں چھوٹے گی تو وہ وہاں سے چلی گئی۔

سیدہ دیر تک اس کی واپسی کا انتظار کرتی رہی جب وہ واپس نہیں آئی تو اس نے ایک دوسری کنیز کو یہی حکم دیا۔ "اب تو جا اور سلطان سے کہہ دے کہ میں رے نہیں جاؤں گی۔"

اس نے جواب دیا۔ "محترمہ سیدہ! میں یہاں سے چلی تو جاؤں گی لیکن سلطان سے بات نہیں کر سکوں گی۔"

سیدہ نے پوچھا۔ "کیوں؟ تو بات کیوں نہیں کر سکے گی؟ اس کی کوئی خاص وجہ؟"

کنیز نے جواب دیا۔ "اس کی وجہ یہی ہے کہ سلطان نے ہم سب کو ایسا کرنے سے منع کر دیا ہے۔"

سیدہ نے اس کو بھی ڈانٹ دیا۔ "لیکن تجھ کو میرا یہ کام ہر حال میں کرنا ہو گا۔"

وہ کنیز بھی وہاں سے چلی گئی اور پھر واپس نہیں آئی۔

کچھ دیر بعد سیدہ نے کنیز کو آواز دی لیکن اب وہاں ایک کنیز بھی نہیں تھی۔ سیدہ نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ "یہ سب کہاں چلی گئیں؟ کہاں مر گئیں آخر؟"

آخر وہ تھک ہار کر مسہری پر گر گئی۔

وہ کتنی دیر مسہری پر پڑی رہی اس کو کچھ پتا نہ تھا لیکن جب بیدار ہوئی تو معلوم ہوا شام ہو چکی ہے اور سلطان اس کے پاس ہی بیٹھا ٹکٹکی لگائے اس کو دیکھ رہا ہے۔

وہ سلطان کو اپنے قریب دیکھ کر سمٹ کر ایک طرف بیٹھ گئی۔

سلطان نے کہا۔ "محترمہ سیدہ! میں نے امیر المومنین کو بتا دیا ہے کہ میں تجھ کو رے لیے جا رہا ہوں۔"

سیدہ خلیفہ کا جواب سننا چاہتی تھی لیکن وہ یہ سوال کس سے کرتی۔

سلطان نے پوچھا۔ "کیا تو میری بات سن رہی ہے، میری آواز تیرے کانوں تک پہنچ رہی ہے؟"

سیدہ نے ہاں میں اپنا سر ہلا دیا، یہی اس کا جواب بھی تھا۔

سلطان اپنی بات کرتا رہا۔ "امیر المومنین نے مجھ سے وہی کہا جو تو کہہ سکتی ہے۔"

اس نے سیدہ کی طرف دیکھا۔ سیدہ تلملا رہی تھی۔

سلطان نے کہا۔ "بہر حال یہ طے ہے کہ ہم رے جا رہے ہیں۔"

سیدہ نے نفی میں سر ہلا دیا کہ میں نہیں جاؤں گی۔

سلطان نے کہا۔ "تو کیا کہہ رہی ہے میری تو سمجھ میں کوئی بات بھی نہیں آ رہی۔"

سیدہ نقاب کے پیچھے سے سلطان کو دیکھ رہی تھی اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ سلطان سے کس طرح سے بات کرے۔

سلطان وہاں سے جانے لگا۔ "سفر کی تیاریاں ختم ہو رہی ہیں ہم کسی بھی وقت یہاں سے چل دیں گے۔"

سیدہ نے آہستہ سے کہا۔ "لیکن میں نہیں جاؤں گی۔"

سلطان نے یہ مترنم آواز سنی تو جیسے اس کے ہوش و حواس ہی جاتے رہے۔ آواز میں بڑی کھنک تھی، بہت رس تھا، مٹھاس تھی۔

سلطان نے پوچھا۔ "تو کیوں نہیں جائے گی؟"

سیدہ نے اسی دھیمے لہجے میں جواب دیا۔ "معاہدے میں یہ بات نہیں ہے۔"

سلطان نے کہا۔ "میں نے امیر المومنین سے بھی یہی بات کہی تھی کہ آپ ہمیں رے جانے سے نہیں روک سکتے، کیوں کہ معاہدے میں یہ بات نہیں ہے۔"

سیدہ نے پوچھا۔ "کیا امیر المومنین نے سلطان کی بات مان لی؟"

سلطان نے جواب دیا۔ "امیر المومنین کوئی بھی بات آسانی سے نہیں مانتے، ان سے تو بات منوانا پڑتی ہے۔"

سیدہ نے کہا۔ "پھر امیر المومنین نے کیا کہا؟"

سلطان نے جواب دیا۔ "جب میں نے امیر المومنین کو بتایا کہ اپنے معاہدے کی رو سے آپ ہم دونوں کو رے جانے سے نہیں روک سکتے تو وہ خاموش ہو گئے۔ خاموشی کے سوا ان کے

پاس سہارا ہی کیا تھا؟"

سیدہ نے کہا: "لیکن میں رے نہیں جاؤں گی۔"

سلطان نے جواب دیا: "میں تجھ کو جبراً رے لے جاؤں گا کیوں کہ تو میری بیوی ہے اور میں اپنی بیوی پر پورے مالکانہ حقوق رکھتا ہوں۔"

سیدہ اس وقت جس پریشانی میں مبتلا تھی، زندگی میں ایسی مشکل اور دشواری سے کبھی اُس کا واسطہ نہیں پڑا تھا۔

سلطان نے کہا: "امیر المومنین نے معاہدے کی آڑ میں جو کچھ میرے ساتھ کیا وہ بڑا ہی ہتک آمیز اور پریشان کن ثابت ہوا ہے۔"

سیدہ نے پوچھا: "تو تم اس ہتک کا بدلہ مجھ سے لے رہے ہو؟"

سلطان نے جواب دیا: "میں امیر المومنین کی زیادتیوں اور بے عزتیوں کا بدلہ تجھ سے کیا لوں گا؟" اس کے بعد کچھ دیر سکوت اختیار کیا اور آخر میں کہا: "اور تو نے مجھ سے جو سلوک کیا ہے اس کا بدلہ بھی میں ضرور لوں گا۔ میں معاف کسی ایک کو بھی نہیں کروں گا۔"

سیدہ نے کہا: "میں نے تجھ پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ میں نے کوئی زیادتی نہیں کی۔ یہ تہمت لگا رہے ہو تم مجھ پر۔"

سلطان نے جواب دیا: "میں... یہ میں تجھ کو بتاؤں گا کہ تو نے مجھے کس کس طرح ذلیل و خوار کیا ہے۔"

سیدہ نے کہا: "وہ میں ضرور سنوں گی۔"

سلطان نے پوچھا: "یہیں بغداد میں، اپنے قصر میں یا رے میں پہنچ کر؟ کہاں سننے گی تو؟"

سیدہ نے جواب دیا: "جب میں رے جاؤں گی ہی نہیں تو وہاں کس طرح سنوں گی۔ جو کچھ سنانا یا یاد دلانا ہے، یہیں سنا دو، یہیں بتا دو۔"

سلطان نے کہا: "میں نے سات دن متواتر تیرے در پر ناصیہ فرسائی کی ہے۔ تو نے مجھ سے براہِ راست بات نہیں کی اور کنیزوں اور ارسلان خاتون کو ذریعہ بنایا۔ کیا یہ عزت افزائی کی باتیں تھیں؟"

سیدہ نے جواب دیا: "میں نے جو کچھ کیا از روئے معاہدہ کیا۔"

سلطان نے کہا: "اور میں جو کچھ کر رہا ہوں، معاہدے کے مطابق کر رہا ہوں۔"

سیدہ نے پوچھا: "کیا میں رے جانے سے پہلے امیر المومنین سے مل سکتی ہوں؟"

سلطان جواب دیا: "تو ہر روز ہی سلطان سے ملتی رہی ہے۔ اب مل کر کیا کرے گی؟"

سیدہ نے اصرار کیا: "لیکن میں ملے بغیر نہیں جاؤں گی۔"

سلطان نے جواب دیا: "میں چند ماہ بعد تجھ کو بغداد واپس بھیج دوں گا۔"

سیدہ کو اپنے باپ کی حیثیت پر بڑا ناز تھا۔ لیکن... "امیر المومنین مجھ کو یوں نہیں جانے دیں گے۔"

سلطان ہنسنے لگا: "تو کس امیر المومنین کی بات کر رہی ہے۔ اگر ان میں اتنی ہی طاقت ہوتی تو وہ اپنی نوجوان بیٹی کو ستر سالہ بڈھے سے کیوں وابستہ کر دیتے۔"

سیدہ کو اپنی مجبوری اور بے بسی کا احساس شدید تر ہو گیا۔ "تم نے امیر المومنین کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھایا۔ میں تمہاری بیٹی بھتیجی کے برابر ہوں۔"

سلطان نے اسے یاد دلایا: "اور میری بھتیجی ارسلان خاتون بھی امیر المومنین کی بیٹی کے برابر ہے۔"

سیدہ لاجواب ہوتی جا رہی تھی۔ "لیکن میں نے تو یہ سنا ہے کہ تم نے ارسلان خاتون کی شادی اپنی مرضی سے امیر المومنین سے کر دی تھی؟"

سلطان نے جواب دیا: "ہاں، یہ کام میں نے اپنی مرضی سے کیا تھا۔ اس طرح میں نے امیر المومنین کے دل اور محل میں اپنے لیے جگہ پیدا کی تھی اور اس طرح میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تھا۔"

سیدہ نے کہا: "اب تم مجھ کو آزاد کر دو کیوں کہ ہم دونوں کی عمروں کا فرق یوں بھی زیادہ عرصہ یک جا نہیں رہنے دے گا۔"

سلطان نے تیوریوں پر بل ڈالے اور پوچھا: "کیا تو یہ سمجھتی ہے کہ میں جلدی مر جاؤں گا تجھ سے بھی پہلے؟ یہ تو کس طرح کہہ سکتی ہے؟"

سیدہ نے جواب دیا: "یہ میں کہہ رہی ہوں اور میں جو کچھ کہہ رہی ہوں اسے نفس کا تجربہ سمجھیں۔"

سلطان نے اس کی بے تکلفانہ بات چیت سے خوش ہو کر بڑی عزت دی اور کہا: "سیدہ خاتون! تو نے مجھے بڑی اذیتیں دی ہیں، بڑے دکھ پہنچائے ہیں۔ جب وہ دکھ اور وہ اذیتیں مجھ کو یاد آتی ہیں تو میں تڑپ جاتا ہوں اور میرے اندر ایک انتقامی جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ سینے میں ایک آتش فشاں بھڑک اٹھتا ہے۔ ایک لاوا سا اُبلنے لگتا ہے۔"

سیدہ، سلطان کے سامنے سے ہٹ گئی۔ "اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں خوشامد کروں گی تو اسے اپنے دل سے نکال دو۔"

سلطان نے سیدہ کی آواز تو سن لی تھی لیکن شکل ابھی تک نہیں دیکھ سکا تھا اور اب صورت دیکھنے کے لیے

بے چین تھا۔

ابونصر، شہزادہ سلیمان اور اس کی ماں رے جا چکے تھے۔ سلطان بھی سفر کی تیاری کر چکا تھا۔

سیدہ نے کسی کنیز کے ذریعے خلیفہ کو پیغام بھیجا۔ "سلطان مجھے رے لے جا رہا ہے آپ اس کو روکیں۔"

سلطان کو اس نامہ و پیام کی کوئی خبر نہ تھی۔ خلیفہ نے جواب میں معذوری ظاہر کر دی: "سلطان نہیں مانے گا کیوں کہ معاہدے میں رے نہ جانے کی پابندی کا کوئی ذکر نہیں۔"

سلطان کا دل کسی قدر پسیجا بھی لیکن اس نے مروت سے کام نہیں لیا۔

ابھی یہ لوگ بغداد سے روانہ بھی نہ ہوئے تھے کہ سلطان کا سر چکرانے لگا، درد نے شدت اختیار کی اور اس تکلیف نے آنکھیں سرخ کر دیں۔

سلطان کی علالت کی خبر مشہور ہوئی تو ارسلان خاتون بھی اپنے چچا کو دیکھنے آئی۔ سلطان بہت چڑچڑا ہو رہا تھا۔

سلطان کے امرا بھی اس کو دیکھنے آئے اور سلطان کو مشورہ دیا کہ فی الحال سفر سے گریز کیا جائے۔

لیکن سلطان ہر کام اپنی مرضی سے کرتا تھا اس نے مزید رکنے سے انکار کر دیا۔

ارسلان خاتون نے ساتھ چلنے کی خواہش ظاہر کی "تو میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی۔"

سلطان سے آنکھیں نہیں کھولی جا رہی تھیں اور ہر بات جو کان میں پڑ رہی تھی ناگوار بلکہ گراں گزر رہی تھی سلطان کو ارسلان خاتون کی باتیں بھی گراں گزر رہی تھیں مگر اس نے ضبط سے کام لیا اور اس ضبط و برداشت کی کوشش میں اس کا دل ڈوبنے لگا۔ آہستہ سے پوچھا "کیا بات ہے ارسلان خاتون؟ خیریت تو ہے؟"

ارسلان خاتون ان حالات میں اپنے چچا کو کچھ بھی نہیں بتانا چاہتی تھی، جواب دیا "میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔ کوئی خاص بات نہیں۔"

سلطان نے اسے اپنے پاس بٹھا لیا اور شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا "تو مت گھبرا سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، اک ذرا میں ٹھیک ہو جاؤں سب کچھ ٹھیک کر دوں گا۔"

ارسلان خاتون پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

وہ کہہ رہی تھی "سیدہ کی شادی کے بعد میں امیر المومنین کی نظروں سے گر گئی اس لیے اب میں قصرِ خلافت میں نہیں رہوں گی۔"

سلطان نے جواب دیا "اگر یہ بات ہے تو تو میرے ساتھ چل، کیا خلیفہ نے رے جانے کی اجازت دے دی ہے؟"

اس نے جواب دیا "میں نے اجازت لی تو نہیں لیکن اب لے لوں گی۔"

سلطان کے درد میں اضافہ ہو چکا تھا اب وہ کراہنے بھی لگا ارسلان خاتون نے اس سے پوچھا "کیا طبیب بلوا لیا جائے؟"

سلطان نے جواب دیا "اس کی ابھی ضرورت نہیں۔ جب ہوگی میں خود بتا دوں گا۔"

وہ زور زور سے کراہ رہا تھا۔

تیسرے پہر تک اس کی حالت اور زیادہ خراب ہو گئی، کنیزوں کے ادھر ادھر بھاگنے دوڑنے سے سیدہ نے یہ اندازہ لگایا کہ وہاں کسی قسم کی گڑبڑ ضرور ہے وہ سلطان سے ذرا دور ہو گئی تھی پھر اس نے ارسلان خاتون کو بھی اپنے اس پاس آتے جاتے دیکھا۔ آخر ارسلان خاتون کو اس نے ٹوک لیا اور پوچھا "یہ کیا ہو رہا ہے؟ خیریت تو ہے؟"

ارسلان کچھ دیر سیدہ کو دیکھتی رہی اور پوچھا "تو آپ کچھ نہیں جانتیں؟"

سیدہ نے جواب دیا "نہیں، میں کچھ نہیں جانتی، کیا ہوا؟"

ارسلان خاتون نے منہ بنایا "سلطان کی طبیعت بہت خراب ہے۔"

سیدہ ارسلان خاتون کے ساتھ ہی سلطان کو دیکھنے چلی گئی۔ سیدہ کے چہرے پر اس وقت بھی نقاب تھی۔

ارسلان خاتون نے چہرے کی نقاب نوچ دینا چاہی "اب تو اسے اتار دیں۔"

سیدہ نے نقاب کو دوبارہ درست کیا اور منع کیا "مجھے تنگ نہ کرو۔"

سلطان نے سیدہ کو اپنے قریب کھڑے دیکھا تو اٹھنے کی کوشش کی مگر سیدہ نے اسے منع کر دیا "لیٹے رہو، اب طبیعت کیسی ہے؟"

سلطان نے جواب دیا "اب تو آ گئی ہے تو بہت جلد اچھا ہو جاؤں گا۔"

ارسلان خاتون نے کہا "میں نے امیر المومنین کو آپ کی علالت کی خبر کر دی ہے اور وہ پریشان ہیں اور اپنا خاص طبیب آپ کے علاج کے لیے بھیج دیا ہے۔"

سلطان نے پوچھا "تو نے امیر المومنین سے رے جانے کی اجازت حاصل کر لی؟"

ارسلان خاتون نے سیدہ کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا: "امیر المومنین نے ساتھ جانے کی اجازت دے دی ہے۔"

سلطان نے سیدہ کی طرف دیکھا اور آہستہ سے کہا۔ "تو بھی امیر المومنین سے ملاقات کر لے۔"

سیدہ نے جواب دیا: "نہیں، اب میں امیر المومنین سے چند ماہ بعد ہی ملوں گی۔ رے میں چند ماہ رہ کر۔"

سلطان کی آنکھوں کے آس پاس کی نسیں پھٹی جا رہی تھیں، وہ کراہنا چاہتا تھا مگر کراہ نہیں سکتا تھا۔

خلافت کا طبیب خاص جو ایک یہودی تھا، سلطان کو کچھ دیر تک دیکھتا رہا اور مرض فشارِ خون تجویز کیا۔ اس نے سلطان کو مشورہ دیا کہ اس شدید گرم موسم میں وہ رے کا سفر نہ کرے تو بہتر ہے۔

لیکن سلطان نے طبیب کا مشورہ نہیں مانا اور کہا۔ "تو دوائیں تجویز کر دے، میں کھاتا ہوا چلا جاؤں گا۔"

طبیب نے دوائیں تجویز کر دیں اور سلطان نے انھیں ساتھ لے کر سفر شروع کر دیا۔

اس سفر میں سرہنگ سارتگین نے سلطان کا سب سے زیادہ قرب حاصل کیا، پہلے یہ خمارتگین کا نائب تھا لیکن خمارتگین کے قتل کر دیے جانے کے بعد خمارتگین کا مرتبہ اسے حاصل ہو گیا۔ سلطان اسے ہر وقت اپنے قریب رکھتا تھا۔

ابھی یہ لوگ دو منزل گئے ہوں گے کہ گرمی نے سلطان کو پریشان کر دیا۔ اس کو طبیب کا مشورہ قبول نہ کرنے کا افسوس ہو رہا تھا۔

سلطان نے دوسری منزل میں قیام کیا اور اپنے خیمے کو ذرا بلندی پر درختوں کے سائے میں نصب کرایا۔

سیدہ ارسلان خاتون کے ساتھ سلطان کو اس کے خیمے میں دیکھنے گئی اور سلطان کی مزاج پرسی کی۔

سلطان نے ازراہِ مذاق جواب دیا: "سیدہ خاتون! اگر تو نے پہلے ہی میرا خیال رکھا ہوتا تو آج میں بیمار نہ پڑتا۔"

سیدہ نے جواب دیا: "میں اس معاہدے کی پابند ہوں جو ابونصر اور امیر المومنین کے مابین طے پایا تھا۔"

ارسلان خاتون نے اپنے چچا کی تعریفیں شروع کر دیں۔ "وہ اتنا شریف النفس، وضعدار، بہادر، عقلمند اور روادار انسان ہے کہ دنیا میں ڈھونڈنے سے بھی اور جستجو بھی تجھ کو نہیں ملے گا۔"

سیدہ نے جواب دیا: "میرے ساتھ جو زیادتی ہوئی ہے میں اسے کسی قیمت پر بھی نہیں بھلا سکتی۔"

سلطان نے کہا: "رسی جل گئی مگر بل نہیں گئے۔ ویسے بھی میں۔"

سیدہ کچھ دیر سلطان کے پاس کھڑی رہی۔ اس کے بعد واپس چلی آئی۔

خیمے کے سامنے ذرا فاصلے پر خانہ بدوشوں نے اپنے ریوڑ کے ساتھ پڑاؤ ڈال رکھا تھا۔ سلطان نے حکم دیا: "خیمے کا در کھلا رکھا جائے۔" خانہ بدوشوں اور ان کے ریوڑ کا نظارہ اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔

سلطان نے اپنے آس پاس کا جائزہ لیا۔ وہاں سرہنگ سارتگین کے سوا کوئی بھی نہ تھا۔ سلطان نے سارتگین سے کہا: "تو یہ دیکھ رہا ہے یہ خانہ بدوش ہیں۔ ان کے مویشی ان کے خیموں کے آس پاس ہیں۔ ان کے مویشیوں کا ریوڑ جنگل میں مشغول تھا۔ بکریاں، بھیڑ اور دنبے۔"

سلطان کو یہ منظر بہت بھلا لگ رہا تھا۔ اس کا ماضی اس میں موجود تھا۔ کبھی وہ بھی اپنے مویشیوں کو اسی طرح ہانکتا پھرتا تھا۔ مویشیوں کی مخصوص بساند فضا میں رچی بسی تھی۔

سلطان نے ایک بار پھر کہا: "اس منظر کو دیکھ، کیا خوب نظارہ ہے!"

سارتگین کو شبہ گزرا کہ شاید سلطان کو یہ لوگ اچھے نہیں لگ رہے۔ پوچھا: "کیا ان لوگوں کو یہاں سے بھگا دیا جائے؟"

سلطان نے جواب دیا: "نہیں، مجھے یہ لوگ اور ان کے مویشی اچھے لگ رہے ہیں۔ میں ان کو قریب سے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

سارتگین نے پوچھا: "کیا گھوڑا لایا جائے؟"

سلطان نے جواب دیا: "ہاں، میں انھیں قریب سے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

لیکن سارتگین کو سلطان کی بیماری کا خیال تھا اور وہ سلطان کو کسی پریشانی میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔

سلطان نے سارتگین کو فکر مند دیکھا تو پوچھا: "کیا بات ہے؟ تو کیا سوچ رہا ہے؟"

سارتگین نے جواب دیا: "میں یہ سوچ رہا تھا کہ کیا سلطان ان خانہ بدوشوں اور مویشیوں کو قریب سے جا کر دیکھیں گے؟"

سلطان اٹھ کر بیٹھ گیا: "میرا گھوڑا لے آ اور تو بھی میرے ساتھ چل۔"

سارتگین نے عرض کیا: "اور یہ کہ میری ناچیز رائے میں سلطان کا وہاں تنہا جانا کسی طور مناسب نہیں۔ اپنے ساتھ دو چار سو سپاہیوں کا جانا بھی ضروری ہے۔"

سلطان نے اجازت دے دی۔ "درست، جسے ساتھ لے جانا چاہو، ساتھ لے چلو۔"

سارتگین وہاں سے چلا گیا اور ایک ساعت کے اندر ہی وہ اپنے دو گھوڑوں اور دو سو سواروں کے ساتھ خیمے کے در پر آگیا۔ سلطان ان کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔

سارتگین نے سلطان کو سہارا دینا چاہا لیکن سلطان نے دونوں کہنیوں کے اشارے سے انھیں دور کر دیا۔

پھر سلطان اور سارتگین ایک ساتھ اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔

سلطان نے سارتگین سے پوچھا: ہماری اس بھیڑ بھاڑ کو دیکھ کر کیا وہ لوگ پریشان نہیں ہو جائیں گے؟"

سارتگین نے جواب دیا: اگر آپ اجازت دیں تو میں ان خانہ بدوشوں کو آپ کی طرف سے غرض وغایت بتا دوں؟"

سلطان نے پوچھا: تو کیا غرض وغایت بتلائے گا؟"

سارتگین نے سادہ لوحی سے عرض کر دیا: یہ ہمارا اپنا حسب نسب بھی خانہ بدوشوں سے مل جاتا ہے اور ہم اپنے ماضی کی یاد تازہ کرنے کے لیے چند ساعتیں ان کے ساتھ گزارنا چاہتے ہیں۔"

سلطان نے اجازت دے دی: بہت مناسب تجویز ہے تیری۔ اب تو جا میں آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھتا ہوں گا۔"

سارتگین اپنے گھوڑے کو ہوا کی طرح سبک تا ہوا... خانہ بدوشوں میں پہنچ گیا اور ان کو اپنی آمد کی غرض وغایت سے مطلع کر دیا۔

خانہ بدوش بے حد خوش ہوئے کہ انھی جیسا انسان اپنے حشم و خدم کے ساتھ ان سے ملاقات کرنے آرہا ہے۔

سلطان نے سارتگین کی واپسی سے پہلے ہی خانہ بدوشوں کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ سلطان سمجھ گیا کہ وہ لوگ اس کی پیشوائی کی خاطر آگے بڑھ رہے ہیں۔

سارتگین سلطان کے پاس واپس آگیا اور بتایا "خانہ بدوش آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔"

سلطان کو اس کے سپاہیوں نے درمیان میں لینا چاہا لیکن سلطان نے منع کر دیا۔

خانہ بدوشوں کے عمر رسیدہ سردار نے آگے بڑھ کر سلطان کی رکاب کو بوسہ دیا اور اپنی خوش قسمتی پر فخر کیا۔

سلطان کی نگاہیں انھیں دھندلا دھندلا سا دیکھ رہی تھیں۔ وہ اپنے دکھوں کا کسی پر اظہار نہیں کر رہا تھا۔

خانہ بدوشوں کی عورتیں اور بچے بھی اپنے اپنے خیموں سے نکل کر سلطان اور اس کے سپاہیوں کو دیکھ رہے تھے۔

دس گیارہ سالہ ایک لڑکا سلطان کے لیے ایک بڑے پیالے میں بھیڑ کا دودھ بھر لایا اور سلطان سے درخواست کی کہ اسے پی کر مزید شکر گزار فرمایا جائے۔

سپاہیوں میں سلطان کا ایک طبیب بھی موجود تھا۔ سلطان نے اس کی طرف دیکھا۔

طبیب نے آگے بڑھ کر دودھ کا پیالہ سلطان کے ہاتھ سے لینا چاہا اور کہا: جناب والا! آپ یہ دودھ ہرگز نہ پیجیے گا ورنہ نقصان اٹھائیں گے۔"

خانہ بدوش لڑکے کا چہرہ اتر گیا۔ بوڑھا سردار بھی کھسیایا ہوا نظر آرہا تھا۔

سلطان انھیں عجیب سی نظروں سے دیکھتا رہا اور پھر گھوڑے سے اتر کر دودھ کا پیالا لڑکے کے ہاتھ سے لے کر غٹا غٹ چڑھا گیا اور اپنے ہاتھ کی آستین سے منہ پونچھ ڈالا۔

طبیب نے تشویش ظاہر کی: یہ مناسب نہیں ہوا۔"

سلطان نے جواب دیا: اس میں شفا ہے۔"

طبیب نے درخواست کی: حضور والا! آپ اپنی قوم کی امانت ہیں اور آپ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ کسی بھی طرح خود کو نقصان پہنچائیں۔"

سلطان نے جواب دیا: یہ بالکل اپنے جیسے لوگ ہیں۔ خود کو ان کے درمیان دیکھ کر مجھے خوشی محسوس ہو رہی ہے۔ اس لیے اے طبیب! تو اس خوشی سے مجھے محروم نہ کر۔"

بوڑھا سردار گھوڑے کی لگام پکڑ کے سلطان کے ساتھ چلنے لگا۔ سلطان کے سپاہیوں نے بھی سلطان کا ساتھ دینا چاہا لیکن سلطان نے ان سب کو منع کر دیا اور کہا: سارتگین اور طبیب میرے ساتھ رہیں گے۔ تم لوگ یہیں ٹھہرو اور میرا انتظار کرو۔"

بوڑھا سردار اور اس کے کچھ ساتھی سلطان کے ساتھ چلنے لگے۔ سامنے خانہ بدوش عورتیں مویشیوں کا دودھ دوہ رہی تھیں۔

سلطان انھیں بڑے انہماک سے کچھ دیر دیکھتا رہا۔ اس کو اپنا وہ زمانہ یاد آرہا تھا جب اس کے قبیلے کی عورتیں اسی طرح مویشیوں کا دودھ دوہا کرتی تھیں۔

ایک طرف کچھ عورتیں رسیاں بٹ رہی تھیں۔ اسی طرح تیسری جگہ عورتیں مویشیوں کو دانا گھاس کھلا رہی تھیں۔

سلطان ہر جگہ کچھ دیر ٹھہرتا اور غور سے دیکھ کر آگے بڑھ جاتا۔

ایک جگہ چند خانہ بدوش بھیڑوں کا اون اتار رہے

تھے اور بھیڑیں سخت مزاحمت کر رہی تھیں۔ سلطان کو خوب معلوم تھا کہ بھیڑیں مزاحمت کیوں کر رہی ہیں۔

سارتگین نے عرض کیا "جناب والا! بھیڑوں کو شبہ ہے کہ انھیں ذبح کیا جائے گا اور جان بچانے کے خیال سے وہ مزاحمت میں مشغول ہیں۔"

سلطان نے جواب دیا "یہی حال انسانوں کا ہے۔ میں اپنے علاج میں کچھ اسی قسم کے احساسات رکھتا ہوں۔ میں بیمار ہوں اور یہ سمجھ رہا ہوں کہ میرا وقت آچکا ہے اور میں مر جاؤں گا۔ مجھے مار دیا جائے گا۔"

سلطان جو کچھ کہہ رہا تھا، سارتگین اسے ہذیان سمجھ رہا تھا کیوں کہ ایسی بے سروپا باتیں کیفیتِ ہذیان ہی میں کہی جا سکتی ہیں۔

خانہ بدوشوں کا سردار سلطان کو وہاں لے گیا جہاں سلطان کی ضیافت کی خاطر بھیڑیں ذبح کی جا رہی تھیں۔ سلطان کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ یہاں بھیڑیں کسی قسم کی مزاحمت نہیں کر رہی تھیں اور ان کے گلوں پر چھریاں بے تکلفی اور آسانی سے پھیری جا رہی تھیں۔ سلطان اس منظر کو نہایت انہماک اور توجہ سے دیکھتا رہا۔

کچھ دیر بعد پوچھا "یہ اتنے بہت سارے جانور کیوں ذبح کیے جا رہے ہیں؟"

عمر رسیدہ سردار نے جواب دیا "آپ کے لیے، آپ کے سپاہیوں کے لیے۔"

سلطان نے جواب دیا "اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ میرے دو سو سپاہیوں کے لیے تم لوگ کیوں زحمت کرو۔"

سردار نے اصرار کیا "یہ ہماری روایات کا ایک حصہ ہیں۔ آپ اپنی ضیافت کے اعزاز سے محروم نہ کریں۔"

سلطان نے اپنی مجبوری کا ذکر کیا "میں یہاں زیادہ دیر کے لیے نہیں آیا۔ جلد ہی واپس چلا جاؤں گا اس لیے اتنا اہتمام بے کار ہے۔"

بوڑھے سردار نے کہا "ضیافت قبول نہ کرنے میں ہماری بے عزتی ہے۔"

سلطان نے جواب دیا "تب پھر تو میرے سپاہیوں کی ضیافت کر دے اور مجھے معاف کر دے۔"

سردار خاموش ہو گیا۔ سلطان ذبح ہوتی ہوتی ہوئی بھیڑوں کو بڑی توجہ سے دیکھ رہا تھا۔ مطمئن اور سکون سے ذبح ہوتی ہوئی بھیڑیں۔

سلطان نے سارتگین سے پوچھا "کیا تو بتا سکتا ہے کہ ان بھیڑوں کے مقابلے میں یہ مطمئن اور پُرسکون کیوں ہیں؟"

سارتگین سلطان کی باتوں کو فضول اور بے معنی سمجھ رہا تھا۔ جواب دیا "میری کوتاہ عقل ان باریکیوں کو سمجھنے سے قاصر ہے۔"

سلطان نے جواب دیا "یہ اون اُتری بھیڑیں ہیں۔ جب ان کا اون اُتارا جا رہا تھا تو یہ ذبح کیے جانے کے وہم میں گرفتار مزاحمت کر رہی تھیں لیکن جب یہ ذبح ہونے سے بچ گئیں اور ان کو دوبارہ ذبح کرنے کی غرض سے زمین پر گرا دیا گیا تو یہ اس مصیبت کو بھی اون اتارنے والی مصیبت سمجھ کر مطمئن اور خوش ہیں۔"

سلطان خاموش ہو گیا اور سارتگین سوچنے لگا کہ سلطان اس طرح کہنا کیا چاہتا ہے آخر؟

سلطان کو اچانک یہ احساس ہوا کہ اس کی بات بھی نہیں سمجھ رہا تو اس نے ان سب کو سمجھانے کی کوشش کی "بالکل ان بھیڑوں کی طرح جب میں بیماری سے نجات حاصل کر کے صحت یاب ہو جاؤں گا اور کسی موت کی بیماری میں مبتلا ہو جاؤں گا تو سابقہ بیماری کی روشنی میں یہ سوچ کر پُرسکون اور مطمئن ہو جاؤں گا کہ صحت یابی تو لازمی ہے، شاید یہی بیماری مرضِ موت ثابت ہو اور اس طرح ان جانے میں میری موت واقع ہو جائے گی۔"

سارتگین کا یہ شبہ یقین میں بدل گیا کہ سلطان کسی نہ کسی حد تک پاگل ضرور ہو چکا ہے۔

سلطان کو احساس ہو رہا تھا کہ سارتگین اس کی باتیں نہیں سمجھ رہا ہے۔ اس نے سرد آہ بھر کے سوچا کاش کہ آج ابونصر، سارتگین کی طرح میرے قریب ہوتا تو وہ میری ہر بات سمجھ جاتا لیکن یہ سارتگین۔ اس کو حسِ لطیف تو چھو کر بھی نہیں گئی۔

سلطان نے خانہ بدوش عورتوں کو کھانا پکاتے دیکھا تو ایک بار پھر اس کو اپنا ماضی بُری طرح یاد آنے لگا۔ اس کی عورتیں بھی اسی طرح کھانا پکایا کرتی تھیں۔

سلطان نے خانہ بدوش سردار سے کہا "میں تھک گیا ہوں، ذرا آرام کرنا چاہتا ہوں۔"

سارتگین نے عرض کیا "اگر آپ پسند فرمائیں تو میں آپ کو اپنی فوج اور اپنے لوگوں میں واپس لے چلوں؟"

سلطان نے جواب دیا "نہیں، میں تھوڑا سا وقت یہیں ان خانہ بدوشوں میں گزارنا چاہتا ہوں۔"

خانہ بدوش سردار نے سارتگین کو منع کیا۔ "تو ان معاملات میں نہ پڑ۔ سلطان کو ہمارے درمیان آرام کرنے دے۔"

بوڑھا سلطان کے لیے ایک خیمے میں قیام اور آرام کی خاطر بندوبست کرنے چلا گیا۔ سارتگین نے عرض کیا "حضور

سلطان! میں کتنا ہی کم عقل اور بے وقوف سہی لیکن میں آپ کو یہاں قیام اور آرام نہیں کرنے دوں گا۔"

سلطان نے پوچھا: "وہ کیوں؟ اس کی کوئی خاص وجہ؟"

سارتگین نے جواب دیا: "آپ اپنی فوج اور اپنے لوگوں میں واپس چلیں۔ ان خانہ بدوشوں کا کوئی بھروسا نہیں مجھیں کسی لالچ میں آپ کو غافل دیکھ کر کوئی نقصان نہ پہنچادیں۔"

سلطان نے بے پروائی سے کہا: "یہ کیا نقصان پہنچائیں گے مجھے۔"

بوڑھا سردار واپس آگیا اور سلطان کو اپنے نئے خیمے میں لے گیا۔ اس خیمے کو خاص کر سلطان کے لیے نصب کیا گیا تھا۔

سلطان کسی تامل اور تشویش کے بغیر مذکورہ خیمے میں داخل ہوگیا اس میں سلطان کے شایانِ شان تو سامان نہیں تھا لیکن جو کچھ تھا وہ صاف ستھرا ضرور تھا۔

بوڑھے سردار نے بستر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "آپ جب تک چاہیں یہاں رہیں ہم آپ کو ہر سہولت مہیا کردیں گے۔"

سلطان بے اختیار بستر پر گر گیا۔ سارتگین کو مستقل حالتِ تشویش میں رکھا جا رہا تھا وہ سلطان کو بالکل تنہا نہیں چھوڑ سکتا تھا اور ان خیموں میں زیادہ دیر رکنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ وہ سلطان کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ سلطان آنکھیں کھولے خیمے کی چھت کو دیکھ رہا تھا۔ سارتگین نے آہستہ سے پوچھا: "آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"

سلطان نے کوئی جواب نہیں دیا۔

سارتگین نے خانہ بدوش سردار سے کہا: "میرا خیال ہے سلطان پر تکان نے غلبہ پالیا ہے براہِ کرم ہمارے دو تین سپاہیوں کو بلوا دیا جائے۔"

بوڑھا سردار خیمے سے نکل گیا اور کچھ دیر بعد اپنے ہی تین نوجوانوں کو لے کر آگیا اور سارتگین سے کہا: "یہ اپنے قبیلے کے نوجوان ہیں ان سے جو کام چاہو لیتے رہو۔"

سارتگین نے جھنجلائے ہوئے لہجے میں کہا: "میں اپنے سپاہیوں سے کچھ کام لینا چاہتا ہوں۔ ان کو بلوا دے۔ یہ میرے کیا کام آئیں گے۔"

تینوں نوجوان سلطان کا جائزہ لینے لگے۔ بوڑھا سردار خیمے سے باہر نکل گیا۔

سارتگین نے تینوں نوجوانوں سے کہا: "تم بھی جا سکتے ہو۔"

ایک نوجوان نے کہا: "ہمیں یہاں ہمارا سردار لایا تھا اور ہم اسی کے حکم سے واپس بھی جائیں گے۔"

سلطان بدستور چھت کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سارتگین نے سلطان سے پوچھا: "کیا آپ میری باتیں، میری آواز سن رہے ہیں؟"

سلطان نے سر کو ذرا سی جنبش دی اور سارتگین کی طرف دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلادیا۔

سارتگین نے عرض کیا: "میں آپ کی آواز سننا چاہتا ہوں۔ آپ بولتے کیوں نہیں؟"

سلطان نے اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر انگشت شہادت کو چکر میں گھمانا شروع کر دیا۔ شاید سلطان کا سر چکرا رہا تھا۔

اچانک سارتگین کو احساس ہوا کہ طبیب وہاں نہیں ہے "یہ کہاں چلا گیا؟" اس نے سوچا۔

تینوں نوجوان سلطان کو بڑی حیرت سے دیکھ رہے تھے، شاید وہ اس مشہورِ زمانہ ہستی کو اپنے درمیان دیکھ کر حیرت زدہ تھے۔

سارتگین نے خطرہ مول لیا اور طبیب کی تلاش میں باہر چلا گیا۔ طبیب وہاں کھڑا تھا جہاں سلطان کی ضیافت کا کھانا تیار ہو چکا تھا۔

سارتگین نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا: "یہاں کیا کر رہا ہے تو؟ وہاں سلطان خیمے میں بے دم اور بے سدھ پڑا ہے۔"

طبیب نے جواب دیا: "میری یہاں موجودگی بھی بے حد ضروری ہے۔ کھانے میں کہیں...."

سارتگین نے کہا: "میں جانتا ہوں کہ سلطان یہاں کا کھانا نہیں کھائے گا پھر کھانے کی نگرانی کے کیا معنی!"

طبیب نے پوچھا: "کیا سلطان کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی ہے؟"

سارتگین نے جواب دیا: "ہاں، شاید سلطان کا سر چکرا رہا ہے۔"

طبیب اور سارتگین جب سلطان کے خیمے میں داخل ہوئے تو تینوں نوجوانوں کو اس حال میں دیکھا کہ وہ سلطان پر جھکے ہوئے اس کے گلے میں پڑے ہوئے قیمتی ہار کا جائزہ لے رہے تھے۔

سارتگین نے اپنی تلوار نیام سے باہر نکال لی: "سلطان پر جھکے کیا کر رہے ہو؟ چلے جاؤ یہاں سے۔ دفع ہو جاؤ!"

تینوں نوجوان بھی برہم ہوگئے، پوچھا: "یہ تلوار کس کے لیے نیام سے باہر آئی ہے؟"

سارتگین نے جواب دیا: "ان کے لیے جن کی نیتوں میں فتور آیا ہوا ہے۔"

تینوں نوجوان بہت غصے میں تھے لیکن وہ خالی ہاتھ تھے

اس لیے سارتگین سے تلخ کلامی نہیں کی۔ ترش لہجے میں کہا "تُو نے جو کچھ کیا اچھا نہیں کیا؟"

اتنے میں بوڑھا سردار بھی چار سپاہیوں کے ساتھ خیمے میں داخل ہوا اور یہاں جو منظر دیکھا اس سے گھبرا گیا۔

سارتگین کے ہاتھ میں برہنہ تلوار تھی اور قبیلے کے تینوں نوجوان غصے اور اشتعال کی حالت میں خیمے سے نکل کر باہر جا رہے تھے۔

چاروں سپاہیوں نے خیمے میں داخل ہوتے ہی سلطان کو سلام کیا اور پوچھا "اب کیسی ہے آپ کی طبیعت؟"

سلطان نے کمزور آواز میں جواب دیا "ہاں، میں میرا..."

جو بھی اندر موجود تھا ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگا۔

سارتگین نے کہا "سلطان کی طبیعت کچھ زیادہ خراب نہیں ہے۔ اپنے خیمے میں سلطان کو زیادہ آرام ملے گا اس لیے سلطان کو یہاں سے لے چلا جائے۔"

لیکن طبیب اور سپاہی سلطان کی مرضی کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتے تھے۔ طبیب نے کہا "یہ تو تم کہہ رہے ہو، اس سلسلے میں سلطان کا کیا حکم ہے؟"

سارتگین نے جواب دیا "سلطان کی جو حالت ہے ہم سب کے سامنے ہے۔ میرے خیال میں سلطان کی اس حالت کا دوسروں کو علم نہیں ہونا چاہیے۔ اگر سلطان اپنے ہوش و حواس میں ہوتے تو خود حکم دیتے لیکن ان حالات میں ہمیں خود ہی قدم اٹھانا ہوں گے۔"

ان لوگوں نے دیکھا، اب سلطان نے اپنی آنکھیں بھی بند کر لی تھیں۔

خانہ بدوش بوڑھا ان کی باتیں سن رہا تھا اور کچھ سوچ رہا تھا۔ سارتگین کو خانہ بدوش سردار کی نیت پر شبہ ہو رہا تھا۔ اس نے سپاہیوں سے کہا "تم لوگ یہیں موجود رہو۔ اس وقت تک جب تک میں واپس نہ آؤں۔"

سارتگین ذرا سی دیر میں سلطان کے جملہ سپاہیوں کو سلطان کے پاس لے آیا۔ اور طبیب سے کہا "اب ہم سلطان کو یہاں سے لے جائیں گے۔"

خانہ بدوش سردار نے کہا "تو نے میرے تین مخلص نوجوانوں پر چوری کا شبہ کیا اور ہم سب کی نیتوں پر شبہ کر رہا ہے تو لائق تعزیر ہے۔"

سارتگین نے بوڑھے کو کوئی جواب نہیں دیا اور اپنے آدمیوں سے کہا "سلطان کو جلد از جلد اپنے قافلے میں لے چلو۔"

خانہ بدوش سردار ان کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا "میں تم لوگوں کو اس طرح تو نہیں جانے دوں گا۔"

سارتگین نے پوچھا "پھر تُو کس طرح جانے دے گا؟"

سردار نے جواب دیا "تم لوگوں نے ہم پر شبہ کر کے ہماری تذلیل کی ہے۔ ہم نے بھیڑیں ذبح کیں اور تمہاری ضیافت کا اہتمام کیا، لیکن تم ہماری ضیافت کو بھی ٹھکرا رہے ہو۔ اب تو ہم تم سے تاوان وصول کریں گے۔"

سارتگین نے حیرت سے کہا "تاوان؟ کس بات کا تاوان؟ کیسا تاوان؟"

خانہ بدوش سردار نے جواب دیا "کیا یہ بھیڑیں جو ذبح کر دی گئیں، تمہارے باپ دادا کی تھیں؟"

سارتگین نے پوچھا "اور تاوان میں ہمیں دینا کیا ہو گا؟"

بوڑھے سردار نے جواب دیا "پچیس ہزار دینار۔"

سارتگین نے ہنستے ہوئے کہا "بس صرف پچیس ہزار دینار یا کچھ اور بھی؟"

بوڑھا سردار دانت پیسنے لگا "میرا مذاق نہ اڑاؤ ورنہ میں..."

سارتگین نے پوچھا "ورنہ تُو؟ کیا کرے گا ورنہ تُو؟"

بوڑھا تڑپ کر بولا "ورنہ میں وہ کروں گا کہ جو سنے گا عبرت پکڑے گا۔"

سارتگین مسکرائے جا رہا تھا کیوں کہ وہ بالکل مطمئن تھا کہ دو سو شمشیر بکف جوان اس وقت بھی سلطان کی حفاظت کے لیے موجود ہیں جو چشم زدن میں بوڑھے کے ٹکڑے اڑا دیں گے۔

بوڑھے سردار نے پوچھا "تم پچیس ہزار دینار ادا کرتے ہو یا میں کروں اپنی کارروائی؟"

سارتگین نے طبیب سے کہا "سلطان کو اس کے گھوڑے پر بٹھاؤ اور دوسرا طاقتور شخص سلطان کے ساتھ ہی بیٹھ جائے اس طرح سلطان بآسانی اپنوں میں پہنچ جائے گا۔"

بوڑھے سردار نے ان کو للکارا "میں جو کچھ کہہ رہا ہوں پہلے وہ کرو، پچیس ہزار دیناروں کو حاصل کیے بغیر میں تم کو ہلنے بھی نہ دوں گا۔"

سارتگین نے سپاہیوں کی مدد سے سلطان کو ایک خالی گھوڑے پر بٹھانے کی کوشش کی لیکن بوڑھے سردار نے گھوڑے کو چابک مار کر بھگا دینے کی کوشش کی...

ایک سپاہی نے اس کا چابک اس سے چھین لیا۔

بوڑھے سردار نے چیخنا چلانا شروع کر دیا۔

سارتگین نے بوڑھے سے کہا "تو شرافت کے جامے میں رہ کر بات کیوں نہیں کرتا؟"

بوڑھے سردار نے ایک مخصوص آواز نکالی اور چند قدم پیچھے ہٹ گیا اس آواز نے بڑا خوفناک اثر دکھایا۔

اس پاس کے خیموں سے مسلح نوجوان نمودار ہونے لگے۔ یہ سو پچاس سے ہزاروں کی شکل اختیار کر گئے۔

سازتگین اور سپاہیوں کے چہرے اس ہی جلتے رہے۔ سازتگین نے کہا: "او بوڑھے شیطان! تو نے ہم سے دھوکا کیا ہے؟"

بوڑھا مسکرا رہا تھا: "سلطان کو ہماری تحویل میں دے دو اور پچیس ہزار دینار ادا کر کے سلطان کو لے جاؤ۔"

سازتگین اور سپاہی یکساں پریشان تھے۔ وہ خانہ بدوشوں میں بری طرح گھر گئے تھے۔

سلطان نے آنکھیں کھول دیں اور اپنے کشیدہ ماحول کو دیکھ کر حیران و پریشان ہر ایک کی صورت دیکھنے لگا۔

بوڑھا خانہ بدوش کہہ رہا تھا: "تم لوگ خاموش کیوں ہو؟ میری بات کا جواب کیوں نہیں دے رہے۔ سلطان کو ہماری تحویل میں دے دو اور پچیس ہزار دینار ادا کر کے واپس لے جاؤ۔"

سازتگین اور طبیب سلطان کو ہوش میں دیکھ کر خوش ہوئے اور ان کا حوصلہ بڑھ گیا۔

سلطان نے سازتگین سے پوچھا: "بات کیا ہے؟ یہ بوڑھا سردار کیا کہہ رہا ہے؟"

سازتگین نے پوری بات سچ سچ بتا دی: "اس کی نیت بدل گئی اور اب بوڑھا اپنے ہزاروں جوانوں کی مدد سے آپ کو یرغمال بنا کے پچیس ہزار دینار وصول کرنا چاہتا ہے۔"

سلطان نے اپنا گھوڑا مانگا اور جب مل گیا تو اس پر سوار ہو کر اپنے سواروں سے کہا: "آؤ! اپنے خیموں میں واپس چلیں۔"

خانہ بدوش سردار نے سلطان کو گھوڑے پر سوار ہوتے دیکھا تو ڈر گیا۔ اب اس کی آواز میں پہلے سے نہیں تیزی نہ رہی تھی۔

سواروں نے سلطان کے حکم پر اپنی تلواریں نیام سے باہر کر لیں۔

سلطان نے عمر رسیدہ سردار کو آواز دی: "سردار! تو کہاں چلا گیا، فوراً میرے پاس تو آ۔"

لیکن خانہ بدوش سردار نے کوئی جواب نہ دیا اور وہ اپنے جوانوں کو حکم دینے لگا: "دیکھو سلطان کو قبضے میں کر لو، پھر تم جو چاہو گے حاصل کر لو گے۔ پچیس ہزار تو کیا پچیس لاکھ دینار بھی دور نہیں ہیں۔"

لیکن سلطان کا تیز طرار ذہن فیصلہ کن کام طے کر چکا تھا۔ سلطان کے قریب ہی وہ دیدبان بھی کسی اونٹ کی طرح سر اٹھائے کھڑا تھا جس کی بلندی پر رات کو آگ جلا کے اور دن میں نقارہ یا ڈھول بجا کر اس پاس خبر کر دی جاتی تھی کہ مقابلے کے لیے تیار ہو جاؤ، دشمن قریب آ چکا ہے۔

سلطان نے دیدبان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سازتگین کو حکم دیا: "تم چند سپاہیوں کو لے کر دیدبان پر چڑھ جاؤ۔ وہاں نقارہ یا ڈھول جو بھی موجود ہو اسے زور زور سے بجانا شروع کر دو۔ جب میری فوج کے لوگ یہ آوازیں سنیں گے تو خطرے کا احساس کر کے خانہ بدوشوں پر یلغار کر دیں گے اور چشم زدن میں انھیں کاٹ کر رکھ دیں گے۔"

سازتگین تین سپاہیوں کو ساتھ لے کر دیدبان پر چڑھ گیا اور وہاں ڈھول پیٹنا شروع کر دیا۔

اس اچانک آواز نے خانہ بدوش سردار کو بھی دہلا کے رکھ دیا۔ اس کا خواب چکنا چور ہو چکا تھا۔ اس کے نوجوان اب اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔

سلطان کی فوج ڈھول کی آواز سن کر حرکت میں آ گئی۔ اور وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر خانہ بدوشوں پر ٹوٹ پڑی۔

ادھر سے سلطان نے حملے کا حکم دے دیا اور یہ لوگ بھی مار کاٹ میں مشغول ہو گئے۔

خانہ بدوشوں میں ہلچل مچ گئی۔ عورتیں اور بچے چیخ چیخ کر رونے لگے۔ عورتیں اپنے سردار سے پوچھ رہی تھیں: "سردار! یہ آپ نے کیا کیا؟"

خانہ بدوش سردار نے اعلان کر دیا: "سلطان محترم! میرے آدمیوں کو معاف کر دیں۔ میں خود کو آپ کے حوالے کرتا ہوں۔"

سلطان نے سازتگین کو حکم دیا: "اس بوڑھے کو قید کر لے اور ان نوجوانوں کو بھی جو سرکشی اور شر پر آمادہ ہوں۔"

سازتگین بوڑھے سردار کی طرف بڑھا اور اسے نہتا کر کے قید کر لیا۔ چند نوجوانوں نے سازتگین کو بوڑھے سردار کی گرفتاری سے باز رکھنا چاہا۔ انھیں زخمی کر کے گرفتار کر لیا گیا۔

اس فتنے نے جتنی جلدی سر اٹھایا تھا اتنی ہی جلدی اسے کچل دیا گیا۔

اب سلطان میں بلا کی پھرتی اور چستی آ چکی تھی وہ بیمار معلوم ہی نہ ہوتا تھا۔ وہ بوڑھے سردار سمیت ڈیڑھ سو افراد کے ساتھ اپنی فوج سے مل گیا اور پھر یہ لوگ اپنے خیموں کی بستی میں چلے گئے۔ فوج کا ہر آدمی یہ جاننا چاہتا تھا کہ ایسا کیوں ہوا؟ اور سلطان یا اس کے آدمی ہزاروں سواروں کو فرداً فرداً ساری تفصیل کس طرح بتاتے لیکن زبانیں اپنا فرض انجام دے رہی تھیں اور جس کو جو کچھ معلوم تھا اس سے زیادہ بتانے میں مشغول تھا۔

سلطان حیران تھا اور اپنی عقل پر افسوس کر رہا تھا کہ اس نے خانہ بدوشوں پر اعتماد کیوں کیا؟

ارسلان خاتون نے اپنے چچا کو مبارک باد دی کہ وہ ان خطرناک اور بدبخت لمحوں کو شکست دینے میں کامیاب رہا تھا۔

سلطان نے سیدہ کی خیریت معلوم کی تو ارسلان خاتون نے بتایا کہ سیدہ کا خیال ہے کہ سلطان کو جن نت نئے مصائب کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اس میں سیدہ کی بددعاؤں کا ہاتھ ہے۔ سلطان سیدہ کو دکھ پہنچا کر کبھی خوش نہیں رہے گا۔

سلطان کو سیدہ پر غصہ بھی آیا اور دکھ بھی ہوا... کہ یہ بدبخت نوجوان عورت اس کے بارے میں اس طرح سوچ رہی ہے۔

سلطان کے خیموں سے ذرا فاصلے پر خانہ بدوشوں کی عورتیں اور بچے جمع ہو رہے تھے۔ وہ اجتماعی طور سے اپنے بوڑھے سردار اور ڈیڑھ سو اسیروں کے لیے رو دھو رہے تھے۔

سلطان کی فوج کا خیال تھا کہ ان کو مار مار کر وہاں سے بھگا دیا جائے لیکن سلطان نے فوج کو ایسا کرنے سے منع کر دیا۔

سارتگین کے دل میں ان کے لیے ذرا سا بھی رحم کا جذبہ نہ تھا۔ اس نے سلطان کو ورغلایا: "ان لوگوں نے آپ کے ساتھ، ہم سب کے ساتھ کتنا برا سلوک کیا تھا۔"

سلطان نے بھی اس کی تائید کی اور کہا: "انھوں نے اپنے مہمانوں کو دھوکا دیا اور ان سے دولت کمانا چاہی۔ یہ ان کا بدترین جرم ہے لیکن اس کے باوجود تو یہ کیوں نہیں سوچتا کہ یہ خانہ بدوش ہیں اور پہلے ہم بھی یہی تھے۔ اس کی کچھ رعایت تو ان کو ملنی ہی چاہیے۔"

سارتگین نے کہا: "سلطان محترم! ہم آپ کو سمجھ ہی نہ سکے۔ آپ اپنے دشمنوں سے وہ سلوک کرتے ہیں کہ..."

سلطان نے بوڑھے سردار کو اپنے خیمے میں طلب کیا۔ جب پابہ زنجیر اس کو سلطان کے سامنے لایا گیا تو سلطان اسے کچھ دیر نہایت انہماک سے دیکھتا رہا جب کہ بوڑھا سردار آنکھیں تک نہیں اٹھا رہا تھا۔

سلطان نے سارتگین سے کہا: "اس بوڑھے کو پابہ زنجیر کس نے کیا؟"

سارتگین اس سوال کا کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکا۔

سلطان نے کہا: "اس کو کھول دیا جائے۔"

سارتگین نے عرض کیا: "اس نے سلطان کو یرغمال بنا کر بدترین جرم کیا ہے۔"

سلطان نے کہا: "اس کے باوجود اس کو کھول دیا جائے۔"

سلطان نے بوڑھے سے پوچھا: "میرے آدمیوں نے تیرے ساتھ زیادتی تو نہیں کی؟"

بوڑھے سردار نے جواب دیا: "بہت برا سلوک کیا۔ انھوں نے مجھے مار پیٹ کر رسیوں سے جکڑ دیا۔"

سلطان نے پوچھا: "اور تو نے ہمارے ساتھ کیا کیا تھا، کچھ یاد ہے؟"

بوڑھے نے جواب دیا: "بڑی زیادتی کی تھی، میں اس پر شرمندہ ہوں۔"

سلطان نے پوچھا: "تو نے میری یرغمالی کے عوض ہم سے کیا مانگا تھا؟"

بوڑھے نے شرمندگی سے جواب دیا: "صرف پچیس ہزار دینار۔"

سلطان نے پوچھا: "اور اگر یہ دینار تجھ کو نہ دیے جاتے تو تو کیا کرتا؟"

بوڑھے نے جواب دیا: "یہ میں نے سوچا ہی نہ تھا۔"

سلطان نے جواب پر اصرار کیا: "پھر بھی کچھ تو ہو گا تیرے ذہن میں۔"

بوڑھے نے جواب دیا: "شاید میں سلطان کو اس کے کسی دشمن کے حوالے کر کے زیادہ دولت کماتا۔"

سلطان نے کہا: "اب یہی کام میں کر سکتا ہوں۔ تیرے بھی تو دشمن ہوں گے اور وہ تیرے عوض کچھ تو دے ہی دیں گے مجھے۔"

بوڑھے سردار نے رحم کی درخواست کی: "سلطان! رحم جو میں کرنا چاہتا تھا وہی آپ کریں، پھر ہم دونوں میں فرق کیا ہوا؟"

سلطان نے کہا: "میں کیا کروں گا کوئی نہیں جانتا۔ ابھی تو میں صرف باتیں کر رہا ہوں۔"

سلطان بوڑھے کے ساتھ وہاں چلا گیا جہاں خانہ بدوش عورتیں اور بچے واویلا مچائے ہوئے تھے۔

سلطان نے کہا: "اس ہجوم سے لطف اندوز ہونے کا بہترین طریقہ تو یہ ہے کہ میں ان سب کے سامنے تجھ کو قتل کر دوں اور تیرا سر ان کی طرف پھینک دیا جائے اور پھر جو تماشا ہو گا اس سے لطف اندوز ہوا جائے۔"

بوڑھے سردار نے پھر رحم کی درخواست کی: "آپ جو چاہیں کر سکتے ہیں لیکن عفو و ترحم ان سب سے بہتر ہے۔"

سلطان نے سارتگین کے کان میں کچھ کہا۔

سارتگین نے آہستہ سے کہا: "نہیں، سلطان محترم! ایسا

نہ کریں۔"

سلطان نے کہا: "میں جو کہہ رہا ہوں کر، بحث مت کر۔"

سارتگین بے دلی سے چلا گیا۔

بوڑھا سردار کچھ جانتے، کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کا خیال تھا سارتگین جلاد کو بلانے گیا ہے۔

کچھ دیر بعد سارتگین ایک دوسرے شخص کو اپنے ساتھ لیے ہوئے آیا اور عرض کیا: "یہ حاضر ہے۔"

یہ نیا شخص سلطان کا خزانچی تھا۔ سلطان نے اسے حکم دیا۔ "بوڑھے سردار کو شاید ابھی تک کچھ کھانے کو نہیں دیا گیا۔"

بوڑھے سردار نے جواب دیا: "ہاں میں بھوکا ہوں، مجھے کھانے کو کچھ بھی نہیں دیا گیا۔"

سلطان نے خزانچی کو حکم دیا: "اس کو دینار کی بھوک لگی ہوئی ہے اس کے منہ میں دینار ٹھونس دیے جائیں۔"

سارتگین نے سلطان کے ایما پر بوڑھے سردار کو زمین پر گرا دیا اور پھر خزانچی کی مدد سے دینار اس کے منہ میں ٹھونسنا شروع کیے۔

بوڑھے نے اپنا منہ بند کر لیا تھا لیکن اس کے منہ کو زبردستی کھولا گیا اور اس میں دینار بھر دیے۔ بقیہ دینار اس کی گود میں ڈال دیے پھر سلطان نے اسے حکم دیا: "جا، اپنی عورتوں اور بچوں میں واپس جا اور آئندہ ایسی غلطی نہ کرنا۔"

بوڑھے سردار کے پاؤں جواب دے رہے تھے لیکن وہ اس کے باوجود بھاگتا رہا اور اپنی عورتوں اور بچوں میں پہنچ گیا۔ ان کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہہ رہے تھے۔

اس کے بعد سلطان نے ڈیڑھ سو اسیروں کو بھی رہا کر دیا۔ وہ کسی خانہ بدوش کو ستانا نہیں چاہتا تھا۔

کچھ دیر سلطان ان کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا اور پھر فوری کوچ کا حکم دے دیا۔

پھیلی ہوئی فوج اور غیر فوجیوں نے سمٹنا شروع کر دیا۔

اور یہ لوگ الجبال کی طرف روانہ ہو گئے، کبھی آہستہ آہستہ کبھی تیز تیز۔

سلطان کی طبیعت پھر خراب ہونے لگی لیکن اب سلطان کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ اس بیماری سے مر نہیں سکتا۔

سارتگین، طبیب اور دوسرے سردار سلطان کی بیماری سے تنگ آئے ہوئے تھے۔

الجبال کے قریب اور رے کے باہر سلطان نے اچانک اپنا منصوبہ بدل دیا اور اس نے کہا: "میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور رے میں سخت گرمی پڑ رہی ہے اس لیے میں رودان کی پہاڑیوں میں آرام کروں گا۔"

سارتگین نے عرض کیا: "حضور والا! رے ہمارے سامنے ہے، وہیں چل کر آرام کریں۔"

لیکن سلطان نے اس کی بات نہیں مانی اور جواب دیا۔ "رودان کے شہر طبارشت چلو۔ میں چند دن طبارشت میں رہوں گا۔"

سارتگین نے پوچھا: "کیا رے میں آپ کی تشریف آوری کی خبر بھیج دی جائے؟"

سلطان کا کسی بات میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ بے دلی سے جواب دیا: "رے والوں کو خبر کرو یا نہ کرو، خبر تو ان کو ہو ہی جائے گی۔"

سلطان نے فوج کے بیشتر حصے کو رے روانہ کر دیا اور اپنے ساتھ ذرا سی فوج رکھی۔

سیدہ کو جب سلطان کے منصوبے کا علم ہوا تو اس نے ارسلان خاتون سے کہا: "آپ بھی سلطان سے رے جانے کی اجازت لے لیں۔"

ارسلان خاتون نے جواب دیا: "لیکن میں اپنے چچا کے قریب رہنا چاہتی ہوں۔"

سیدہ نے کہا: "لیکن میں سلطان کے قریب نہیں رہنا چاہتی۔ سلطان سے کہیں کہ وہ مجھے بھی رے بھجوا دے۔"

ارسلان خاتون کو سیدہ کی سنگ دلی پر حیرت تھی: "تو آپ کا دل ابھی تک نہیں پسیجا؟"

سیدہ نے جواب دیا: "ارسلان خاتون کیا تم نے سلطان کے چہرے، گلے اور ہاتھوں کی جھریاں نہیں دیکھیں۔ اب وہ بوڑھا ہو چکا ہے۔ میں اس کے لیے اپنے دل میں ذرا سی بھی گرمی نہیں محسوس کرتی۔ سلطان نے اپنی انا اور قوت کے اظہار کی خاطر امیر المومنین کی نوجوان بیٹی سے شادی کر لی۔ میں اس کافور زدہ جسم کو کیسے قبول کر لوں۔"

ارسلان خاتون کو سیدہ کی باتوں نے طیش تو دلایا تھا لیکن دونوں میں رشتہ کچھ ایسا تھا کہ دونوں ہی بیک وقت ایک دوسرے کی بزرگ بھی تھیں اور خورد بھی۔ ارسلان خاتون خلیفہ کی بیوی تھی اور اس طرح سیدہ کی ماں ہو گئی تھی، دوسری طرف ارسلان خاتون سلطان کی بھتیجی تھی اور سیدہ سلطان کی بیوی۔ اس رشتے سے سیدہ، ارسلان خاتون کی ماں بھی تھی اور چچی بھی۔

ارسلان خاتون نے سیدہ سے درخواست کی: "ان نازک لمحات میں آپ سلطان کا خیال کریں۔ آپ کا یہ فعل اللہ کو بھی پسند آئے گا۔"

سیدہ نے جواب دیا: "میں دل سے جبر نہیں کر سکتی۔ میں مجبور ہوں۔"

ارسلان خاتون چپ ہو گئی اور سلطان ان سب کے ساتھ طمارشت چلا گیا۔ پہاڑیوں میں گھرے ہوئے شہر طمارشت میں۔"

سلطان نے اس چھوٹے سے سنسان شہر میں زندگی کی چہل پہل پیدا کر دی۔ یہاں کے لوگ سلطان کی تشریف آوری سے بہت خوش تھے۔

رات کو جب سلطان کے خیمے کو روشنی سے بقعۂ نور بنا دیا گیا تو یہ روشنی سلطان کی آنکھوں کو گراں گزرنے لگی اور اس کے پورے وجود میں چراغوں کی گرمی سرایت کرنے لگی۔ اس نے حکم دیا کہ پورے خیمے میں صرف دو شمعیں روشن رکھی جائیں، بقیہ بجھا دی جائیں۔

میر سامان نے عرض کیا: "اس طرح تو اندھیرے میں آپ کا دم گھٹنے لگے گا۔"

سلطان نے جواب دیا: "نہیں! کم روشنی میں میرا دم نہیں گھٹے گا۔"

سلطان کے خیمے کی ساری شمعیں، دو کے سوا گل کر دی گئیں۔ اس کم روشنی میں سلطان اپنے ماضی، حال اور مستقبل کو دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس نے اپنے اس دور کو دیکھا جب اس کا کوئی وطن نہ تھا اور غزنوی اس کو تنگ کر رہے تھے اور وہ اپنے قبائل کو اپنے بھائیوں کے ساتھ مویشیوں کے ریوڑ کی طرح ادھر اُدھر ہنکاتا پھر رہا تھا۔ پھر بخت نے یاوری کی اور اقبال مندی اس پر مہربان ہو گئی۔

وہ اپنے خیالوں میں گم معلوم نہیں کیا کچھ سوچ رہا تھا کہ طبیب مزاج پرسی کو حاضر ہو گیا۔ سلطان کا جی گھبرا رہا تھا۔ طبیب کو اندر بلوا لیا۔

طبیب کا دم گھٹنے لگا، پوچھا: "کیا سلطان کی طبیعت نہیں گھبرا رہی اس اندھیرے میں؟"

سلطان نے جواب دیا: "میرا دل روشنی میں تیز تیز دھڑکنے لگتا ہے۔ اس لیے دو کے سوا ساری شمعیں گل کرا دیں۔"

طبیب نے عرض کیا: "آپ اگر پسند کریں تو آپ کے لیے محفلِ طرب منعقد کرا دی جائے۔ اس سے آپ کا دل بہل جائے گا۔"

سلطان راضی ہو گیا: "میرا بھی یہی جی چاہتا ہے کہ میں ساز و آواز کی لہروں میں تحلیل ہو جاؤں۔ سارتگین سے کہو وہ ایک جشن کا اہتمام کرے۔"

طبیب نے باہر نکل کر سارتگین کو تلاش کیا اور جب وہ مل گیا تو طبیب نے کہا: "سلطان کے بارے میں تم سب کو خوش فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔"

سارتگین نے پوچھا: "کیوں! کیا بات ہے؟ ذرا صاف صاف بتائیں۔"

طبیب نے جواب دیا: "میں نے سلطان کے فشارِ خون کو بہت زیادہ بڑھا ہوا دیکھا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی وقت بھی کچھ ہو سکتا ہے۔" سارتگین طبیب کے ساتھ سلطان کے پاس گیا۔

سلطان نے سارتگین کو حکم دیا: "ایک شاندار محفلِ طرب منعقد کرائی جائے۔"

سارتگین نے سلطان کے حکم پر محفلِ طرب منعقد کر دی۔ پانچ گانے والیوں اور پانچ رقص کرنے والیوں نے اپنے اپنے فن کا مظاہرہ شروع کر دیا۔

سلطان گاؤ تکیے کا سہارا لے کر بیٹھ گیا۔ سارتگین نے گانے والیوں کو ہدایت کر دی تھی کہ آج جو گیت بھی سنایا جائے اس میں حزن و ملال کا عنصر نہ ہو۔

سلطان نے سازوں کی لہر کی چوٹ اپنے دل پر محسوس کی اور گانے والیوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس کی طبیعت بگڑ رہی تھی لیکن وہ اس پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسی کشمکش اور پریشانی میں اس نے طبیب کو اپنے پاس بلایا۔

طبیب سلطان کے پاس بیٹھ گیا اور پوچھا: "کیا طبیعت زیادہ خراب ہو رہی ہے؟"

سلطان سے بولا نہیں جا رہا تھا، جواب دیا: "میں ڈوبتا چلا جا رہا ہوں۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے میں خلاؤں میں سفر کر رہا ہوں۔"

طبیب نے اپنی جیب سے ایک پڑیا نکال کر سلطان کے حوالے کی اور کہا: "نصف پیالی پانی میں یہ سفوف گھول کر پی لی جائے۔ اللہ شفا دے گا۔"

اسی وقت سلطان کو پانی بھی فراہم کر دیا گیا۔ سلطان نے وہی کیا جس کا طبیب نے مشورہ دیا تھا۔ سلطان نے آنکھیں بند کر لیں اور چپ سادھے بیٹھا رہا۔ سازندے اور گانے والیاں سلطان کی ناسازیٔ طبع کو محسوس کرتے ہی گھبراہٹ کا شکار ہو گئے۔ طبیب نے ہاتھ کے اشارے سے ان کو حکم دیا کہ جو کچھ ہو رہا ہے اسے جاری رہنا چاہیے۔

کچھ دیر بعد سلطان نے آنکھیں کھول دیں اور آہستہ سے طبیب کے کان میں کہا: "اسی وقت کسی کو رے روانہ کر دے، وہ ابو نصر کو جتنی جلدی لا سکے اپنے ساتھ لے آئے۔"

طبیب نے پوچھا: "کیا میں سارتگین کو یہ فرض سونپ دوں؟"

سلطان نے جواب دیا "نہیں، اس کو کسی بات کا علم نہیں ہونا چاہیے۔"

سارتگین دونوں کی کھسر پھسر کو شک اور خوف کی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ جب طبیب وہاں سے باہر جانے لگا تو سارتگین نے اس کو ایک طرف لے جاتے ہوئے پوچھا "تم دونوں کیا باتیں کر رہے تھے؟"

طبیب نے جواب دیا "سلطان کی طبیعت خراب ہو رہی ہے۔ میں تسلیاں دے رہا تھا اور اب دوا لینے جا رہا ہوں۔"

سارتگین مطمئن ہو گیا۔

جب سلطان کی طبیعت زیادہ خراب ہونے لگی تو سلطان نے محفلِ طرب کو برخاست کر دیا۔ اور اپنے پاس تخلیے میں ارسلان خاتون اور بیوی سیدہ کو بلوالیا۔ سیدہ اس وقت بھی نقاب میں تھی۔ سلطان نے دو شمعوں کی روشنی میں سیدہ کی طرف دیکھ کر پوچھا "تیری یہ نقاب کب اُترے گی چہرے سے؟"

سیدہ نے بے مروتی سے جواب دیا "کبھی نہیں۔"

سلطان نے کہا "سیدہ! میں تجھ کو بے نقاب دیکھنا چاہتا ہوں۔"

سیدہ نے جواب دیا "ایسا ناممکن ہے۔"

ارسلان خاتون نے سلطان کو مشورہ دیا "عم محترم! اب آپ اس کے قریب طہارشت میں ہیں، مجھے حکم دیں کہ میں اس کی نقاب نوچ کر پھینک دوں۔"

سیدہ ڈر گئی، پوچھا "یہ تو کیا کہہ رہی ہے؟"

ارسلان خاتون نے جواب دیا "میں وہی کہہ رہی ہوں جو اِن حالات میں مجھے کہنا چاہیے۔"

سیدہ نے سلطان سے شکایت کی "آپ اس کو منع کریں کہ یہ میرے ساتھ زیادتی نہ کرے۔"

سلطان نے ارسلان خاتون کو منع کر دیا "لڑکی! تُو سیدہ سے ادب کے ساتھ پیش آ، اس کو شکایت کا موقع نہ دے۔"

ارسلان خاتون نے مُنہ بسورتے ہوئے جواب دیا۔ "عم محترم! آپ کتنے بڑے انسان ہیں، سیدہ کو اس کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ یہ آپ کے ساتھ زیادتی کرتی چلی جا رہی ہے۔"

سلطان نے کہا "لیکن یہ میری بیوی ہے اور تُو میری بھتیجی۔ تجھ پر اس کا احترام واجب ہے۔"

ارسلان خاتون سعادت مند بھتیجی کی طرح وہاں سے چلی گئی۔ اب سلطان سیدہ سے مخاطب ہوا "تُو میری قوت اور دبدبے سے اچھی طرح واقف ہے لیکن میں نے اسے تیرے سلسلے میں استعمال نہیں کیا۔"

سیدہ نے جواب دیا "سلطان! آپ اسے تسلیم کیوں نہیں کرتے کہ میرے ساتھ زیادتی ہوئی ہے، ظلم ہوا ہے۔"

سلطان کے سر کا درد تیز ہو چکا تھا۔ اس نے سیدہ سے بحث نہیں کی اور کہا "اب تُو جا سکتی ہے۔"

سیدہ چلی گئی تو اس نے دوبارہ ارسلان خاتون کو بلوایا۔ جب وہ آ گئی تو سلطان نے بالکل تخلیے میں اس سے کہا "ارسلان خاتون! پتا نہیں کیا ہو رہا ہے۔ میں نے ابونصر کو بلوایا ہے لیکن معلوم نہیں کہ وہ آئے گا بھی یا نہیں۔"

ارسلان خاتون نے سلطان کی آواز میں کپکپاہٹ اور تھرتھراہٹ سی محسوس کی اور جواب دیا "جب آپ نے ابونصر کو طلب کیا ہے تو وہ ضرور آئے گا۔"

سلطان نے کہا "افسوس کہ میں اس کا انتظار نہیں کر سکتا۔"

ارسلان خاتون نے سادہ لوحی سے جواب دیا "جب آپ نے ابونصر کو طلب کیا ہے تو اس کا انتظار بھی کر لیں۔"

سلطان نے اس معصوم اور سادہ دل خاتون کو کچھ دیر محبت بھری نظروں سے دیکھا "اچھا خیر! تُو کہتی ہے تو میں اس کا انتظار بھی کر لوں گا۔"

ارسلان خاتون نے کہا "یہ بات ہوئی کام کی۔ تو اب میں چلوں؟"

سلطان نے اپنے سرہانے سے کاغذات کا ایک پلندہ اٹھایا اور ہدایت کی "یہ کاغذات اُن کو تو کہیں چھپا کر رکھ دے۔ یہ شہزادہ سلیمان اور اس کی ماں کی امانت ہیں۔ میرا وصیت نامہ، ایک سلطان کا وصیت نامہ۔ تو اس کو کسی بھی طرح شہزادہ سلیمان یا اس کی ماں کو پہنچا دے گی، اور اس کا کسی کو علم بھی نہ ہو۔"

ارسلان خاتون نے وصیت نامہ رکھ لیا اور خطرے کو محسوس کر کے چپکے چپکے آنسو بہانے لگی۔

وہ رات بھر سلطان کے پاس ہی موجود رہی۔ دوسرے دن صبح کئی طبیبوں نے سلطان کی بگڑتی ہوئی حالت پر آپس میں مشورہ کیا۔

سارتگین کو کچھ شبہ ہو گیا تھا اس نے طبیبوں سے پوچھا "کیا کچھ گڑبڑ ہے؟"

ایک طبیب نے پوچھا "کس قسم کی گڑبڑ؟"

سارتگین نے پوچھا "سلطان کی طبیعت؟ مرض کیا ہے؟ علاج سے فائدہ کیوں نہیں ہو رہا ہے؟"

طبیب نے جواب دیا "گرمی کی شدت نے سلطان کے

مرض کو روک رکھا ہے لیکن جیسے ہی گرمی کم ہو جائے گی سلطان کے مرض میں حیرت انگیز افاقہ ہو جائے گا۔"

لیکن سارتگین کو طبیب کی باتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا وہ سلطان سے براہِ راست بات کرنا چاہتا تھا لیکن اسے یہ کہہ کر روک دیا گیا کہ اس وقت سلطان، ارسلان خاتون اور سیدہ سے باتیں کر رہا ہے۔

سارتگین کو تیسرے پہر سلطان نے بلوا لیا۔ اس وقت سلطان گاؤ تکیے کے سہارے نیم دراز تھا۔ بالوں میں تیل لگا ہوا تھا اور آنکھوں میں دنبالے دار سرمہ لگا ہوا تھا سلطان اسے دیکھ کر مسکرایا۔ سارتگین نے سلطان سے مصافحہ کیا اور مزاج پرسی کی۔

سلطان نے جواب دیا۔ "اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔ لیکن کمزوری ستا رہی ہے۔ طبیب آرام کا مشورہ دے رہے ہیں۔"

سلطان کو مسکراتا ہوا دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ واقعی سلطان اب صحت یاب ہو رہا ہے۔

سلطان نے کہا۔ "اب تو جا سکتا ہے کیوں کہ آج میں سب سے ملوں گا۔"

سارتگین وہاں سے چلا آیا۔ اس کے ہٹتے ہی سلطان ایک طرف ڈھلک گیا۔ اس وقت وہاں کوئی بھی نہ تھا۔

کچھ دیر بعد ارسلان خاتون سلطان کے پاس آئی۔ اس وقت سلطان گاؤ تکیے پر اوندھے منہ پڑا تھا۔

ارسلان خاتون نے آواز دی۔ "عم محترم! کیا بات ہے؟ کیا میں لٹا دوں؟ یہ آپ کس طرح لیٹے ہیں؟"

لیکن سلطان کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔

ارسلان خاتون نے سلطان کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "کیا میں سیدھا لٹا دوں؟"

سلطان نے پھر کوئی جواب نہ دیا۔

ارسلان خاتون نے دو کنیزوں کو بلا کے سلطان کو سیدھا کرنا چاہا۔ پیچھے گاؤ تکیہ خون میں لت پت تھا۔

ارسلان خاتون اور کنیزیں گھبرا گئیں۔ لیکن ارسلان خاتون نے دونوں کنیزوں کو یہ کہہ کر قید کر دیا۔ "خبردار! شور مت کرنا، یہ خبر باہر نہیں پہنچنا چاہیے۔"

کنیزیں واویلا مچانے لگیں۔ "ہمیں کیوں قید کرتی ہو، ہمیں باہر نکالو۔"

لیکن ارسلان خاتون نے ان کی ایک نہ سنی۔ اس نے نہایت خاموشی سے طبیب خاص کو طلب کیا اور جب وہ آ گیا تو سلطان کو اس کے سامنے پیش کر دیا، پوچھا "یہ خون کہاں سے آ رہا ہے؟ اسے بند ہونا چاہیے۔"

طبیب نے جواب دیا۔ "سلطان کی نکسیر پھوٹی ہے اور ناک کے راستے بہت زیادہ خون بہ گیا ہے۔"

ارسلان خاتون ضبط سے کام لے رہی تھی لیکن اندر سے اس کا برا حال تھا۔ پوچھا۔ "کیا عم محترم ٹھیک ہو جائیں گے؟"

طبیب نے جواب دیا۔ "میں کوشش کر رہا ہوں اگر خون بند کرنے میں کامیاب ہو گیا تو سلطان کو بچا لوں گا۔"

لیکن دو ڈھائی ساعتوں کی کوششیں بھی خون نہ بند کر سکیں۔

ابو النصر آ چکا تھا اس کو سلطان کے پاس پہنچا دیا گیا۔ ارسلان خاتون کو وہاں سے ہٹا دیا گیا۔

ابو النصر نے طبیب سے پوچھا۔ "اب سلطان کی طبیعت کیسی ہے؟"

طبیب نے آنسو بہاتے ہوئے جواب دیا۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون۔"

ابو النصر کو سخت دھچکا لگا۔ کہا۔ "نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا! ایک بار پھر غور کرو۔"

طبیب نے جواب دیا۔ "ابو النصر! ہمارا کام ختم ہوا۔ اب تمہارا کام رہ گیا ہے۔ جو مناسب سمجھو کرو۔"

ابو النصر نے اس حصے کو بند کر دیا اور باہر نکل آیا۔ ارسلان خاتون بہت بے چین تھی۔ ابو النصر سے پوچھا۔ "سلطان اب کیسے ہیں؟"

ابو النصر نے جواب دیا۔ "ٹھیک ہیں۔ انہیں آرام کا مشورہ دیا گیا ہے۔"

ارسلان خاتون نے عرض کیا۔ "اچھا تو آپ مجھ سے وہ کاغذات لے لیں جو سلطان نے کل ہی مجھے دیے تھے۔"

ابو النصر نے وہ کاغذات لے لیے اور انہیں کھول کر پڑھنا شروع کر دیا۔ یہ وصیت نامہ تھا اس وصیت نامے نے سلطان کی حیثیت میں کچھ زیادہ ہی اضافہ کر دیا تھا۔

وہ بڑی گرم رات تھی۔ ابونصر نے سلطان کی لاش کو ایک ایسی جگہ رکھ دیا جہاں گرمی نہیں تھی۔ خس کے چھپروں کو پانی میں تر کر کے سلطان کی میت کے چاروں طرف کھڑا کر دیا گیا، اور جس خیمے میں یہ اہتمام ہوا تھا اس کی چھت کو مٹی سے پاٹ کر پانی کا چھڑکاؤ کرا دیا جس سے چھت کا اندرونی حصہ سرد ہو گیا۔ خیمے کی دیواریں دُہری تھیں اور دو دیواروں کے درمیان خلا رکھا گیا تھا جس سے باہر کی تپش خیمے کے اندر نہیں پہنچتی تھی۔

ارسلان خاتون اور سیدہ نے ان سرگرمیوں سے کچھ کچھ تو سمجھ لیا تھا لیکن یقین نہیں آ رہا تھا۔

جن خدمت گاروں نے سلطان کی لاش کو اس خیمے میں محفوظ کیا تھا انھیں اس خیمے سے ملحق کمرے میں قید کر دیا گیا لیکن ان کو بتایا یہ گیا کہ وہ سلطان کی آخری رسوم کی ادائیگی تک سلطان کے قریب ہی رہیں گے۔ ملحقہ خیمے کا ایک دروازہ سلطان کی میت والے خیمے میں کھلتا تھا۔ ایک خدمت گار خیمے میں عود و عنبر سلگانے کی خدمت انجام دے رہا تھا۔ چند حافظ تلاوتِ قرآنِ پاک میں مشغول تھے۔ خیمے میں اندھیرا دور کرنے کے لیے پنج شاخہ شمع روشن تھی۔ چوں کہ سلطان نے زندگی کے آخری لمحوں میں تیز روشنی کو ناپسند کیا تھا اس لیے اس کی موت کے بعد بھی ایک پنج شاخہ شمع پر اکتفا کیا گیا۔

ابونصر ان انتظامات سے فارغ ہونے کے بعد ارسلان خاتون کے پاس گیا۔ عود و عنبر کی ہلکی ہلکی خوشبو اپنے خیمے سے سفر کر کے ارسلان خاتون تک پہنچ چکی تھی۔ وہ سانس کھینچ کھینچ کر خوشبو سونگھ رہی تھی اور اندیشوں اور وسوسوں میں مبتلا ہوتی جا رہی تھی۔ جب اسے یہ بتایا گیا کہ ابونصر اس سے ملنا چاہتا ہے تو اس کا دل یکبارگی زور سے دھڑکا اور رگ رگ دھڑکنے لگا۔ اس نے کنیز سے کہا۔ ”ابونصر کو فوراً لاؤ میرے پاس۔“

ابونصر مسکراتا ہوا اندر داخل ہوا اور سلطان کا فرمان سنا دیا: ”ابھی ابھی سلطان نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ ہم سب رات کے پچھلے پہر سے روانہ ہو جائیں۔ سلطان کا یہاں دل ہی نہیں لگ رہا۔“

ارسلان خاتون کا دل بھر آیا، وہ ابونصر کی اداکاری سے ذرا بھی متاثر نہ ہوئی۔ پوچھا: ”اے ابونصر! تم میرے چچا کے وزیر ہو؟“

ابونصر نے جواب دیا: ”جی محترم خاتون! یہ کون نہیں جانتا۔“

ارسلان خاتون نے پوچھا: ”تم نزلے یا زکام کے مریض تو نہیں؟“

ابونصر نے جواب دیا: ”الحمدللہ کہ میں کئی سال سے نزلے یا زکام کا شکار نہیں ہوا۔“

ارسلان خاتون نے قوتِ شامہ کے بارے میں پوچھا۔ ”تمھاری ناک کہاں تک سونگھ سکتی ہے؟“

ابونصر اوٹ پٹانگ سوالوں سے پریشان ہو رہا تھا، کہا: ”آخر آپ اس طرح کہنا کیا چاہتی ہیں؟“

ارسلان خاتون نے جواب دیا: ”کیا آپ کو عود و عنبر کی خوشبو نہیں محسوس ہو رہی ہے؟“

ابونصر لاجواب ہو گیا: ”مگر یہ کہ آپ...“

اس نے بات بنانے کی کوشش کی لیکن اس کی ساری ذہانت جواب دے گئی۔

ارسلان خاتون نے اس کے سامنے کھڑی ہو کر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مخاطب ہوئی: ”تم مجھ سے کیوں چھپا رہے ہو؟ عمِ محترم کا اصل حال بتاؤ مجھے۔“

ابونصر کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ وہ نظریں نہیں ملا رہا تھا، جواب دیا: ”ہمیں رات کے پچھلے پہر روانہ ہو جانا چاہیے، وہاں نیا سلطان ہمارا منتظر ہو گا۔“

ارسلان خاتون نے اپنے منہ میں رومال ٹھونس لیا کیوں کہ اگر وہ ایسا نہ کرتی تو اس کے منہ سے چیخ نکل گئی ہوتی۔

ابونصر واپس چلا گیا۔ اسے بہت کچھ کرنا تھا۔

ارسلان خاتون کی سوجی ہوئی آنکھوں نے سیدہ کو وہ سب کچھ بتا دیا جسے ابونصر اور ارسلان خاتون مسلسل چھپا رہے تھے۔ سیدہ نے ماحول میں اضطراب اور بے چینی بھی محسوس کی۔ ہر طرف چل چلاؤ کا سماں تھا۔ اس نے ارسلان خاتون سے کچھ پوچھنا بھی چاہا مگر ارسلان خاتون سامنے سے ٹل گئی اور سوال جواب کا موقع ہی نہ دیا۔

ارسلان خاتون اس کمرے میں چلی گئی جہاں شاہی خواتین کے لباس رکھے جاتے تھے۔ یہ جگہ سب کی نظروں سے بچ بچا کے رونے آنسو بہانے کیلیے بہترین جگہ تھی۔ ارسلان خاتون کو بالکل ہوش نہ تھا کہ سیدہ اس کا پیچھا کر رہی ہے۔ وہ لباسوں کے درمیان کپڑوں سے منہ ڈھانپ کر سسکیاں لے لے کر رونے لگی۔

سیدہ چپ چاپ کھڑی رہی۔ بے حس و حرکت۔ ارسلان خاتون کہہ رہی تھی "یہ کیا ہو گیا اُمِ محترم؟ آپ نے ہمیں اپنے سائے سے محروم کر دیا۔ اب کیا ہوگا؟"

سیدہ ارسلان خاتون کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہو گئی "یہ کب ہوا؟ کیا سلطان ختم ہو گیا؟ سب کچھ ختم ہو گیا؟"

ارسلان خاتون کے وجود میں آگ سی لگ گئی۔ بگڑ کر جواب دیا "ہاں، سب کچھ ختم ہو گیا۔ اب آپ خوش ہو جائیں کیوں کہ عمِ محترم کی زندگی نے آپ کو قیدی بنا رکھا تھا اور اب آپ آزاد ہیں۔"

سیدہ نے جواب دیا "لڑکی! میرے ساتھ جو کچھ ہوا، اللہ دشمن کو بھی اس سے محفوظ رکھے۔"

ارسلان خاتون نے ان کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا "بس، آپ چپ ہو جائیں۔"

رات کے پچھلے پہر ابونصر نے رے کا سفر اسی شان اور آن بان سے کیا جس طرح سلطان طغرل کیا کرتا تھا۔ فوج اور اُمرا کو یہ بتایا گیا تھا کہ سلطان رے پہنچ کے چند ہفتے آرام کرنا چاہتا ہے۔ سلطان کی میت ایک گاڑی میں رکھ دی گئی جس کو دو گھوڑے کھینچ رہے تھے۔ اسی میں ارسلان خاتون کو بٹھا دیا گیا۔ ابونصر کئی بار اس گاڑی میں گیا اور سلطان کی ہدایات لے کر واپس آ گیا۔ گویا یہ سفر سلطان کی ہدایات اور نگرانی میں جاری تھا۔

رے میں شہزادہ سلیمان اور دوسرے اُمرا نے سلطان کا ایک منزل آگے آ کے استقبال کیا۔ شہزادہ سلیمان گھوڑے سے اُتر پڑا اور ابونصر سے پوچھا "سلطان کی طبیعت اب کیسی ہے؟"

ابونصر دوسرے اُمرا کی موجودگی میں جواب ٹال گیا اور شہزادے سے کہا "آپ ولی عہد ہیں۔ سلطان کے پاس جائیں اور خود اس سے معلوم کریں کہ اب کیسی طبیعت ہے؟"

دوسرے اُمرا بھی سلطان سے ملنا چاہتے تھے لیکن ابونصر نے کہا "سلطان آپ لوگوں سے رے کے محل میں ملے گا۔ یہاں دورانِ سفر اسے نہ پریشان کریں۔"

ابونصر شہزادے کو سلطان کی میت کے پاس لے گیا اور اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لے کر آنکھوں سے لگا کے بوسہ دیا اور بھرائی آواز میں کہا "سلطان اپنے آخری سفر پر روانہ ہو گیا اور سلطان کی وصیت کے مطابق اب آپ ہی ہمارے سلطان ہیں۔"

شہزادہ سلیمان اس خبر سے خوش ہوا اور کہنے لگا "تب پھر یہ خبر تم چھپا کیوں رہے ہو؟ اسی وقت سلطان کی وفات کا اعلان کر کے میری بادشاہت کی خوش خبری سنا دو۔ ایسے موقعے بار بار نہیں آتے۔"

ابونصر نے شہزادے کو سمجھایا "یہ کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں آپ۔ لوگ کیا کہیں گے؟ آپ کی تخت نشینی کے ساتھ ہی سلطان کی وفات کا اعلان کر دیا جائے گا۔ ایک بادشاہ جائے گا تو دوسرا اس کی جگہ لے گا۔"

شہزادہ سلیمان خاموش ہو گیا اور یہ لوگ شام سے پہلے رے میں داخل ہو گئے۔ مرحوم سلطان کی گاڑی محل کے اندرونی حصے میں پہنچا دی گئی۔

فوج کے ساتھ آنے والے چند اُمرا نے ابونصر کو محل کے صدر دروازے ہی پر روک لیا اور ترش لہجے میں کہا۔ "عمید الملک! آپ یہ جو کچھ کر رہے ہیں اپنے لیے، شہزادہ سلیمان کے لیے، سلجوقی سلطنت کے لیے اور پوری ترک قوم کے لیے اچھا نہیں کر رہے۔"

ابونصر سمجھ گیا کہ یہ ترک اُمرا کیا کہہ رہے ہیں۔ جواب دیا "میں جو کچھ کر رہا ہوں یہی مناسب اور سلطان کی وصیت کے مطابق ہے۔"

ایک امیر نے کہا "ہمیں معلوم ہے کہ سلطان کا انتقال ہو چکا ہے لیکن ہم اس لیے خاموش رہے کہ وفات کی قبل از وقت شہرت، شورشیں اور ہنگامے کھڑے کر دے گی۔"

ابونصر نے معذرت کی "یہ وقت بہت نازک ہے اگر مناسب سمجھو تو یہ باتیں دوسرے وقت پر اٹھا رکھو۔ رسمِ تخت نشینی ادا ہو لینے دو دربار ہی میں یہ باتیں ہو سکتی ہیں۔"

ترک امیر نے ابونصر کا مذاق اڑایا "سلطان طغرل جیسے اولوالعزم اور مدبر سلطان کی جگہ شہزادہ سلیمان جیسے ناتجربہ کار اور نااہل کو سلطان بنا دینا اس منصب اور مقام کی بے عزتی ہے۔ آپ کو اس میں حصہ نہیں لینا چاہیے تھا۔"

ابونصر نے جواب دیا "تم نے جو کچھ کہا، اس کا مطلب اور انجام تو جانتے ہی ہو گے؟"

امیر نے کہا "خوب اچھی طرح، لیکن ابھی شہزادہ سلیمان سلطان نہیں بنا ہے۔ اس کے سلطان بننے تک ہم کافی دور جا چکے ہوں گے۔"

ابونصر نے کہا "میرا مشورہ بھی یہی ہے کہ تم جیسے لوگ جتنی جلدی ممکن ہو یہاں سے چلے جائیں۔"

اُمرا نے اپنے گھوڑوں کا رُخ مشرق کی طرف کر دیا۔

"الپ ارسلان ہر طرح مناسب ہے۔" ان میں سے ایک بولا۔

ابو نصر نے جواب دیا۔ "میں بھی یہی سمجھتا ہوں لیکن مرحوم سلطان کی وصیت بھی تو کوئی چیز ہے۔"

اختلاف رکھنے والے اُمرا ناراض ہو کر چلے گئے۔ جو اُمرا ابھی رے میں موجود تھے اور شہزادہ سلیمان کے سلطان بنائے جانے کے خلاف تھے انھیں رے سے باہر بھیجنے کا منصوبہ بنا لیا گیا۔ مرحوم سلطان کی خواہش تھی کہ اسے اس کے بھائی چغری داؤد کے پہلو میں دفن کیا جائے اور چغری داؤد مرو میں دفن تھا۔ چنانچہ باغی اُمرا کو مرحوم سلطان کی میت کے ساتھ مرو روانہ کر دیا گیا، اور رے میں اس وقت شہزادہ سلیمان کو مرحوم سلطان کی جگہ تخت پر بٹھا دیا گیا۔

نئے سلطان کی ماں خوشی سے بولائی بولائی یہاں سے وہاں پورے محل میں گھومتی پھرتی رہی۔ وہ اس اعزاز و اکرام کو سمیٹ رہی تھی جو اب اسے نئے سلطان کی ماں کی حیثیت سے وصول ہو رہا تھا۔

ارسلان خاتون کو ابو نصر کی اس بات سے اختلاف پیدا ہو گیا۔ اس نے پوچھا "تم مرحوم سلطان کی میت کے ساتھ مرو کیوں نہیں گیا؟"

ابو نصر نے جواب دیا۔ "ابو نصر کی رے سے زیادہ مرو کو ضرورت نہیں تھی۔"

پورے محل کو چراغوں سے نور کا گہوارہ بنا دیا گیا۔ خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔ انعام و اکرام کی بارشیں ہونے لگیں۔ نیا سلطان، ابو نصر کا بے حد شکر گزار تھا کہ اس نے بے چون و چرا اسے سلطان بنا دیا تھا۔

خلیفہ کی بیٹی سیدہ بھی اس دلچسپ تماشے کو بڑے شوق سے دیکھ رہی تھی، کیوں کہ وہ خوب جانتی تھی کہ شہزادہ اس وقت تک سلطان نہیں کہلائے گا جب تک سیدہ کا باپ اسے سلطانی کی سند نہیں دے گا۔

ابو نصر اس کام کو آسان سمجھ رہا تھا۔ اس نے نئے سلطان کی ماں سے کہا "محترم خاتون! اس وقت پورا محل آپ کی عزت و احترام میں مشغول ہے لیکن اس محل میں ایک ایسی عالی ذات بھی موجود ہے جو آپ کی عزت نہیں کرے گی بلکہ آپ کو اس کی عزت کرنا ہو گی۔"

سلطان کی ماں پیشانی پر شکنیں ڈال کر کھڑی ہو گئی۔ "وہ کس طرح؟ ایسا کون ہے؟"

ابو نصر نے سیدہ کا نام لیا۔ "وہ امیر المومنین کی بیٹی ہے۔ جب تک اس کا باپ اس شہزادے کو سلطان نہیں مانے گا شہزادے کی سلطانی مشکوک رہے گی۔"

شہزادے کی ماں ہنسنے لگی۔ "تو یہ کون سا مشکل کام ہے؟ میں اس کے پاس جاتی ہوں اور اس سے حکماً اس کے باپ کے نام ایک خط لے لوں گی۔ اس خط میں سیدہ اپنے باپ کو لکھے گی کہ میرے بیٹے سلیمان کو سلطان تسلیم کر لیا جائے۔"

ابو نصر نے اسے منع کیا۔ "آپ یہ سب نہ کیجیے گا۔ یہ کام میں کروں گا۔ سیدہ سے میں بات کروں گا۔"

نئے سلطان کی ماں کو شبہ ہوا کہ ابو نصر اب کوئی اور ہی کھیل کھیل رہا ہے۔ اس نے ایک شرط عائد کر دی۔ "چلو سیدہ سے تو خود بات کر لے لیکن یہ بات بھی اب میرے سامنے ہونا چاہیے۔"

ابو نصر نے ذرا تامل کیا کہا۔ "وہاں آپ کی ضرورت تو نہیں ہے لیکن خیر مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

نئے سلطان کی ماں نے پوچھا۔ "پھر یہ بات کب ہو گی؟"

ابو نصر نے جواب دیا۔ "آج رات کھانے کے دسترخوان پر۔ لیکن آپ ذرا خاموش رہیے گا۔"

سلطان کی ماں ضرورت سے زیادہ عقل و شعور کا مظاہرہ کر رہی تھی، کہنے لگی۔ "میں کیوں خاموش رہوں گی؟ آخر میں سلطان کی ماں ہوں!"

ابو نصر نے عرض کیا۔ "محترم خاتون! رموزِ مملکت سے آپ اتنی واقف نہیں جتنا میں واقف ہوں اس لیے وہاں آپ کا چپ رہنا بہت ضروری ہے۔"

اس نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔ "اچھا یوں ہی سہی۔"

ابو نصر اس کے پاس سے اٹھ کر نئے سلطان کے پاس چلا گیا جو اپنے دوستوں میں گھرا ہوا تھا۔ خانہ بدوش ترک جو سپاہی بھی تھے اور نئے سلطان کے ساتھی اور دوست بھی۔ نئے سلطان نے ان میں سے کئی کا درباری امیر کی حیثیت سے انتخاب بھی کر لیا تھا۔

ابو نصر ایک گوشے میں چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ نئے سلطان کی حرکات و سکنات کا مشاہدہ کرنا چاہتا تھا۔

یہ اوباش ترک نوجوان نئے سلطان سے جشن برپا کرنے کی درخواست کر رہے تھے، ایک شاندار جشن، رقص و موسیقی۔

نیا سلطان ابو نصر کا نام لے رہا تھا۔ "میں نے اپنی ساری ذمے داری ابو نصر کو سونپ رکھی ہے۔ اس جشن کا اہتمام

ابونصر ہی کرے گا!"

ایک ترک نوجوان نے پوچھا۔"ابونصر آخر ہے کیا۔آپ اس کو اپنے سر پر مسلط نہ کریں۔"

نئے سلطان نے جواب دیا۔"میں نے اسے اپنے سر پر مسلط نہیں کیا، وہ مرحوم سلطان کا بھی وزیر تھا۔وہ بے حد عقلمند ہے۔"

لیکن ترک نوجوان کو اس سے اختلاف تھا۔"لیکن اس وقت سب سے زیادہ عقلمند تم ہو، کیوں کہ تم سلطان ہو اور سلطان جس کو جو چاہے بنا دے جب کہ کسی وزیر کو یہ اختیار نہیں ہوتا کہ وہ اپنی مرضی سے جس کو جو چاہے بنا دے۔"

نئے سلطان کو اپنے ترک دوست کی یہ بات اچھی لگی۔ "بولتا رہ، باتیں کرتا رہ، تیری باتیں اچھی لگ رہی ہیں۔"

ترک نوجوان نے کہا۔"اگر میری باتیں اچھی لگ رہی ہیں تو مجھے اپنا مشیر کیوں نہیں بنا لیتے؟"

نئے سلطان نے اسے فوراً اپنا مشیر بنا لیا۔"آج سے تو میرا مشیر ہے، اسی وقت سے، ابھی سے۔"

ترک نوجوان اپنی جگہ سے اٹھا اور نئے سلطان کے گلے لگنے لگا لیکن ابونصر نے پھرتی سے آگے بڑھ کر ترک نوجوان کو گدی سے پکڑ لیا۔"کیا کرتا ہے، دور رہ، اب شہزادہ سلیمان سلطان ہیں۔تیرے دوست یا ساتھی نہیں۔ اب تو فاصلے سے رہے گا۔"

ترک نوجوان نے اپنے دوست سلطان کی طرف مدد طلب نگاہوں سے دیکھا۔

سلطان نے ابونصر سے کہا۔"ابونصر! یہ میرا دوست ہے اور میں نے ابھی ابھی اسے اپنا مشیر نامزد کر دیا ہے۔"

ابونصر نے جواب دیا۔"محترم سلطان! آپ خود کو اتنا آسان اور سستا نہ کریں۔اب آپ سلطان ہیں اور ایک سلطان کسی کو اتنی آسانی سے اتنا بڑا منصب نہیں دے سکتا۔کیا یہ نوجوان ترک آپ کا مشیر بننے کا اہل ہے؟"

نئے سلطان نے جواب دیا۔"یہ اس کا اہل ہے اور یہ اس لیے اہل ہے کہ یہ میرا دوست ہے، میرا ساتھی ہے۔"

ابونصر نے کہا۔"یہ کوئی قابلیت نہیں، آپ اپنے دوست کو مال و دولت سے نواز دیں لیکن یہ مناصب، عہدے اور مراتب، لیاقت اور قابلیت چاہتے ہیں، آپ انھیں سستا اور بے وقعت نہ کریں۔"

نیا سلطان بے بس اور مجبور نظر آ رہا تھا۔

نوجوان ترک نے کہا۔"یہ بھی خوب رہی کہ وزیر سلطان کو بے بس کرے۔"

نئے سلطان کو غصہ آ رہا تھا۔"لیکن ابونصر! سلطان کی زبان بھی تو کوئی چیز ہے۔میں نے اسے اپنا مشیر بنا لیا ہے میں یہ فیصلہ کس طرح واپس لوں؟"

ابونصر نے جواب دیا۔"شہزادے! آپ میری بات سمجھ نہیں رہے۔جب تک دربار خلافت سے آپ کو سلطانی کی سند نہ مل جائے آپ سلطان نہیں کہلائیں گے۔"

سلطان ڈر گیا کہ ابونصر اب بھی اگر چاہے تو شہزادہ سلیمان کو سلطان نہ بننے دے۔اس نے اپنے دوست سے معذرت کر لی۔"افسوس کہ ابھی میں کسی کو کچھ نہیں بتلا سکتا۔ابھی چند دن یا چند ماہ تجھ کو انتظار کرنا ہوگا۔"

ترک نوجوان نے غصے میں پہلے تو ابونصر کو دیکھا۔اس کے بعد سلطان کو۔"جب تک یہ موذی تیرے آس پاس موجود ہے، تو سلطان نہیں بن سکتا۔"

ابونصر نے ترک نوجوان کو پکڑ لیا اور اسے دربار میں موجود خدمت گاروں کے حوالے کر دیا۔"اس گستاخ کو قید کر دیا جائے۔"

وزیر کا حکم تھا۔ترک نوجوان کو دو مضبوط جوانوں نے اپنی گرفت میں لے لیا۔ترک نوجوان نے بڑی کوشش کی کہ رہائی حاصل کر لے لیکن ناکام رہا۔اس نے اپنے دوست نئے سلطان

سوال

جواب

"محترم جناب!

ماہر نفسیات صاحب! مجھے ایک بدصورت لڑکی سے کہ جسے بچے بھی دیکھ کر ڈر جاتے ہیں، سچی محبت ہے جبکہ ایک خوبصورت لڑکی کہ جسے بیویاں دیکھ کر ڈر جاتی ہیں، مجھ سے سچی محبت کرتی ہے۔میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ مجھے کس سے شادی کرنا چاہیے۔

فقط ایک پریشان حال!"

"جناب پریشان حال صاحب! آپ اپنی سچی محبت کا گلا ہرگز ہرگز نہ گھونٹیے اور اس سے شادی کیجیے جسے آپ دل سے چاہتے ہوں۔رہی دوسری لڑکی تو اس کے نام و پتے سے مجھے آگاہ کیجیے۔شکریہ!"

کو مدد کے لیے آواز دی۔ "سلطان! تو دیکھ رہا ہے کہ تیرے غلام میرے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں۔"

ابو نصر نے نئے سلطان کو دھمکی دی۔ "سلطان محترم! آپ اس معاملے میں نہ پڑیں۔ یہ اس نے آدابِ شاہی کو بالائے طاق رکھ دیا اس لیے اسے سزا ملنی ہی چاہیے۔"

سلطان نے منہ پھیر لیا، گویا یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ ترک نوجوان کو قید کر دیا جائے۔"

دوسرے ترک نوجوان جو ابھی تک خاموش تھے دربار کا خطرناک رنگ دیکھ کر جانے لگے۔

نوجوان سلطان نے انھیں بھی نہیں روکا۔

ابو نصر نے سلطان کو سمجھایا۔ "سلطان محترم! اب آپ سلطان ہیں اس احساس کو شدید کر لیں کہ دربار میں انھی کو مقام اور مرتبہ ملنا چاہیے جو اس کے اہل ہوں۔"

سلطان نے جواب دیا۔ "میں آپ کی باتیں سمجھ رہا ہوں اور یہ بھی کہ میں اس وقت تک سلطان نہیں ہوں... جب تک دربارِ خلافت سے سلطانی کی سند نہیں مل جاتی۔"

ابو نصر نے سلطان کو اندر جانے کا مشورہ دیا۔ "آپ ماں کے پاس جائیں اور ان سے کہیں کہ وہ سیدہ کو راضی کریں کہ وہ آپ کو اپنے باپ سے سلطانی کی سند دلا دیں۔"

سلطان نے جواب دیا۔ "میں ابھی بات کروں گا۔"

ابو نصر نے کہا۔ "سلطان! آپ ہی کو یہ بات کرنا ہے۔ میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔"

دوسرے دن ابو نصر نے مسجدوں میں نئے سلطان کا نام خطبات میں داخل کرا دیا لیکن یہ کام مساجد کے اماموں نے خوش دلی سے نہیں انجام دیا۔

ارسلان خاتون نے پہلے تو ان معاملات میں بڑی دلچسپی لی لیکن پھر آہستہ آہستہ اس کا دل بجھنے لگا۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ جو کچھ بھی تھی اپنے چچا طغرل کے طفیل تھی جو اب منوں مٹی کے نیچے دائمی نیند سو رہا تھا۔

چنانچہ جب اس کی ماں نے ارسلان خاتون سے کہا۔ "اب تیرا بغداد جانا بے حد ضروری ہے۔"

ارسلان خاتون نے جواب دیا۔ "لیکن اب میں بغداد نہیں جاؤں گی۔"

ماں یہ پوچھنے ہی والی تھیں کہ آخر کیوں۔ دونوں کو بتایا گیا کہ نیا سلطان اپنی مجلسِ مشاورت میں ان دونوں کی شرکت بھی چاہتا ہے۔

اس وقت مجلسِ مشاورت میں سلطان کے علاوہ ابو نصر اور چند دوسرے اُمرا بھی تھے۔ وہ مادرِ سلطان اور ارسلان خاتون کو اپنی طرف آتے دیکھ کر احتراماً کھڑے ہو گئے لیکن سلطان نہیں اُٹھا، اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ ابو نصر نے سلطان سے درخواست کی۔ "یہ آپ کی ماں ہیں آپ ان کا احترام کریں۔"

نوجوان سلطان بدستور بیٹھا رہا۔ "لیکن میں سلطان ہوں اپنی مملکت کا سب سے محترم اور برتر۔ یہاں اس محفل میں سلطان سے بڑا کوئی نہیں ہو سکتا۔"

ابو نصر کو غصہ آ رہا تھا کہ اس نے کس نامعقول کو سلطان بنا دیا لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

سلطان کی ماں اور ارسلان خاتون بیٹھ گئیں تو ابو نصر اور دوسرے اُمرا بھی بیٹھ گئے۔

سلطان کی ماں نے بھی بیٹے کی بدتمیزی کو محسوس کیا۔ "تو کیوں بیٹھا رہا، احتراماً اُٹھا کیوں نہیں؟"

سلطان نے جواب دیا۔ "یہ باتیں تو بعد میں بھی ہوتی رہیں گی۔ اس وقت تو وہ باتیں کریں جن کے لیے تم دونوں کو یہاں بلایا گیا ہے۔"

ماں نے پوچھا۔ "ہمیں یہاں کیوں بلایا گیا ہے؟"

سلطان نے جواب دیا۔ "مجھ کو بغداد سے حکومت کی سند درکار ہے۔ تم لوگ سر جوڑ کے بیٹھو اور مجھے بتاؤ کہ یہ کام کس طرح کیا جائے؟"

سلطان کی ماں نے ابو نصر کی طرف دیکھا۔ "اس نے کیا مشورہ دیا؟"

سلطان نے جواب دیا۔ "یہ کہ سیدہ اور ارسلان خاتون کو راضی کیا جائے۔"

ماں نے کہا۔ "پھر راضی کر ان دونوں کو، ہمیں ناحق زحمت کیوں دی؟"

سلطان نے جواب دیا۔ "ان دونوں کو بھی تم لوگ راضی کرو، ورنہ اگر میں راضی کروں گا تو بات بگڑ جائے گی۔"

ماں نے حکم دیا۔ "سیدہ کو یہیں بلوا لیا جائے۔"

ابو نصر کو اس پر اعتراض ہوا۔ "وہ ہم میں سب سے زیادہ محترم ہیں اس لیے انھیں یہاں نہ بلوایا جائے۔"

سلطان نے آنکھیں دکھائیں۔ "اس کو یہیں بلوایا جائے اس وقت سب سے زیادہ محترم میں ہوں۔"

سبھی کو ناتجربہ کار سلطان کی خودسری اور غرور کا احساس ہو رہا تھا۔ ابو نصر کو اپنی عزت کا خیال تھا۔ وہ سلطان کو سمجھانا چاہتا تھا مگر سلطان کی بداخلاقی سے خوفزدہ تھا۔

سلطان نے ارسلان خاتون کو حکم دیا۔ "جا، سیدہ کو یہیں

بلالاؤ۔"

ارسلان خاتون نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔ "میں... یعنی میں سیدہ کو بلانے جاؤں؟"

سلطان نے جواب دیا۔ "ہاں، میں تجھ کو حکم دے رہا ہوں۔"

ارسلان خاتون نے کہا۔ "تو سلطان کیا بنا کہ دوسروں کے مراتب اور مقام کا خیال نہیں رہا۔ میں امیر المومنین کی بیوی ہوں۔"

سلطان نے ابو نصر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہاں میرے دربار کا ہر شخص مجھے اپنے مرتبے اور مقام سے آگاہ کرتا رہتا ہے۔ یہ بہت بری بات ہے۔"

ابو نصر نے کہا۔ "محترم سلطان! آپ دوڑ کر نہ چلیں، ورنہ ٹھوکر لگے گی اور آپ...."

سلطان نے بات پوری کر دی۔ "ورنہ ٹھوکر لگے گی اور میں منہ کے بل ڈھیر ہو جاؤں گا۔"

ابو نصر نے جواب دیا۔ "میں یہ بات نہیں کہہ سکتا، لیکن آپ خود بہت سمجھدار ہیں۔"

سلطان نے ارسلان خاتون کو ڈانٹ دیا۔ "تو ابھی تک یہیں موجود ہے۔ تو ابھی گئی نہیں؟"

ارسلان خاتون پاؤں پٹختی چلی گئی۔ وہ کچھ بڑبڑاتی ہوئی جا رہی تھی۔

سلطان نے اپنی ماں سے کہا۔ "تم اس کو سمجھاؤ کہ یہ سلجوقی خاندان کے دوسرے سلطان کا دربار ہے۔ میں اتنا نرم دل بھی نہیں ہوں جتنا لوگ مجھے سمجھتے ہیں۔"

سلطان کی ماں نے اسے سمجھایا۔ "تو اپنے سارے معاملے بگاڑ لے گا۔ تو سبھی کو ناراض کر رہا ہے۔"

سلطان نے درشت لہجے میں جواب دیا۔ "حکومت کے لیے سختی اور بے مروتی بہت ضروری ہے۔"

ابو نصر نے عرض کیا۔ "آپ کو اس قسم کے مشورے کون دیتا ہے؟"

سلطان نے جواب دیا۔ "کوئی نہیں۔ میں پیدائشی سلطان ہوں، میرے دل و دماغ ایسی ایسی باتیں سوچ رہے ہیں کہ دوسرے اس کے متحمل نہیں ہوں گے۔"

ابو نصر نے عرض کیا۔ "فی الحال آپ خوش مزاج اور نرم خو ہی رہیں۔ اس کے بعد جب آپ باضابطہ اور باقاعدہ سلطان بن جائیں گے تو پھر آپ کی سخت گیری بھی گوارا کر لی جائے گی۔"

سلطان نے بے رخی سے جواب دیا۔ "میں آپ سے

ترکیب

ایک شخص کا اپنے مالک مکان سے جھگڑا چل رہا تھا۔ اس نے اپنے دوست سے ذکر کیا تو دوست نے کہا، میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اپنے مالک مکان کو میں نے کس طرح ٹھیک کیا تھا تم بھی وہی ترکیب آزماؤ۔ تین ہفتے بعد دوست کو اس شخص کی طرف سے یہ خط ملا: میں نے تمہارے مشورے پر عمل کیا اور امید ہے کہ وہ خبیث مالک مکان اب مجھے کسی طرح نہیں ستا سکتا۔ فقط تمہارا دوست ظفر کراچی جیل سے۔

بعد میں باتیں کروں گا، پہلے سیدہ اور ارسلان خاتون سے نمٹ لوں۔"

ابو نصر کو اپنے پاؤں تلے کی زمین سرکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا، شہزادہ سلیمان کسی طرح بھی سلطانی کا اہل نہیں ہے۔

جب سیدہ اور ارسلان خاتون مجلس مشاورت میں آئیں تو سلطان سیدہ کو بڑی حقارت سے دیکھنے لگا۔

ابو نصر کے خوف میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ وہ سیدہ سے بھی ڈر رہا تھا۔

سلطان کی ماں نے اسے ٹوک دیا۔ "تو خاموش کیوں ہو گیا؟ کام کی بات کر اور سیدہ کو رخصت کر۔"

سیدہ نے شکایت کی۔ "بغداد سے یہاں تک میری جو بے عزتی ہوئی ہے، میں اسے زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔"

ابو نصر نے خوشامدانہ روش اختیار کی۔ "محترم خاتون! بات احساس کی ہے۔ ہمارے دلوں میں آپ کی بڑی عزت ہے۔ آپ..."

لیکن سلطان کی ماں نے ترش لہجہ اختیار کیا۔ "سیدہ! تم خلیفہ کی بیٹی ہو۔ ہم نے تمہیں جو عزت دی ہے اس کا خیال کرو۔ ایسی بات مت کرو کہ ہم منفی سوچ اختیار کر بیٹھیں۔"

ابو نصر نے جب یہ دیکھا کہ سیدہ سے کوئی کام کی بات نہیں کر رہا تو اس نے خود ہمت سے کام لیا اور سیدہ

کو اپنا مافی الضمیر سمجھانے کی کوشش کی: "بات دراصل یہ ہے خاتون کہ شہزادہ سلیمان کو سلطان طغرل مرحوم نے اپنی زندگی ہی میں ولی عہد قرار دے دیا تھا اور اپنی جانشینی کے لیے وصیت نامہ تیار کرایا..."

سلطان نے زچ ہو کر بات کاٹ دی: "آپ لوگ تمہید میں بڑا وقت ضائع کرتے ہیں، کام کی بات کریں اور چپ ہو جائیں بس۔ میرا خیال ہے یہ کافی ہے۔"

ماں نے بھی سلطان ہی کا ساتھ دیا: "بالکل ٹھیک۔ ابو نصر تم کام کی بات کرو بس۔ اس لمبی چوڑی تمہید کی کوئی ضرورت نہیں۔"

ابو نصر نے دونوں کو ایک ہی جواب دیا: "یہ کام میرا ہے اور اس نوع کے کام میں برسوں سے انجام دے رہا ہوں۔ آپ دونوں میرے کاموں میں دخل انداز نہ ہوں۔"

سیدہ ابو نصر سے متاثر ہو رہی تھی۔ چنانچہ ابو نصر کو بات کرنے کی اجازت دے دی: "محترم وزیر! آپ بات کرتے رہیں۔ میں سنوں گی اور وعدہ کرتی ہوں کہ غور بھی کروں گی۔"

سلطان اور اس کی ماں نے سکوت اختیار کیا اور ابو نصر کو بات کرنے کی اجازت دے دی۔

ماں نے کہا: "اچھا تو ہی بات کر لے ہماری طرف سے۔"

سیدہ ابو نصر کو دیکھے جا رہی تھی۔ وہ اس عالی دماغ انسان کو شاید پہلی بار اتنے قریب سے دیکھ رہی تھی۔

ابو نصر نے کھنکھار کر گلا صاف کیا: "تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ شہزادہ سلیمان مرحوم سلطان کے حقیقی وارث اور جانشین ہیں۔"

سیدہ نے کہا: "چلو میں نے یقین کیا پھر؟ میں کیا کروں اس سلسلے میں؟"

ابو نصر نے جواب دیا: "آپ کے والد فیصلہ کن حیثیت رکھتے ہیں اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جب تک وہ سندِ حکومت نہ دے دیں شہزادہ سلیمان کی سلطانی فضول ہے بیکار ہے۔ ان کو کوئی بھی سلطان نہیں مانے گا۔"

سلطان اور اس کی ماں کو ابو نصر کی آخری بات ناگوار گزری۔ دونوں نے ابو نصر کو گھور کر دیکھا لیکن ابو نصر نظریں نیچی کیے اپنی کہتا رہا۔

سیدہ نے پوچھا: "پھر میں کیا کروں؟"

ابو نصر نے جواب دیا: "اب ہم آپ کو عزت و احترام سے بغداد روانہ کر دیں گے۔ آپ وہاں سے شہزادہ سلیمان کے نام پروانۂ سلطانی ارسال فرما دیں گی۔"

سیدہ نے کہا: "میں ابا محترم سے سفارش تو کر سکتی ہوں لیکن انھیں مجبور نہیں کر سکتی۔"

سلطان بار بار پہلو بدل رہا تھا اور اس کی ماں ابو نصر کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

ابو نصر نے عرض کیا: "میں آپ سے سفارش سے زیادہ کی توقع رکھتا ہوں۔"

ارسلان خاتون نے ابو نصر کو منع کیا: "وزیر محترم! آپ جو کچھ کر سکتے تھے کر چکے، اب آپ کچھ سلطان کو بھی اپنے لیے کرنے دیں۔"

سلطان کی ماں نے اپنی بیٹی کو ڈانٹنا شروع کر دیا۔ "تو کیا چاہتی ہے؟ کیا یہ کہ اس تخت اس حکومت پر الپ ارسلان قابض ہو جائے۔ تجھ کو تو ہمارا ساتھ دینا چاہیے۔"

ارسلان خاتون نے جواب دیا: "ماں! آپ کی ضد اور بے جا اصرار نے سلیمان کو بادشاہ تو بنوا دیا لیکن یہ اس کا اہل نہیں ہے۔ اور کوئی اہل اس سے وہ سب چھین لے گا جو اس کی نااہلی کے باوجود مینڈھا سے حاصل ہو گیا ہے۔"

دفعتاً ہر طرف سے یہ آوازیں آنے لگیں: "نااہل کو ہٹا دو، اہل کو بٹھا دو۔"

سلطان اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا اور ارسلان خاتون سے پوچھا: "تجھ کو زندگی عزیز ہے یا نہیں؟"

ارسلان خاتون نے جواب دیا: "میرے لیے موت اور زندگی کوئی معنی نہیں رکھتیں۔ تم اپنے بارے میں کسی غلط فہمی یا خوش فہمی میں مبتلا نہ ہو۔ کل کا انتظار کرو جو شاید تمہارا ساتھ نہ دے۔"

نوجوان سلطان نے ارسلان خاتون کو مجلس مشاورت سے نکل جانے کا حکم دیا۔ لیکن ابو نصر نے روک لیا اور سلطان کو سمجھایا: "سلطان! آپ امیر المومنین کی بیوی کو حکم نہیں دے سکتے اس طرح آپ اپنے کام کو دشوار کر رہے ہیں۔"

لیکن سلطان کی ماں نے اپنے بیٹے کا ساتھ دیا۔ "ابو نصر! تم یہ بھول رہے ہو کہ ارسلان خاتون خلیفہ کی بیوی بعد میں پہلے میری بیٹی ہے۔"

سیدہ نے ارسلان خاتون کی حمایت کی: "آپ لوگ میری ماں کی بے عزتی نہ کریں۔"

سلطان نے اپنا فیصلہ سنا دیا: "میں تم دونوں کو اس وقت تک بغداد نہیں جانے دوں گا جب تک تم مجھے یقین نہ

دلا دو کہ مجھے امیر المومنین کی طرف سے سندِ حکومت ضرور مل جائے گی۔"

ابو نصر کی نظریں دور تک دیکھ رہی تھیں۔ اسے اپنے آپ پر غصہ آرہا تھا کہ اس نے اس بے وقوف کے لیے یہ سب کیوں کیا تھا۔

سلطان کی ماں نے دونوں کو اپنا فیصلہ سنا دیا۔ "تم دونوں بغداد نہیں جاؤ گی۔ یہیں رے میں رہو۔ ہاں اگر پسند کرو تو امیر المومنین کو لکھ دو کہ وہ شہزادہ سلیمان کے نام سندِ حکومت روانہ کر دیں۔ اس کے ملتے ہی تم دونوں کو بصد عزت و احترام بغداد روانہ کر دیا جائے گا۔"

سیدہ نے کہا۔ "تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم دونوں اس وقت تک قیدی ہیں جب تک نیا سلطان سندِ حکومت نہیں حاصل کر لیتا۔"

ماں نے جواب دیا۔ "مطلب نکالنا تیرا کام ہے میں کیا کہہ سکتی ہوں۔"

سلطان نے ماں کے فیصلے کی توثیق کر دی۔ "تم دونوں آج ہی امیر المومنین کو خط لکھ دو۔"

سیدہ نے جواب دیا۔ "میں اپنے باپ کو کوئی خط نہیں لکھوں گی ہاں بغداد پہنچ کر کچھ کر سکتی ہوں۔"

سلطان نے کہا۔ "تیری مرضی۔ اب تو ہماری مہمان ہے۔ معلوم نہیں کتنے دنوں کے لیے۔"

ابو نصر اٹھ کر جانے لگا۔ "اب مجھے اجازت دی جائے کیوں کہ میری ضرورت باقی نہیں رہی۔"

سلطان نے ابو نصر کا بھی مذاق اڑایا۔ "یہ آپ کو کس نے بتایا کہ آپ کی ضرورت نہیں رہی؟"

ابو نصر نے جواب دیا۔ "آپ کی باتوں نے، آپ کے رویے نے۔"

سلطان نے سخت رویہ اختیار کیا۔ "آپ ہر فیصلہ خود کر لیتے ہیں اپنی یہ عادت بدلیں۔"

ابو نصر نے کہا۔ "جب تک سلطانِ مرحوم ہم میں موجود تھے اپنے ہر معاملے میں مشورے لیتے تھے اور ان پر عمل بھی کرتے تھے لیکن آپ نے بہت جلد یہ رسم ختم کر دی اور خود ہی فیصلے کرنے لگے۔"

سلطان کی ماں نے نرمی اختیار کی۔ "نہیں ابو نصر! اتنی جلدی نہ کرو عجلت سے کام نہ لو۔"

ابو نصر نے کہا۔ "میں بے حد تحمل پسند انسان ہوں لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ یہاں میرے مشوروں کی کوئی اہمیت

> ایک الدار کنجوس شخص مرنے لگا۔ تو لوگوں نے کہا "اب تو اللہ کے نام پر کچھ دیتے جاؤ۔"
>
> وہ شخص بولا۔ "جان تو دے رہا ہوں اور کیا دوں؟"

ہی نہیں۔

سلطان نے پوچھا۔ "آپ کے کس مشورے پر عمل نہیں کیا گیا؟"

ابو نصر نے دونوں خواتین کی طرف اشارہ کیا۔ "میں بار بار یہ درخواست کر رہا ہوں کہ ان دونوں خواتین کی عزت کی جائے لیکن ایسا نہیں ہو رہا۔"

سلطان نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ "ہم ان دونوں کی بڑی عزت کر رہے ہیں۔ اب یہ دونوں ہماری مہمان ہیں اور کس طرح اور کس قسم کی عزت کی جائے ان دونوں کی۔"

ابو نصر نے افسردگی سے کہا۔ "آپ جو کچھ کر رہے ہیں اچھا نہیں کر رہے۔ آپ پانی کی سطح پر آرام کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔"

سلطان نے اسے بھی دھمکی دے دی۔ "آپ سلطان مرحوم کے وزیر تھے لیکن یہ ضروری نہیں کہ آپ میرے بھی وزیر رہیں۔"

ابو نصر نے خوشی کا اظہار کیا۔ "یہ تو خوش خبری ہے میرے لیے۔ اب میں بھی تھک گیا ہوں کام کرتے کرتے۔ اب میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔"

سلطان نے ابو نصر سے اس کی عمر پوچھی۔ "اس وقت کیا عمر ہوگی آپ کی؟"

ابو نصر نے جواب دیا۔ "انتالیس سال، ایک کم چالیس سال۔"

سلطان نے اس کا مذاق اڑایا۔ "چالیس سال سے پہلے ہی آپ تھک گئے، خوب! بہت جلدی تھک گئے۔" پھر اپنی ماں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیوں ماں! تم خاموش کیوں ہو؟"

ماں نے کہا۔ "تو ابو نصر کو مت چھیڑ۔ یہ سلطان طغرل کا وزیر رہ چکا ہے۔ اس لیے ہمیں اس کا احترام کرنا چاہیے۔"

سلطان نے ماں کی بات پر کوئی خاص توجہ نہیں دی اور ابو نصر کو متنبہ کیا۔ "آپ کسی بھی معاملے میں مشورہ دے تو

سکتے ہیں لیکن اسے ٹھونس نہیں سکتے۔"

ابونصر کی قوتِ گویائی جیسے چھن گئی۔ وہ ایک لفظ بھی نہ ادا کر سکا۔

ماں ابونصر کے تکدر کو خوب محسوس کر رہی تھی۔ وہ کھڑی ہو گئی اور ابونصر کو اپنے ساتھ لے گئی۔ اسے اپنے خاص کمرے میں بٹھا کر سمجھانے لگی: "سلیمان نوجوانی کے جوش میں معلوم نہیں کیا کچھ کہہ جاتا ہے۔ آپ سمجھ دار اور تجربہ کار ہیں، اپنا بچہ سمجھ کر نظر انداز کر دیا کریں۔"

ابونصر نے جواب دیا: "محترم خاتون! آپ نے جو کچھ فرمایا درست۔ میں نظر انداز کر دوں گا لیکن وقت معاف نہیں کرے گا۔ آپ وقت کو کس طرح سمجھائیں گی؟"

ماں دیر تک ابونصر کو سمجھاتی رہی۔

اس کے بعد تخلیے میں اپنے بیٹے کو ڈانٹا: "اس طرح تم کتنے دن حکومت کرو گے؟"

شہزادہ سرکشی اختیار کیے ہوئے تھا: "ماں! ابھی بادشاہ ہوں۔ میں اپنے چچا سلطان طغرل کا جانشین ہوں۔ میرا حکم زیادہ وقیع ہو گا یا وزیر ابونصر کا؟"

ماں نے جواب دیا: "ابونصر کی دخل اندازیاں خود مجھے پسند نہیں لیکن چند دنوں کی بات ہے، صبر اور احتیاط سے کام لے۔"

نیا سلطان اپنی بات پر اڑا ہوا تھا: "میرے دوست کہتے ہیں کہ جب تک ابونصر جیسا موذی موجود ہے میں سلطان نہیں بن سکتا۔"

ماں نے تائید کی: "ٹھیک ہے لیکن ابھی تجھ کو وزیر کی ضرورت ہے اور عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ تو ابونصر سے اس وقت تک کام لے جب تک تجھے اس کی ضرورت ہے، اس کے بعد دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دینا۔"

شہزادے نے کسی قدر تنک کر ماں کی بات مان لی: "میں کوشش کروں گا۔"

دوسری طرف ابونصر اپنے شکوک اور غیر یقینی مستقبل کی فکر میں دل و دماغ پر سناٹا لیے خلا میں ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ اس نے عجلت میں جو قدم اٹھایا تھا اب اس پر نادم تھا کیونکہ چند دنوں کے اندر ہی اسے خبریں ملنی شروع ہو گئی تھیں کہ شہزادہ سلیمان کو بیشتر امرا اور اہل سلطان ماننے کو تیار نہ تھے۔

رے کے دو طاقتور امیر بانفیسیان اور اَردم نے ابونصر کو اس کے محل کے باہر روک لیا اور اسے مشورہ دیا کہ اب وہ نئے سلطان سے کنارہ کشی اختیار کر لے۔"

ابونصر نے جواب دیا: "میں نے جو کچھ کیا، غلط کیا۔ اس کا مجھے احساس ہے لیکن اب میں اس غلطی کو نباہ رہا ہوں۔"

بانفیسیان عمر رسیدہ امیر تھا۔ وہ اپنے ہونٹوں پر بار بار زبان پھیر رہا تھا۔ اس کی نظریں بھی بے قرار تھیں اور کسی جگہ ٹھہر نہیں رہی تھیں۔

ابونصر نے کہا: "دوستو! مجھے مشورہ دو کہ اب میں کیا کروں؟"

بانفیسیان نے جواب دیا: "نئے سلطان کو اس کے حال پر چھوڑ دیں اور الپ ارسلان کے پاس چلیں۔ ہمیں الپ ارسلان کا ساتھ دینا چاہیے۔"

امیر اَردم ادھیڑ عمر کا سرفروش سپاہی بھی تھا۔ اس نے مشورہ دیا: "آپ دونوں الپ ارسلان کے پاس چلے جائیں۔ میں رے میں نئے سلطان کو سنبھالے رہوں گا۔"

ابونصر کا ماتھا ٹھنکا۔ اسے دونوں پر شبہ تھا شاید یہ دونوں اسے ورغلا کر رے سے جدا کر دینا چاہتے ہیں اور اس کی جگہ خود وزیر بننے کی فکر میں ہیں۔

بانفیسیان نے پوچھا: "کیا سوچنے لگے؟"

ابونصر نے جواب دیا: "افسوس کہ فی الحال میں رے نہیں چھوڑ سکتا۔"

اَردم نے طنزیہ مسکراہٹ سے پوچھا: "کیا یہ درست ہے کہ نیا سلطان اور اس کی ماں آپ کو خوار کرتے رہتے ہیں؟"

ابونصر نے بے دلی سے جواب دیا: "ایک ناتجربہ کار اور نااہل سے کوئی کیا امید کرے گا؟"

بانفیسیان نے ابونصر کو اس کے حال پر چھوڑ دیا: "ہم نے آپ کو ایک صائب مشورہ دیا تھا لیکن آپ نے اس مشورے کو قبول نہیں کیا۔"

ابونصر نے کہا: "ہاں لیکن میں آپ سے اختلاف نہیں کر رہا تھا۔ میں تو آپ کو یہ باور کرانا چاہتا ہوں کہ..."

اَردم نے بات کاٹ دی اور ہاتھ اٹھا کر کہا: "اگر یہ بات ہے تو ٹھیک ہے، ہم تینوں اپنے اپنے طور پر سوچا کریں گے۔ کسی کو اس پر اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔"

بانفیسیان نے اَردم کو دیکھ کر نظروں ہی نظروں میں کوئی مشورہ دیا... پھر دونوں نے بات چیت ختم کر دی اور یہ کہتے ہوئے جانے لگے: "ان حالات میں ہمارا رے میں قیام مناسب نہیں ہے کیونکہ ہم کسی طور بھی موجودہ سلطان کے حمایتی نہیں

بننے کو تیار نہیں۔"

ابونصر نے پوچھا: "یہ آپ دونوں مرو سے چھوڑ کر کہاں جائیں گے؟"

ارذم نے جواب دیا: "ابھی کچھ نہیں کہہ سکتے۔"

ابونصر نے کہا: "اگر آپ دونوں مرو جائیں تو شہزادہ الپ ارسلان سے کہیے گا کہ وہ جلدی نہ کریں، سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

دونوں مرو سے نکل کر قزوین چلے گئے اور وہاں پہلا کام یہ کیا کہ الپ ارسلان کا نام خطبوں میں شامل کرا دیا۔

اس خبر نے ابونصر کو مزید شکست کا احساس دلایا۔ دوسرے امرا زیادہ ذہین نظر آ رہے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا: میری ذہانت کہاں چلی گئی؟ میری قوتِ فیصلہ کو کیا ہو گیا؟

شام سے ذرا پہلے ابونصر نے فضا میں بہت سے پرندے مشرق کی طرف جاتے دیکھا اور اس کے دل پر چوٹ سی لگی۔ اب پرندے تک مرو سے مرو کی طرف محوِ پرواز تھے۔

اس کا کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ اسی عالم میں قید خانے کا نگران آ گیا۔ اس نے ابونصر سے معذرت کی۔ "جنابِ والا! میں نہیں جانتا کہ آپ اب بھی وزیر ہیں یا نہیں؟"

ابونصر سوالیہ نشان بن گیا: "کیوں کیا ہو گیا؟"

قید خانے کے نگران نے جواب دیا: "ترک نوجوان جس نے آپ سے گستاخی کی تھی آزاد ہو گیا۔"

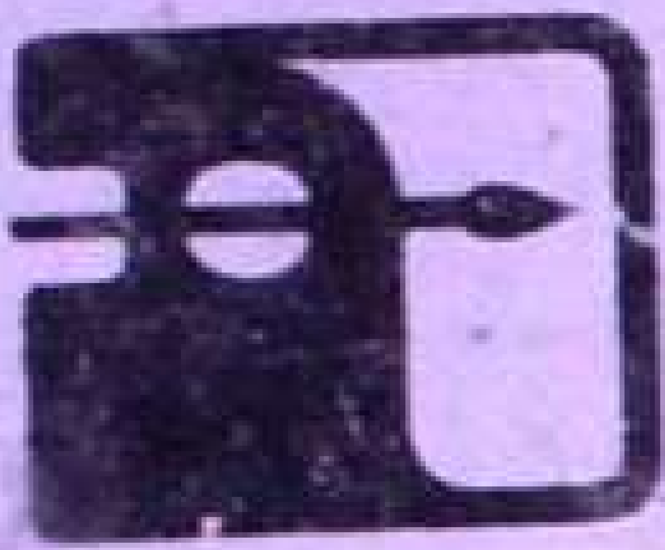
ابونصر نے پوچھا: "اسے کس کے حکم سے آزاد کیا گیا؟"

قید خانے کے نگران نے جواب دیا: "نئے سلطان کے حکم سے۔ نئے سلطان نے قید خانے میں ترک نوجوان سے ملاقات کی اور ہمیں حکم دیا کہ اسے رہا کر دیا جائے۔"

قید خانے کا نگران مسکرا رہا تھا اور اس کی یہ مسکراہٹ ابونصر کے دل و دماغ میں نشتر کی طرح پیوستہ ہوتی جا رہی تھی۔

اب اس کے لیے نئے سلطان سے تعاون جاری رکھنا محال ہو گیا تھا۔ اس کا گاؤں کندر نیشاپور کے اطراف میں تھا۔ وزارتِ عظمیٰ پر فائز ہونے کے بعد وہ دو ایک بار وہاں گیا تھا۔ اب ہجومِ مایوسی میں اسے اپنا گاؤں کندر یاد آنے لگا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اب وہ اپنے گاؤں کندر ہی چلا جائے گا۔

اس نے نئے سلطان کی بمال کو ایک عرض داشت بھیج دی: "میں اپنے آبائی گاؤں کندر جا رہا ہوں۔ سلطان کو نئے مدبر اور مشیر میسر آ گئے ہیں۔ میں ان کی موجودگی سے فائدہ



اٹلی کے آمرِ مطلق مسولینی کی پرائیویٹ زندگی پر مریم گلیریٹا کی کتاب بہت مشہور ہے۔ مریم گلیریٹا دراصل مسولینی کی محبوبہ پیٹی گلیریٹا کی حقیقی بہن تھی۔ اس لیے اسے مسولینی کو بہت قریب سے دیکھنے کے مواقع ملے۔ اپنی کتاب میں وہ مسولینی کی عجیب عادتیں بیان کرتی ہے: "ڈوشے (مسولینی کا عرف) کی آنکھوں میں کوئی پراسرار قوت پوشیدہ تھی۔ جب وہ کسی کی طرف گھور کر دیکھتا، تو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس کی نظریں دل کے پار ہو گئی جاتی ہیں۔ اپنی اس قوت کا وہ جائز ناجائز فائدہ اٹھانے سے کبھی نہ چوکتا تھا۔ کوئی بھی شخص، خواہ اس کی قوتِ ارادی کتنی ہی مضبوط ہو، ڈوشے سے آنکھ ملانے کی تاب نہ رکھتا تھا۔ جب وہ دوسرے فرد کو اپنی آنکھوں سے مرعوب ہوتے دیکھتا، تو فرطِ مسرت سے اس کا چہرہ روشن ہو جاتا تھا۔ مسولینی کی فطرت تھی کہ اسے جتنی جلد طیش آتا تھا، اتنی ہی سرعت سے دور بھی ہو جاتا تھا۔ وہ بے حد جذباتی تھا۔ ایسے مواقع پر اس کے قریب جو کوئی بھی ہوتا اسے ڈوشے کے غیظ و غضب کا نشانہ بننا پڑتا تھا۔ وہ یہ نہیں دیکھتا تھا کہ اس کے سامنے کوئی ادنیٰ ہے یا اعلیٰ شخصیت۔ بری طرح ستاتا تھا۔ ہٹلر کی طرح اسے بھی غصے میں ٹہلنے کی عادت تھی۔ ہاتھ کا مکا بنا کر ہوا میں لہرایا کرتا اور جو چیز ہاتھ میں آتی وہی زمین پر پٹخ دیتا۔ مگر چند منٹ بعد ہی یہ کیفیت بدل جاتی اور مسکراہٹ اس کے لبوں پر نمودار ہوتی، آواز میں وہی پہلی سی نرمی آ جاتی۔ پیشانی کی شکنیں مٹ جاتیں، آنکھوں کی سرخی غائب ہو جاتی اور وہ مخاطب کے کندھوں پر آہستہ آہستہ تھپکی دیتا جس کا مطلب تھا کہ معاملہ رفع دفع ہو چکا۔ وہ کبھی کسی سے معافی یا معذرت کی درخواست کرتے نہیں دیکھا گیا، خواہ اسے کسی معاملے میں اپنی غلطی کا احساس ہی کیوں نہ ہو جائے۔"

اُٹھا کر کچھ دن آرام کرنا چاہتا ہوں اس کے بعد تازہ دم ہو کر پھر حاضر ہو جاؤں گا۔"

لیکن سلطان کی ماں نے اس کی عرض داشت منظور نہیں کی اور خود اس کے محل میں پہنچ گئی۔

ابو نصر نادر سلطان کو غیر متوقع اپنے محل میں دیکھ کر حیران رہ گیا۔ "آپ نے ناحق زحمت کی۔ آپ مجھے حکم دیتیں، میں خود حاضر ہو جاتا۔"

سلطان کی ماں' وزیر کے جس کمرے میں بیٹھی تھی وہ نادر اشیا سے پٹا ہوا تھا۔ دیوار پر جو ہتھیار سجے ہوئے تھے ان میں سلطان طغرل کی عطا کردہ ایک تلوار بھی تھی اور سلطان کی ماں نے اس تلوار کو ایک نظر میں پہچان لیا، پوچھا: "یہ تلوار تیرے پاس کیسے آئی؟"

ابو نصر نے جواب دیا: "سلطان نے سیّدہ سے متعلق خدمات سے خوش ہو کر یہ تلوار تحفے میں بخش دی تھی۔"

سلطان کی ماں نے آہستہ سے کہا: "سچ! اب تو تم بہت خوش قسمت ہو گئے کیونکہ مرحوم سلطان کو یہ تلوار بہت عزیز تھی۔"

اس کے بعد وہ دوسری چیزیں دیکھنے لگی۔ شیشے کا ایک پیالہ جس پر عربی میں پیالے کے مالک کی درازیٔ عمر کی دعا لکھی تھی، سلطان کی ماں کے لیے خصوصی توجہ سبب بن گیا۔ اس نے پیالہ ہاتھ میں لے لیا: "مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اسے سلطان مرحوم کو ایک مصری تاجر نے تحفہ دیا تھا اور شاید یہ بھی آپ کو کسی خدمت کے صلے میں بخش دیا گیا ہو گا۔ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں؟"

ابو نصر بہت پریشان تھا۔ اس کا گلا خشک ہو چکا تھا اور آواز پھنس پھنس کر نکل رہی تھی: "ہاں! جب خلیفہ اور سلطان میں کشیدگی عروج کو پہنچ گئی تھی تو میں نے حسنِ تدبیر سے دونوں میں ملاپ کرا دیا تھا اور پھر مرحوم سلطان نے..."

بقیہ بات مادرِ سلطان نے پوری کر دی: "یہ پیالہ آپ کو بطور تحفہ بخش دیا!"

ابو نصر کو اس کا زہریلا لہجہ بہت بُرا لگ رہا تھا۔ "کیا آپ میری باتوں پر یقین نہیں کر رہیں؟"

ماں نے جواب دیا: "میں نے یہ کب کہا کہ آپ جھوٹ بول رہے ہیں!"

ابو نصر نے انھیں نادر اشیا کے پاس سے ہٹانے کی کوشش کی: "آپ مجھ سے کچھ بات کرنے آئی تھیں، پہلے بات ہو جائے پھر یہ چیزیں بھی دیکھ لیجیے گا۔"

ماں نے سُنی اَن سُنی کر دی: "باتیں تو بعد میں بھی ہو جائیں گی۔ میں نے سوچا یہ نادر اشیا پہلے دیکھ لوں، آپ کے ذوق کی داد دینا پڑتی ہے۔ واللہ کیا ذوق پایا ہے آپ نے!"

ابو نصر نے آگے بڑھ کر ایک گلدان اٹھا لیا اور اسے سلطان کی ماں کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا: "اسے میں نے کاشغر کے ایک سفری تاجر سے خریدا تھا۔"

ماں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہو گئی: "آپ خریدتے بھی ہیں نادر اشیا، خوب!"

ابو نصر بہت پریشان تھا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس فتنہ عورت سے کس طرح پیچھا چھڑائے۔

سلطان کی ماں نے گل دان تو دیکھا نہیں، پیتل کا عود دان اُٹھا لیا: "اور یہ کس سے اور کتنے میں خریدا تھا آپ نے؟"

یہ عود دان بھی سلطان ہی کا دیا ہوا تھا لیکن اس خیال سے کہ عورت اس کی تحفے تحائف کی باتوں پر یقین نہیں کر رہی، جواب دیا: "یہ اصفہان کے ایک ہنرمند نے مجھے دیا تھا دو درہم کے بدلے، یہ قیمتی چیز نہیں ہے۔"

ماں نے مسکراتے ہوئے کہا: "خوب! بالکل ایسا ہی عود دان میں نے سلطان کے پاس بھی دیکھا تھا۔"

ابو نصر نے رُک رُک کر جواب دیا: "دونوں کا کاری گر ایک ہی ہو گا۔"

وہ ہنسنے لگی: "بالکل بالکل۔ آپ اچھے وزیر ہی نہیں، اچھے حاضر جواب بھی ہیں۔"

اس کے بعد وہ ایک جگہ بیٹھ گئی: "یہ چیزیں بعد میں بھی دیکھی جا سکتی ہیں اور میں ان کو دیکھنے دوبارہ آپ کے محل آؤں گی۔"

ابو نصر کی اب جان میں جان آئی: "آپ دوبارہ ضرور آئیں، آپ کی تشریف آوری میرے لیے باعثِ مسرت ہو گی۔"

ماں نے کہا: "اور ہاں، میری ایک بات ذہن نشین رہے، جب میں دوبارہ یہاں آؤں گی تو کمرے کی ساری چیزیں اسی طرح اور اپنی اپنی جگہ پر بدستور رہنا چاہئیں۔ آپ ان کو ہٹا تو نہیں دیں گے؟"

ابو نصر نے کہا: "یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں، میں انھیں کیوں ہٹاؤں گا؟"

ماں نے جواب دیا: "اس کیوں کا تو میرے پاس کوئی جواب نہیں۔"

ابو نصر نے کہا۔ "خاتون! آپ کی اس تشریف آوری سے مَیں بے حد خوش ہوں۔"

ماں نے جواب دیا۔ "خوش یا ناخوش؟ دیکھیے جناب، آپ سچ ضرور بولا کریں۔"

ابو نصر نے کرب ناک لہجے میں جواب دیا۔ "تو آپ مجھے چور کے ساتھ ساتھ جھوٹا بھی سمجھتی ہیں؟"

ماں نے کہا۔ "نہیں تو، ایسی تو کوئی بات نہیں۔ میں آپ کو نہ تو چور سمجھتی ہوں اور نہ ہی جھوٹا۔"

وہ اتنا گھبرایا ہوا تھا کہ بے اختیار پوچھا۔ "پھر آپ مجھے کیا سمجھتی ہیں؟"

اس نے جواب دیا۔ "ایک لائق وزیر، مدبر، ایک بہترین مشیر۔"

ابو نصر نے ماں کا شکریہ ادا کیا۔

ماں نے کہا۔ "اس وقت مَیں یہاں اس لیے آئی ہوں کہ آپ سے پوچھوں کہ یہ آپ اچانک کندر کیوں جا رہے ہیں؟"

ابو نصر نے جواب دیا۔ "میں کئی سال سے اپنے گاؤں نہیں گیا، وہاں کے لوگ مجھے بہت یاد کرتے ہیں۔"

ماں نے پوچھا۔ "کتنے دنوں کے لیے جائیں گے؟"

اس نے جواب دیا۔ "مجھے نہیں معلوم کہ میں وہاں کتنے دن رہوں گا۔"

ماں نے پوچھا۔ "اور جب آپ اپنے گاؤں کندر چلے جائیں گے تو یہاں آپ کی ذمے داری کون سنبھالے گا؟"

ابو نصر نے جواب دیا۔ "سلطان کو وزیروں، مشیروں کی کیا کمی! کوئی بھی سنبھال لے گا یہ ذمے داریاں۔"

ماں نے کہا۔ "لیکن میں اس وقت آپ کو کہیں بھی نہیں جانے دوں گی۔"

ابو نصر نے عرض کیا۔ "محترم خاتون! آپ مجھے جانے دیں، مت روکیں۔"

ماں نے جواب دیا۔ "آپ اپنا متبادل دے دیں اور شوق سے چلے جائیں، مَیں اعتراض نہیں کروں گی۔"

ابو نصر نے کہا۔ "سلطان کے پاس وزیر اور مشیر بہت موجود ہیں۔"

ماں نے کہا۔ "اگر یہ بات ہے تو ان وزیروں، مشیروں سے میری ملاقات بھی کرا دیں۔"

ابو نصر نے جواب دیا۔ "ہاں، یہ میں کر سکتا ہوں۔"

ماں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ "پھر چلیں میرے ساتھ مجھے ان سے ملوا دیں اور چلے جائیں اپنے گاؤں۔"

ماں نے ابو نصر کو ساتھ لیا اور اپنے محل روانہ ہو گئیں۔

یہ ابو نصر کی خوش قسمتی تھی کہ اس وقت سلطان کے پاس وہ ترک نوجوان موجود تھا جس کو ابو نصر کے حکم سے قید اور بادشاہ کی ذاتی دلچسپی سے رہائی حاصل ہوئی تھی۔

سلطان، نوجوان ترک اور ابو نصر نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔

سلطان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آپ اس کو یہاں میرے پاس دیکھ کر پریشان کیوں ہیں؟"

ابو نصر نے جواب دیا۔ "مَیں ذرا بھی پریشان نہیں۔ یہ آپ نے کس طرح سمجھ لیا کہ مَیں پریشان ہوں؟"

سلطان نے کہا۔ "اس ترک نوجوان کو آپ کے حکم سے قید کر دیا گیا تھا۔"

ابو نصر نے جواب دیا۔ "شاید۔"

ماں نے سلطان کو ڈانٹا۔ "یہ کیا فضول باتیں شروع کر دیں اس وقت میں تیرے پاس ..."

سلطان نے ماں کو مطلع کیا۔ "ماں! اس جگہ مَیں سلطان ہوں، آپ مجھ سے اس طرح باتیں نہ کریں۔"

ترک نوجوان اپنی جگہ سے اٹھ کر ابو نصر کے پاس جا بیٹھا۔ "مجھ کو سلطان کے پاس دیکھ کر تم پریشان کیوں نہیں ہوئے؟"

ابو نصر نے جواب دیا۔ "اس لیے کہ تو میرا مسئلہ نہیں ہے۔ جس کا مسئلہ ہے وہ خوش ہو یا ناخوش مجھے کیا!"

نوجوان ترک نے کہا۔ "مَیں نے سلطان کو پھر یہی سمجھایا ہے کہ یہاں دربار میں جب تک تیرے جیسا موذی موجود ہے میرا دوست سلطانی نہیں کر سکتا۔"

ابو نصر نے ترک نوجوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سلطان کی ماں سے کہا۔ "سلطان کا ایک وزیر یا مشیر یہ بھی ہے۔"

ماں نے سلطان سے پوچھا۔ "یہ کون ہے؟"

سلطان نے جواب دیا۔ "ابو نصر نے اس کا تعارف کرا تو دیا۔"

ماں نے اس نوجوان کو بیزاری اور بے دلی سے دیکھا۔

ابو نصر نے اپنی درخواست پیش کر دی۔ "اب تو آپ مجھے کندر جانے کی اجازت مرحمت فرما دیں گی۔"

ماں نے یہ درخواست پھر مسترد کر دی۔ "نہیں، ابھی تم کندر نہیں جانے گا۔"

نئے سلطان کو جب ابو نصر کی درخواست کا علم ہوا تو

اس نے فوراً اجازت دے دی: "آپ کندر چلے جائیں کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ مجھ میں خود اعتمادی پیدا ہو جائے۔"

لیکن ماں نے اپنے بیٹے کو آنکھ دکھائی: "تو تو کیسا نا سمجھ اور ناتجربہ کار سلطان ہے۔ ہمیں ابو نصر کی سخت ضرورت ہے۔"

سلطان نے ابو نصر کو ماں کے حوالے کر دیا: "ابو نصر! میری ماں کو آپ کی ضرورت ہے، آپ میری ماں کے وزیر بن جائیں۔"

نوجوان ترک زور زور سے ہنسنے لگا: "خوب خوب! بہت اچھا خیال ہے آپ کا۔"

ابو نصر اور سلطان کی ماں نوجوان ترک کو بالکل پسند نہیں کر رہے تھے لیکن فی الحال بے بس تھے۔

جب ابو نصر سلطان کی ماں سے باتیں کر کے اپنے محل جا رہا تھا تو اس نے ایک گھڑ سوار کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا لیکن قریب آنے پر پتا چلا کہ اس کے ساتھ تین سوار اور ہیں۔ وہ نوجوان ترک تھا اور بقیہ تین اس کے ساتھی۔ اس نے ان چاروں سے بچ کر نکل جانے کی کوشش کی لیکن ترک نوجوان نے اپنا گھوڑا ابو نصر کے پاس روک دیا۔

اب ابو نصر بھی رک جانے پر مجبور ہو گیا۔

ترک نوجوان مسکرا رہا تھا۔ اپنا گھوڑا ابو نصر کے گھوڑے سے ملا کر پوچھا: "مجھے نئے سلطان کے پاس دیکھ کر تم حیران نہیں ہوئے ہو؟"

ابو نصر نے جواب دیا: "نہیں، میں بالکل حیران نہیں ہوا۔"

ترک نوجوان نے پوچھا: "کیوں؟ حیران کیوں نہیں ہوئے؟"

ابو نصر نے جواب دیا: "ناتجربہ کار سلطان نہیں جانتا کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے کس حد تک معقول ہے اور کس حد تک نامعقول ہے۔ اس لیے وہاں سے جو کچھ بھی صادر ہو گا، میں اس سے پریشان یا حیران نہیں ہوں گا۔ اب میرا راستہ چھوڑ دو۔ مجھے یہ انداز بالکل پسند نہیں۔"

ترک نوجوان نے شرمندہ ہوئے بغیر کہا: "اس وقت آپ کی عمر کیا ہو گی؟"

ابو نصر نے جواب دیا: "اب عمر جاننے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟"

ترک نوجوان کا لہجہ ایک دم بدل گیا: "آپ کی عمر سے مجھے کوئی خاص دلچسپی نہیں، میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اب جتنی زندگی باقی ہے اس کی قدر کریں۔"

ابو نصر نے پھر وہی بات کی: "میرا راستہ چھوڑ دو، مجھے جانے دو۔"

ترک نوجوان کی پیشانی شکن آلود ہو گئی: "میں کیا کہہ رہا ہوں، اس کا جواب دیں۔"

ابو نصر نے اپنا گھوڑا آگے بڑھانا چاہا تو ترک نوجوان کے ساتھی اپنے گھوڑے ابو نصر کے سامنے لے آئے۔ ابو نصر کو پھر رک جانا پڑا۔

ترک نوجوان آپے سے باہر ہو رہا تھا: "میں تجھ سے احترام سے بات کر رہا ہوں اور تو مجھے ذلیل کیے جا رہا ہے۔"

ایک ترک گھوڑے سے اتر پڑا: "نیچے آ جا، تاکہ ساری باتیں یہیں اسی وقت ہو جائیں۔"

ترک نوجوان اپنے باقی ساتھیوں سمیت گھوڑے سے اتر پڑا اور ایک چبوترے کی طرف بڑھا۔ ابو نصر سے کہا: "چلو اس چبوترے پر بیٹھ کر باتیں کریں۔"

لیکن ابو نصر گھوڑے سے نہیں اترا اور کہا: "کون سی باتیں؟ میں تو باتیں نہیں کرنا چاہتا۔"

نوجوان ترک کو غصہ آ رہا تھا: "میں جو کہہ رہا ہوں، تجھ کو مجھ سے بات کرنا ہو گی۔"

ایک ترک نے ابو نصر کو گھوڑے سے کھینچ کر نیچے اتار لیا اور کہا: "یہ بدتمیزی اور بدتہذیبی ہے کہ ہمارا دوست ہمارا سردار تو گھوڑے سے نیچے آ گیا اور تو گھوڑے کی پشت سے باتیں کرے۔"

ابو نصر نے جب یہ محسوس کیا کہ وہ نیچے گرا لیا جائے گا تو خود نیچے آ گیا۔

ترک نوجوان نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا: "میں پوچھتا ہوں کہ اتنا تکلف کیوں؟"

ابو نصر نے جواب دیا: "میں تکلف نہیں کر رہا، تم لوگوں نے میرا راستہ روک کر حد کر دی۔"

ترک نوجوان اس کو کھینچ کر چبوترے تک لے گیا۔

دوسرے ترک سپاہیوں نے ابو نصر کو دھکے دیے۔

ابو نصر نے مزاحمت ترک کی اور چبوترے تک خاموش رہا۔

ترک نوجوان پاؤں لٹکا کر بیٹھ گیا اور ابو نصر سے پوچھا: "میں یہ پوچھتا ہوں کہ تو میری مخالفت کیوں کرتا ہے؟"

ابو نصر نے جواب دیا: "حکومت بچوں کا کھیل نہیں، یہ تو جیسی حرکتیں کر رہا ہے...."

ترک نوجوان نے ابو نصر کا منہ دبایا: "بچوں کا کھیل ہو یا نہ ہو مگر نوجوانوں کا کھیل ضرور ہے۔"

ابو نصر نے اپنا منہ چھڑانے کی کوشش کی۔

ترک نوجوان بڑبڑاتا رہا: "تو نے مجھے قید کرا دیا لیکن میں باہر آگیا۔"

ابو نصر نے کہا: "پھر شکایت کیسی؟ بات ختم ہو گئی۔"

ترک نوجوان نے اس کا منہ چھوڑ دیا: "اس وقت تو میرے قابو میں ہے میں چاہوں تو تجھے قتل کر دوں۔"

ابو نصر نے جواب دیا: "تو چاہے تو کر سکتا ہے لیکن اس سے تجھ کو حاصل کیا ہو گا؟"

ترک نوجوان نے اپنے ساتھیوں سے کہا: "دوستو! کیا خیال ہے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟"

لیکن دوستوں کی طرف سے ابھی کوئی جواب نہیں ملا تھا کہ سامنے سے سلطانی فوج کا ایک دستہ آگیا۔ اس نے ابو نصر کو اس حال میں دیکھا تو مدد کے لیے آگے بڑھا۔

ترک نوجوان اور اس کے ساتھیوں نے وقت کی نزاکت محسوس کی اور بھاگ کر اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور راہِ فرار اختیار کی۔

دستے کے امیر نے پوچھا: "وزیرِ محترم! یہ کیا معاملہ تھا؟"

ابو نصر نے جواب دیا: "کیا بتاؤں یہ کون تھے؟"

دستے کے امیر نے پوچھا: "یہ کیا چاہتے تھے؟"

ابو نصر نے جواب دیا: "مجھے دھمکیاں دے رہے تھے کہ میں نے سلطان کو ایسے مشورے نہ دوں جن سے ان کو نقصان پہنچے۔"

دستے کے امیر نے وزیر کو اس کے گھوڑے پر بٹھایا اور پھر اپنی حفاظت میں اس کے محل تک پہنچا دیا۔

ابو نصر نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ امیر نے کہا: "آج کل بدنظمی عروج کو پہنچی ہوئی ہے آپ ذرا احتیاط رکھیں۔"

ابو نصر نے بے بسی سے اس کا اقرار کیا: "میں نے ایک عورت کے دباؤ میں آ کر ایک ناتجربہ کار اور نااہل کو سلطان بنا دیا۔ یہ اسی کی سزا بھگت رہا ہوں۔"

فوجی دستہ چلا گیا اور ابو نصر محل میں بیٹھ کر سوچنے لگا کہ آخر اب ہو گا کیا؟

چند ساعتوں بعد ہی سلطان کی ماں کی طرف سے ابو نصر کا بلاوا آگیا۔ اسے فوراً ہی حاضری کا حکم دیا گیا تھا۔

ابو نصر کو یقین ہو گیا کہ ترک نوجوان نے کچھ سے کچھ لگائی ہو گی، شاید اسی لیے اس کو طلب کیا گیا ہے۔ اس نے سلطان کی ماں کے ہرکارے سے کہہ دیا کہ میں دربار میں نہیں آؤں گا۔ مادرِ محترم کو بتا دو کہ میں وزارت سے مستعفی ہو رہا ہوں۔

ہرکارے نے اصرار کیا: "مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ بہت پریشان ہیں آپ اپنا یہ جواب وہاں چل کر دہرا دیں۔"

وزیر نے کہا: "میں جانتا ہوں کہ وہ کیوں پریشان ہیں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ مجھے کیوں بلایا گیا ہے۔"

ہرکارہ ایک ہی بات کہتا رہا: "آپ میرے ساتھ چلیں میں آپ کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا کیوں کہ مجھ کو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ کو اپنے ساتھ لے کر آؤں۔"

ابو نصر نے سوچا کہ اگر اس نے مزاحمت کی تو اس کے نتائج بہت برے نکلیں گے ممکن ہے کہ ترک نوجوان اپنی کوششوں میں کامیاب ہو چکا ہو۔

ابو نصر اندر گیا اور سر سے پاؤں تک کفن میں لپٹ کر باہر آگیا اور کہا: "چل چلتا ہوں۔"

سلطانی ہرکارے نے وزیر کو اس حال میں حیرت سے دیکھ کر پوچھا: "یہ کیا ہے؟"

ابو نصر نے جواب دیا: "تو مجھے بلانے آیا ہے میں تیرے ساتھ چل رہا ہوں، کیا یہ کافی نہیں ہے؟"

ہرکارہ چپ ہو گیا لیکن وہ دم بخود مجسم سوالیہ نشان بنا ہوا تھا۔

شاہی محل تک ابو نصر کو جس نے بھی اس حلیے میں دیکھا وہ حیران بھی ہوا اور مسکرایا بھی۔

سلطانی محل کے دربان اور پہرے دار بھی وزیر کو اس حلیے میں دیکھ کر پریشان اور فکرمند ہو گئے۔

اندر سلطان کی ماں کو یہ اطلاع دی گئی کہ وزیر ابو نصر کفن میں لپٹا ہوا حاضری کا طالب ہے۔

سلطان کی ماں محل کے باہری دروازے تک وزیر کے استقبال کو پہنچی اور اسے اپنے ساتھ اندر لے گئی۔

ماں نے وزیر کو اپنے خاص کمرے میں بٹھاتے ہوئے کفن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا: "یہ سب کیا ہے؟"

اس نے جواب دیا: "میرا کفن۔ اور میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اب میں جب بھی محل سے باہر نکلوں گا اس کفن میں لپٹ کر نکلوں گا۔"

سلطان کی ماں بے حد پریشان اور گھبرائی ہوئی نظر آ رہی تھی: "میں نے تجھ کو فوراً بلایا تھا اور تو تاخیر سے آیا۔ آخر کیوں؟"

ابو نصر نے عرض کیا: "پہلے آپ یہ بتائیں کہ آپ نے مجھے کیوں بلایا ہے؟ اس کے بعد میں بھی سب کچھ بتا دوں گا۔"

ماں نے جواب دیا: "ابھی ابھی رے کی شمالی سرحدوں سے یہ خبر آئی ہے کہ سلطان کا چچا قتلمش اپنے لشکرِ جرار کے ساتھ ہماری طرف آ رہا ہے۔"

ابونصر نے پوچھا: "آخر کیوں؟"

ماں نے جواب دیا: "اس نے میرے بیٹے سلیمان کو اپنا سلطان نہیں تسلیم کیا۔"

وزیر نے اپنے ذہن پر زور دیا اور سوچنے لگا کہ اس کا کس طرح تدارک ہو۔

سلطان کی ماں نے اس کی تعریف و توصیف میں قصیدہ شروع کیا: "میں نے محسوس کیا ہے کہ تیرے ساتھ زیادتیاں ہو رہی ہیں۔ میں ان کا ازالہ کر دوں گی۔"

ابونصر نے مشورہ دیا: "اگر قتلمش نے حملہ آور ہونے کا ارادہ کر ہی لیا ہے تو پھر اس کا مقابلہ کیا جائے۔ جس زبان میں وہ بات کر رہا ہے اسی زبان میں اس سے بات کی جائے۔"

ماں نے کہا: "لیکن میرا بیٹا سلیمان تو جنگ و جدال کا کوئی تجربہ بھی نہیں رکھتا وہ کس طرح مقابلہ کرے گا۔"

ابونصر نے جواب دیا: "مادرِ محترم! سلطان کے دوستوں میں ایسے لوگ ہیں جو چچا قتلمش کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔"

ماں نے سرد آہ بھری: "لیکن میرے علم میں تو ایک بھی ایسا نہیں ہے جو اس کا مقابلہ کر سکے۔"

ابونصر نے جواب دیا: "حکومت کرنا آسان کام نہیں ہے اس میں حملہ آوروں کا مقابلہ بھی کرنا پڑتا ہے۔ ابھی دوسرے اعدا بھی چڑھ دوڑیں گے ان کا بھی مقابلہ کرنا پڑے گا۔"

ماں نے کہا: "ہم نے تجھ کو وزارت کے منصب پر برقرار رکھ کر جو احسان کیا ہے اس کا کچھ تو صلہ دے۔"

ابونصر نے اپنے کفن کی طرف اشارہ کیا: "مادرِ محترم! یہ کفن میں نے اسی لیے زیب تن کر رکھا ہے آپ مجھ کو قتل کرا دیں کیوں کہ اب میں اس منصب کا اہل نہیں رہا۔"

ماں نے اصرار کیا: "یہ تو اکھڑی اکھڑی باتیں کیوں کر رہا ہے۔ تیری مایوسی کا کوئی سبب تو معلوم ہو۔"

ابونصر نے ترک نوجوان کا واقعہ سنا دیا: "وہ سلطان کا بچپن کا دوست ہے اور خود کو زیادہ بااختیار اور طاقت ور سمجھتا ہے آپ اس سے کہیں کہ فوج تیار کرے اور چچا قتلمش کا مقابلہ کرے۔"

قتلمش ماں نے اسے یقین دلایا: "میں اسے دوبارہ قید کرا دوں گی تو رے کے دفاع کی تیاری کر۔"

ابونصر نے عرض کیا: "آپ کس کس محاذ پر مقابلہ کریں گی

مادرِ محترم! الپ ارسلان نے بھی شہزادہ سلیمان کی بادشاہت کو تسلیم نہیں کیا ہے چچا موسیٰ بیغو بھی مقابلے پر تیار ہے۔"

ماں کے لبوں سے ارسلان بھی خطا ہو گئے: "پھر اب کیا ہوگا؟"

ابونصر نے جواب دیا: "ان مسائل کا آپ کو اندازہ ہونا چاہیے تھا مجھے تو تھا۔"

ماں نے درشت لہجے میں پوچھا: "میں پوچھتی ہوں کہ اب کیا ہوگا؟"

ابونصر نے جواب دیا: "مادرِ محترم! حکومت کچھ چاہتی ہے۔ قربانیاں مانگتی ہے اب میں اس شرط پر وزارتِ عظمیٰ کا منصب قبول کروں گا کہ میرے معاملات میں کوئی مداخلت نہ کرے۔ میں سیاہ کروں یا سفید۔ آپ خاموش رہیں سلطان بھی خاموش رہے۔"

ماں نے جواب دیا: "مجھے تیری یہ شرط منظور ہے اور کچھ؟"

ابونصر نے کہا: "اور یہ کہ ترک نوجوان کو قید کر دیا جائے ورنہ وہ ہمارے کاموں میں دخل دے گا۔"

ماں نے جواب دیا: "یہ بھی منظور۔ اس پر بھی عمل ہو جائے گا۔"

ابونصر نے درخواست کی: "یہ ساری باتیں سلطان کی موجودگی میں ہوتیں تو بہتر تھا۔"

ماں نے کہا: "میں سلطان کو بھی یہیں بلوا لیتی ہوں تاکہ یہ معاملات اسی وقت طے پا جائیں۔"

ماں نے اسی وقت سلطان کو بھی وہیں بلوا لیا۔ اس نے ابونصر کو سر سے پاؤں تک کفن میں لپٹا ہوا دیکھا تو اسے ہنسی آ گئی وہ بے اختیار زور زور سے ہنستا رہا۔

ماں نے اسے ڈانٹ دیا: "کیا پاگلوں کی طرح ہنس رہا ہے۔ کچھ تجھ کو پتا بھی ہے کہ تیرے اور تیری حکومت کے خلاف کیسے کیسے فتنے سر اٹھا رہے ہیں۔"

سلطان نے بمشکل ہنسی پر قابو پایا۔ پوچھا: "کیا ہوا؟ کیسے فتنے؟"

ماں نے جواب دیا: "تیرے وہ چچا موسیٰ بیغو اور قتلمش تیرے خلاف فوجیں لے کر آ رہے ہیں۔ وہ تجھ کو سلطان نہیں مانتے۔ تیرا بھائی الپ ارسلان بھی رے پر فوج کشی کرنے والا ہے۔"

سلطان ذرا بھی نہ گھبرایا: "ماں! یہ سب افواہیں ہوں گی اور یہ کفن پوش ان کا راوی ہوگا، یہ بہت چالاک ہے۔"

ابونصر نے ستائشی نظروں سے ماں کی طرف دیکھا۔

ماں نے خاصا درشت لہجہ اختیار کیا: "یہ سب تجھ کو میں بتا رہی ہوں۔ یہ افواہیں نہیں واقعی اور سچی خبریں ہیں۔"

سلطان کو اپنی ماں کی باتیں عجوبی لگ رہی تھیں۔

"میں کس طرح یقین کر لوں کہ جس بات کا فیصلہ چچا طغرل نے وصیت نامے کی صورت میں کر دیا ہو اس سے میرے چچا اور بھائی اختلاف کریں۔"

ماں جھنجلا رہی تھی کہ اس کا بیٹا اتنا احمق کیوں ہے؟

ابونصر نے سلطان کی ماں سے کہا: "جب ایک بات سلطان کی سمجھ ہی میں نہیں آ رہی تو آپ انھیں کس طرح یقین دلائیں گی؟"

ماں نے ابونصر کو اپنی طرف سے اختیارات دے دیے: "جا میری طرف سے تو خود مختار ہے۔ جو اس حکومت، سلطان اور میرے لیے مناسب ہو کر۔ میری طرف سے تجھ کو اجازت ہے۔"

سلطان نے ابونصر کو سمجھایا: "میری ماں تجھ کو جو اختیارات دے رہی ہے اس حیطۂ اختیار میں میرے دوست احباب بالکل نہیں آتے۔"

ماں شیرنی کی طرح بپھر کر کھڑی ہو گئی: "اس کے حیطۂ اختیار میں تو بھی ہے اور تیرے دوست احباب بھی۔ ابونصر تیرے دشمنوں سے جنگ کرے گا۔"

سلطان نے بے پروائی سے جواب دیا: "ابونصر میرے دشمنوں سے جنگ کرے گا تو اس میں کمال کی کیا بات ہوگی۔ یہ مجھ پر احسان تو نہیں کرے گا۔ یہ ہمارا وزیر ہے اور ہمارا دفاع اور ہماری حفاظت اس کا فرض منصبی ہے۔"

ماں کے غصے اور جھنجلاہٹ میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اس نے ابونصر کو حکم دیا: "اب تو جا سکتا ہے۔ تو جو مناسب سمجھ کرتا رہ۔ ہماری طرف سے کسی قسم کی مداخلت نہیں ہوگی۔"

ابونصر نے سلطان کی طرف دیکھا: "اور یہ؟ میں ان سے ڈرتا ہوں۔"

ماں نے جواب دیا: "تو اس سے بالکل نہ ڈر۔ میں اسے سنبھال لوں گی۔"

جب ابونصر چلا گیا تو ماں سلطان کو سمجھانے لگی: "مجھ کو ڈر ہے کہ تو ایک نہ ایک دن اپنی نادانی اور ناتجربہ کاری سے اپنی حکومت ضائع کر دے گا۔"

سلطان نے اپنی ماں کا مذاق اڑایا: "یہ آپ منفی سوچ کیوں رکھتی ہیں۔ آپ مجھ پر بھروسا کریں۔ میں سب ٹھیک کر لوں گا۔"

ماں نے کہا: "پھر وہی فضول، بے سروپا اور بہکی بہکی باتیں۔ اگر تو ہمیں کچھ نہیں سمجھتا تو میں بھی تجھ کو تیرے حال پر چھوڑ دوں گی۔"

سلطان نے جواب دیا: "جیسی آپ کی مرضی، میں کیا کر سکتا ہوں۔"

ماں رونے لگی: "میں نے تجھ کو بڑی دشواریوں سے سلطان بنوایا اور اب تو میری جاں فشانی اور محنت کو خاک میں ملا دینا چاہتا ہے۔"

سلطان نے جواب دیا: "میں نے آپ کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی۔ ہاں آپ البتہ پریشان کر رہی ہیں۔"

ماں نے اسے صاف صاف بتا دیا: "میں نے ابونصر کو حکم دے دیا ہے کہ وہ ترک نوجوان اور اس کے ساتھیوں کو قید کر دے۔"

سلطان تلملانے لگا: "یہ آپ نے کیا کر دیا۔"

اور وہ اسی وقت ماں کے پاس سے اٹھ کر ترک نوجوان کے گھر روانہ ہو گیا۔



الپ ارسلان مرو میں تھا کہ اسے اپنے چچا طغرل کا تابوت موصول ہوا۔ ابونصر، شہزادہ سلیمان اور اس کی ماں کی طرف سے الپ ارسلان کو مطلع کیا گیا تھا کہ سلطان طغرل کی یہ خواہش تھی کہ اسے بھائی داؤد جغری کے پہلو میں دفن کیا جائے۔

الپ ارسلان نے اپنے مرحوم چچا کی خواہش پوری کر دی، اور اسے داؤد جغری کی قبر سے متصل دفن کر دیا۔

جو لوگ میت کا تابوت لے کر آئے تھے وہ بھی الپ ارسلان کے مہمان تھے۔ الپ ارسلان نے رات کو رے کے نمائندہ وفد کے اعزاز میں دعوت دی اور جب لوگ جمع ہو گئے تو وہاں میلے جیسا سماں بندھ گیا۔

الپ ارسلان نے وفد کے ایک ادھیڑ عمر سپاہی سے پوچھا: "اے شخص! اللہ تجھے مہربانی اور برکت سے نوازے، کیا تو بتا سکتا ہے کہ ابونصر رے میں کیا کر رہا ہے؟"

سپاہی نے جواب دیا: "جب میں وہاں سے چلا ہوں اس وقت ابونصر شہزادہ سلیمان کو سریر آرائے سلطنت کرنے کی فکر میں گرفتار تھا۔"

الپ ارسلان نے پوچھا: "وہ کس طرح؟ شہزادہ سلیمان تو اس منصب کا کسی طرح اہل نہیں ہے۔"

سپاہی نے جواب دیا۔ "وہ اہل ہو یا نہ ہو لیکن میں نے سُنا ہے کہ مرحوم سلطان نے شہزادہ سلیمان ہی کے حق میں وصیت کر دی تھی۔"

الپ ارسلان فرطِ جوش میں چلایا۔ "لیکن دُنیا جانتی ہے کہ وہ اس کا اہل نہیں ہے۔ ابو نصر تو سمجھ دار اور جہاندیدہ ہے اس نے مرحوم سلطان کی نامعقول وصیت پر کیوں عمل کیا؟ کیا سلیمان ان مصیبتوں کا مقابلہ کرلے گا جو اب اس کے خلاف برپا ہونے والی ہیں؟"

ایک سپاہی اس سوال کا کیا جواب دے سکتا تھا۔

الپ ارسلان، یعنی شیر دلاور، اکتیس سال کی عمر میں ایک ایسے چوراہے پر کھڑا تھا جس کے سامنے اس کا چچا قتلمش دوسرے راستے سے چچا موسیٰ بیغو اور ایک سمت سے اس کا نالائق اور نااہل بھائی سلیمان اس کا راستہ روکے کھڑا تھا — الپ ارسلان خوب جانتا تھا کہ مرحوم سلطان نے اس کی حق تلفی کی ہے۔

خواجہ حسن نے اپنے ولی نعمت کو فکرمند اور غمگین دیکھا تو اس کی وجہ سمجھ گیا لیکن وہ اس وقت تک کوئی مشورہ نہیں دے سکتا تھا جب تک الپ ارسلان خود اس سے مشورہ نہ چاہتا۔

الپ ارسلان کا بیٹا ملک شاہ اس کے پاس ہی اپنے چھوٹے سے تیر کمان سے دیوار کے ایک نشان پر نشانے لے رہا تھا اس کو اپنے باپ کی فکرمندی سے کوئی واسطہ نہ تھا۔

الپ ارسلان کو اپنے بیٹے پر بڑا پیار آ رہا تھا اس نے آگے بڑھ کر دیوار پر کئی نشان مزید لگا دیے اور اپنے نو سالہ بیٹے سے کہا۔ "ان نشانوں کے بارے میں تو کیا جانتا ہے؟"

ملک شاہ سمجھا اس نشان کے کھیل کو شاید اس کا باپ بھی بہت پسند کرتا ہے جواب دیا۔ "میں جس نشان پر تیر اندازی کر رہا تھا اسے اپنا دشمن سمجھ رہا تھا۔"

الپ ارسلان اپنے بیٹے کے جواب سے بہت خوش ہوا۔ "خوب، خوب!"

اُس وقت الپ ارسلان کو مطلع کیا گیا کہ خواجہ حسن اذنِ باریابی چاہتا ہے۔

الپ ارسلان نے خواجہ حسن کو بھی وہیں بلوا لیا۔

جب خواجہ حسن اپنے آقا اور ولی نعمت الپ ارسلان سے ملا تو انھیں اس حال میں دیکھا کہ اکتیس سالہ باپ اپنے نو سالہ بیٹے کے ساتھ تیر اندازی کا کھیل کھیل رہا تھا۔

خواجہ حسن نے پوچھا۔ "کیا اس دلچسپ کھیل میں مَیں بھی حصہ لے سکتا ہوں؟"

الپ ارسلان نے جواب دیا۔ "کیوں نہیں، آپ بھی شریک ہو جائیں۔"

خواجہ حسن نے دیوار پر پانچ نشانات اور لگا دیے۔ نو سالہ ملک شاہ کے ہاتھ میں تیر کمان تھے۔

الپ ارسلان نے ملک شاہ سے کہا۔ "بیٹے ان پر نشانے لگاؤ۔"

ملک شاہ نے پوچھا۔ "پہلے کس نشان کو نشانہ بناؤں؟"

الپ ارسلان نے جواب دیا۔ "تو جس نشان کو بھی پہلے نشانے کا مستحق سمجھے!"

ملک شاہ کچھ دیر سوچتا رہا اور پھر اس نشان پر نشانہ لگایا جو دیوار پر سب سے دُور تھا۔ نشانہ ٹھیک لگا، الپ ارسلان اور خواجہ حسن نے تالیاں بجائیں۔

ملک شاہ کا دوسرا نشانہ وہ نشان تھا جو پہلے نشان سے قریب تھا۔ اس کا یہ نشانہ بھی درست ثابت ہوا۔

ایک بار پھر تالیوں کے شور سے فضا گونج گئی۔

تیسرا نشانہ دوسرے نشان سے قریب نشان پر ٹھیک ٹھیک لگایا گیا۔ چوتھا اس سے قریب کے نشان پر اور پانچواں سب سے قریب نشان پر۔

شہزادے کا ہر نشانہ بالکل درست تھا۔

الپ ارسلان نے اسے گود میں اٹھا لیا لیکن شہزادہ مچل کر گود سے نیچے آ گیا۔

خواجہ حسن بھی شہزادے کی کارکردگی سے بے حد خوش تھا۔ اس نے الپ ارسلان سے سرگوشی میں کہا۔ "پودے کے چکنے چکنے پتے اس بات کی نشاندہی کر رہے ہیں کہ درخت شاندار ہوگا۔"

الپ ارسلان نے شہزادے سے کہا۔ "بیٹے! تیری ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

شہزادے نے معصومیت سے باپ کی طرف دیکھا۔ "کون سی بات؟"

الپ ارسلان نے کہا۔ "تُو نے جس ترتیب سے نشانوں پر نشانے لگائے ان کا کوئی خاص مقصد تھا تیرے ذہن میں؟"

شہزادے نے جواب دیا۔ "بابا جان! مَیں جو کام بھی کرتا ہوں اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے۔"

الپ ارسلان نے پوچھا۔ "اس کا کیا مقصد تھا؟"

شہزادے نے جواب دیا۔ "میں نے صرف پانچ نشانوں کو اپنا دشمن تصور کیا تھا۔"

الپ ارسلان بے چین تھا شہزادے کی نفسی کیفیات جاننے کے لیے۔ "پھر پھر؟ یعنی پھر؟"

شہزادے نے جواب دیا۔ "میں نے سب سے پہلے اپنے دور کے دشمن کو نشانہ بنایا۔ اس کے بعد اس سے قریب پر پھر اس سے قریب پر، اس طرح نشانے لگاتا ہوا قریب کے دشمن تک آگیا۔"

الپ ارسلان نے کہا۔ "لیکن میرے خیال میں یہ دشمنوں پر حملہ آوری کی صحیح حکمت عملی نہیں تھی۔"

شہزادے نے تڑپ کر جواب دیا۔ "بابا جان! یہی درست حکمت عملی تھی۔"

باپ نے پوچھا۔ "وہ کیوں کر؟ کس طرح؟"

شہزادے نے جواب دیا۔ "وہ اس طرح کہ اگر میں اپنے قریب ترین دشمن کو نشانہ بناتا تو وہ اپنے قریب ترین دشمن کے پاس پناہ لے کر مدد کا طالب ہوتا اور دوسری بار مجھے دو دشمنوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ تیسری بار تین دشمنوں کا اور چوتھی بار چار دشمنوں کا۔"

الپ ارسلان نے پوچھا۔ "اور آخری بعید ترین دشمن کو نشانہ بنا کر تجھ کو کیا فائدہ حاصل ہوا؟"

شہزادے نے جواب دیا۔ "بعید ترین دشمنوں کو شکست دے کر میں نے یا تو دشمن کو ہلاک کر دیا اور اگر ہلاک نہیں کر سکا تو اسے شکست دے کر کہیں بہت دور بھگا دیا اور اپنے دوسرے دشمنوں کو خوف زدہ کر دیا۔ ان خوف زدہ دشمنوں کو شکست دینا نسبتاً آسان کام ہو گیا۔ ان کی راہ فرار بند کر دی گئی۔ اب وہ یا تو میری اطاعت قبول کر لیں گے اور یا پھر قتل ہو کر مر جانا گوارا کریں گے۔"

نو سالہ بچے کے شاندار تجزیے نے الپ ارسلان اور خواجہ حسن کو یکساں محظوظ کیا۔ "واہ وا، سبحان اللہ! اللہ شہزادے کو نظر بد سے بچائے۔"

خواجہ حسن شہزادے کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتا رہا۔

الپ ارسلان نے شہزادے کے منہ پر بوسہ دیا۔ "اللہ کرے تیرے منہ سے یوں ہی پھول جھڑتے رہیں۔"

شہزادے نے ان دونوں کا شکریہ ادا کیا۔

کچھ دیر بعد الپ ارسلان نے شہزادے کو اندر محل میں بھیج دیا اور خواجہ حسن سے کہا۔ "واللہ! اس لڑکے نے تو میرا مسئلہ ہی حل کر دیا۔"

خواجہ حسن نے پوچھا۔ "وہ کس طرح؟"

الپ ارسلان نے جواب دیا۔ "اس وقت میں پانچ بڑے دشمنوں میں گھرا ہوا ہوں۔"

خواجہ حسن نے پوچھا۔ "وہ کون کون سے؟ یعنی؟"

الپ ارسلان نے جواب دیا۔ "سمرقند کے قریب بہت سی آبادیوں کا جھنڈ ہے۔ ختلان، وہاں کے عامل نے خود مختاری کا جھنڈا بلند کر دیا ہے۔ میرا خیال تھا کہ میں پہلے اپنے قریبی دشمنوں کو زیر کروں گا اس کے بعد دور دراز کے باغیوں کو لیکن ملک شاہ کے مشورے نے میری تدبیروں اور حکمت عملیوں کا نقشہ ہی بدل کے رکھ دیا۔ اب میں ختلان اور صغانیاں کو پہلے زیر کروں گا اور ہرات و اصفہان اور رے کو بعد میں۔"

خواجہ حسن بھی ملک شاہ کی ذہانت سے متاثر ہوا تھا، کہنے لگا۔ "ملک شاہ کی تربیت میں کروں گا اور اسے مثالی حکمران بنا دوں گا۔"

الپ ارسلان کو اس سے کیا انکار ہو سکتا تھا۔ وہ خواجہ حسن کی فراست کا قائل تھا۔ جب اس نے خواجہ حسن سے پوچھا کہ موجودہ حالات اور مسائل کے پیش نظر میری حکمت عملی کیا ہونا چاہیے تو خواجہ حسن نے شہزادے سے کچھ اختلاف کیا۔ اس نے کہا۔ "شہزادہ ملک شاہ ابھی بچہ ہے۔ اسے کچھ پتا نہیں کہ آپ کس طرح سلطان بن سکتے ہیں۔"

الپ ارسلان اپنے استاد اور اتالیق کی باتیں گرہ میں باندھتا جا رہا تھا۔

خواجہ حسن کہتا رہا۔ "آپ لڑ بھڑ کر اپنی قوت کو ضائع نہ کریں۔ ہمارا پہلا ہدف رے ہو گا کیوں کہ رے میں سلطان مرحوم کا وصیت کردہ سلطان موجود ہے۔ وہ جب چاہے، بغداد سے سند حکومت حاصل کر لے۔ اس کے بعد آپ کا کام بہت مشکل ہو جائے گا۔"

خواجہ حسن کی بات واضح اور روز روشن کی طرح عیاں تھی۔ الپ ارسلان بڑی محویت سے خواجہ حسن کی مدلل باتیں سن رہا تھا۔

"اور یوں بھی رے ہمارے لیے بہت اہم ہے۔ آپ کے چچا قتلمش اپنی فوج گراں کے ساتھ رے کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ وہ سلیمان کو معزول کر کے خود سلطان بن جانے کی فکر میں ہیں۔"

الپ ارسلان کو چکر سا آ گیا۔ اس نے گھبرا کر پوچھا۔

"پھر اب کیا ہو گا؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا۔ "میں رے جاؤں گا اور ابونصر کو سمجھاؤں گا کہ وہ یہ سب کیا کر رہا ہے۔ وہ سلیمان کو معزول کر کے آپ کو سلطان بنا دے گا۔"

الپ ارسلان نے دریافت کیا۔ "کیا رے آپ تنہا جائیں گے؟ اور کیا آپ کو یہ یقین ہے کہ ابونصر آپ کی بات مان لے گا؟"

خواجہ حسن کو اپنی عقل اور تدبر پر اعتماد تھا۔ "ابونصر کو میری بات ماننا ہو گی۔ میں اسے قائل کر لوں گا کہ اس سے غلطی ہوئی ہے اور اب وہ اس غلطی کا اس طرح ازالہ کر سکتا ہے کہ سلیمان کو معزول کر کے آپ کی فرماں روائی کا اعلان کر دے۔"

الپ ارسلان نے دعا کی۔ "خواجہ حسن! آپ جائیں، اللہ آپ کو کامیاب کرے۔ اس دوران میں چچا قتلمش کو راستے میں روک لوں گا۔"

خواجہ حسن نے تائید کی۔ "ٹھیک ہے۔"

الپ ارسلان نے خواجہ کو کچھ بتائے بغیر اپنی جنگی حکمت عملی تیار کی۔ اس نے دو فوجیں اپنے نامی گرامی فوجی سپہ سالاروں کی سرکردگی میں ختلان اور صغانیاں روانہ کر دیں اور انھیں ہدایت کر دی کہ وہ اپنے دشمنوں سے صلح یا مفاہمت نہیں کریں گے۔ ان کو ختمی شکست فاش دے کر وہاں اپنے نئے عامل مقرر کر دیں گے۔

خواجہ حسن کو رے روانہ کر کے وہ خود ہرات روانہ ہو گیا۔ ہرات میں الپ ارسلان کا چچا موسیٰ بیغو حکومت کر رہا تھا اور اس کا ارادہ تھا کہ کسی دن رے پر حملہ کر کے خود سلطان بن جائے گا۔ اس کا الپ ارسلان سے کوئی جھگڑا بھی نہ تھا۔ اس لیے الپ ارسلان سے الجھنے کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا تھا۔

الپ ارسلان ہرات کے سامنے پہنچا تو اپنے چچا موسیٰ بیغو کو اپنی فوج کے ساتھ صف آرا پایا۔ اس نے الپ ارسلان کو سمجھایا کہ ہم دونوں میں کوئی جھگڑا نہیں اس لیے تو واپس جا۔

الپ ارسلان نے جواب میں کہہ دیا۔ "میں آپ کا احترام کرتا ہوں مگر رے کی حکومت آپ کا حق نہیں، وہ میری ہے اس لیے آپ بدستور ہرات پر حکومت کرتے رہیں۔ میں آپ کو ہرات کی حکومت کا تجدید نامہ دیتا ہوں۔"

موسیٰ بیغو کو اپنے بھتیجے کی فراخ دلی پر غصہ بھی آیا اور ندامت بھی محسوس ہوئی۔ اس نے بھتیجے کو اپنے لشکر میں بلوایا، کہا۔ "بہتر یہی ہے کہ ہم دونوں آمنے سامنے بیٹھ کر معاملات طے کر لیں۔"

لیکن الپ ارسلان نے چچا کو موقع ہی نہیں دیا۔ "جو معاملہ طے شدہ ہو اس کو الجھانے سے حاصل؟ اب یہ معاملہ خلوت میں نہیں، میدان جنگ میں طے پائے گا۔"

بات ختم ہو گئی اور دونوں ایک دوسرے سے برسرپیکار ہو گئے۔

چچا موسیٰ بیغو نے اپنے بھتیجے کی قوت کا غلط اندازہ لگایا تھا۔ الپ ارسلان نے اپنے سپاہیوں کو یہ حکم دے دیا تھا کہ موسیٰ بیغو کو قتل نہ کیا جائے، زندہ گرفتار کر لیا جائے۔

اور موسیٰ بیغو نے اپنے شہسواروں کو حکم دیا۔ "الپ ارسلان میرا بھتیجا ہے لیکن کسی رو رعایت یا مروت کا مستحق نہیں۔ زندہ یا مردہ جس حال میں ملے میری خدمت میں پیش کیا جائے۔"

دوپہر کو الپ ارسلان کے قلب نے موسیٰ بیغو کے قلب کو توڑ دیا اور دفعتاً اس میں داخل ہو کر کانٹ چھانٹ شروع کر دی۔

دونوں کا میمنہ میسرے سے اور میسرہ میمنے سے جنگ آزما تھا۔ قلب کی ہزیمت نے میمنہ اور میسرہ کو بھی متاثر کیا، اور یہ دونوں ہی بچاؤ کی تلاش میں ادھر ادھر بھاگنے لگے۔

موسیٰ بیغو نے اپنے گھوڑے کو موڑا اور ایک طرف بھاگ نکلا۔ الپ ارسلان کی نظریں اس کا پیچھا کر رہی تھیں۔ اس نے اپنے ایک امیر کو حکم دیا۔ "چچا کو بھاگنے نہ دیا جائے۔"

بس اتنا اشارہ کافی تھا۔ کئی شہسوار موسیٰ بیغو کے تعاقب میں لگ گئے اور ایک سوار کا جب فاصلہ کم ہو گیا تو اس نے انتہائی مہارت سے موسیٰ بیغو پر کمند پھینکی اور سینے اور بازوؤں کو گرفت میں لے کر الپ ارسلانی شہسوار نے موسیٰ بیغو کو اپنی طرف کھینچا تو وہ گھوڑے سے نیچے آ گیا اور خالی گھوڑا آگے نکل گیا۔

شہسوار نے موسیٰ بیغو پر چھلانگ لگا دی اور اسے اپنے قابو میں لینے کی کوشش کی، پھر دوسرے شہسوار نے اپنے ساتھی کی مدد کی۔

موسیٰ بیغو نے پہلے تو مزاحمت کی لیکن جب مایوس ہو گیا تو اپنے ہی خنجر سے اپنا کام تمام کر لینا چاہا۔

ایک شہسوار نے اس کے ہاتھ سے خنجر چھین لیا۔ "میں تجھ کو مرنے نہیں دوں گا۔"

موستی بیغو نے پُرجوش لہجے میں کہا: "مجھے مر جانے دو کیوں کہ میں عزت کی موت مرنا چاہتا ہوں۔"

سواروں نے کوئی جواب نہیں دیا اور انھوں نے اسے جکڑ کر گھوڑے پر ڈال دیا۔

جنگ ختم ہو چکی تھی۔ موستی بیغو قید ہو کر اپنے بھتیجے کے پاس لے جایا جا رہا تھا۔

یہ جنگ اتنی اچانک شروع ہوئی تھی کہ الپ ارسلان کا خیمہ تک نصب نہیں ہوا تھا۔ اس وقت وہ ایک کھلی جگہ پر کھڑا تھا اور اس کے آدمی اس کا خیمہ نصب کر رہے تھے۔ یہ جگہ ذرا بلندی پر تھی۔ ٹیلے کے دوسری طرف ایک ندی بہہ رہی تھی۔

موستی بیغو اپنی آنکھیں بند کیے کراہ رہا تھا کیوں کہ وہ بڑی اذیت میں تھا۔

جو شہسوار اس گھوڑے کی لگام پکڑے پیدل چل رہا تھا موستی بیغو اس کو لالچ دے رہا تھا: "تو مجھ سے میرے قیمتی ہار لے لے اور مجھ کو فرار ہو جانے دے کیوں کہ الپ ارسلان تجھ کو کچھ نہیں دے گا۔"

شہسوار نے کوئی جواب نہیں دیا۔

موستی بیغو نے پوچھا: "کیا تُو نے میری بات نہیں سُنی؟"

شہسوار نے جواب دیا: "سُن لی اور تیری پیش کش بھی سُن لی۔"

موستی بیغو نے پوچھا: "پھر تو کیا سوچ رہا ہے، اس سے فائدہ اٹھا۔"

اس نے جواب دیا: "نہیں، میں تیری پیش کش سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ میں نے اپنے آقا سے وعدہ کر رکھا ہے کہ آپ کے چچا کو زندہ پکڑ کے لاؤں گا۔"

موستی بیغو نے جھنجلا کر بد دعا دی: "اللہ تجھے برباد کرے، کیسا احمق ہے تُو۔ الپ ارسلان مجھ کو قتل کر دے گا اور تُو چند قیمتی ہاروں سے محروم ہو جائے گا۔"

بات نہیں بنی اور موستی بیغو کو اسی حال میں الپ ارسلان کے روبرو پیش کر دیا گیا۔

الپ ارسلان نے اپنے چچا کو بُرے حال میں دیکھا تو بے چین ہو گیا: "یہ کس نے میرے چچا کو اس حال میں رکھا ہے کم بختو! انھیں آزاد کرو، یہ میرے چچا ہیں۔"

جس شہسوار نے موستی بیغو کو گھوڑے پر ڈالا تھا وہی اس کی رسّی کے بَل کھولنے لگا۔

موستی بیغو الپ ارسلان کے اضطراب، کرب اور آنسوؤں کو اس کی اداکاری سمجھ رہا تھا اور وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ بالآخر اس کو ذلتوں سے قتل کر دیا جائے گا۔

جب موستی بیغو آزاد ہو گیا تو الپ ارسلان نے اس کو گلے لگا لیا: "عمِ محترم! آپ نے مجھ سے جنگ کیوں کی؟ آپ نے مجھ پر اعتبار کیوں نہیں کیا؟ بھروسا کیوں نہیں کیا؟"

موستی بیغو نے جواب دیا: "مجھ کو تیری بابت یہ معلوم ہوا تھا کہ تو انتہائی ظالم اور چڑچڑا ہو گیا ہے اور یہ بھی کہ اب تو اپنے کسی بھی دشمن کو معاف ہی نہیں کرتا۔"

الپ ارسلان نے کہا: "ایسا نہیں ہو سکتا کیوں کہ میری شہرت نیک ہے، میں اسے داغ دار کسی حال میں بھی نہیں کروں گا۔"

موستی بیغو کو اب بھی اس کی باتیں فضول اور بہلاوا لگ رہی تھیں۔

الپ ارسلان نے اپنے چچا موستی بیغو کے لیے ایک خیمہ نصب کرایا اور اس کو اس کے اپنے خیمے میں قید کر لیا۔ قید اس طرح کہ خیمہ کے باہر چند پہرے دار بٹھا دیے گئے تھے۔

بیغو خیمے کے در تک آتا اور اس کے باہر جو کچھ نظر آ رہا تھا اسے دیکھ واپس چلا جاتا۔ اس کے پہرے دار بڑے چاق و چوبند تھے۔ وہ موستی بیغو کو جب بھی خیمہ کے در پر دیکھتا پریشان ہو جاتا اور موستی بیغو کو حکم دیتے: "اندر جا اندر، یہاں کیوں کھڑا ہے؟"

سلطان طغرل کی وفات کے بعد الپ ارسلان کی یہ پہلی جنگ تھی اور پہلی ہی فتح بھی۔ وہ اس فتح کی خوشی میں ہرات اور اپنی خیمہ بستی کو جگمگا دینا چاہتا تھا۔ اس نے حکم دیا کہ رات سے پہلے ہرات اور خیمہ بستی کو روشن اور منور کر دیا جائے

چند ساعتوں میں ہرات اور اس کے قرب و جوار سے تیل حاصل کر کے چھوٹے چھوٹے دیوں میں بھر کے روئی کی بتیاں ڈال دی گئیں۔ یہ روئی بنڈیوں اور لحافوں وغیرہ سے نکال لی گئی تھی۔

الپ ارسلان کا خیمہ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ موستی بیغو نے دن کی طرح روشن خیمے میں اپنے لیے کوفت اور اذیت کے سوا کچھ بھی نہ پایا۔

موستی بیغو کے پاس ہی موستی بیغو کے اُمرا کو جگہ دی گئی

کیوں کہ انھیں بھی بھاگنے نہیں دیا گیا تھا۔

ان کے عین مقابل الپ ارسلان کی نشست تھی۔ تینتیس سالہ جوان الپ ارسلان اپنے چچا موسیٰ بیغو اور اس کے اُمرا کو دیکھ دیکھ کر ہنس رہا تھا۔

موسیٰ بیغو کے ایک امیر نے موسیٰ بیغو کے آہستہ سے کہنی ماری: "وہ ہنس رہا ہے، ہنس ہنس کر مذاق اڑا رہا ہے ہمارا۔ کیا اس زندگی سے موت بہتر نہیں ہے!"

موسیٰ بیغو نے بھی الپ ارسلان کی ایک جھلک دیکھ لی۔ مسکراتی ہوئی جھلک۔ کیوں کہ وہ علی الاعلان فاتح بھتیجے کی طرف نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ موسیٰ بیغو نے اپنے مخاطب امیر کو جواب دیا: "میں نے تو موت ہی کو زندگی پر ترجیح دی تھی لیکن الپ ارسلان کے چند شہسواروں نے مجھے مرنے بھی نہیں دیا۔"

دونوں نظریں جھکا کر خاموش ہو گئے۔ انھیں اپنی اپنی قسمتوں پر صابر و شاکر ہونا پڑا۔

الپ ارسلان نے اپنے اُمرا اور عمائدین کی موجودگی میں موسیٰ بیغو کو اپنے پاس بلایا لیکن موسیٰ بیغو اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔ گردن اکڑائے، نظریں جھکائے اور پیشانی پر بل ڈالے بیٹھا رہا۔

الپ ارسلان نے جب یہ دیکھا کہ وہ اپنی جگہ سے ہل ہی نہیں رہا تو اس نے حاضرینِ محفل کو اپنی اور موسیٰ بیغو کی حیثیتوں کے بارے میں بتایا: "بے شک موسیٰ بیغو میرا چچا ہے لیکن یہاں اس محفل میں میں اس کا سلطان ہوں اور موسیٰ بیغو میرا عتاب زدہ امیر، ایک عامل، ایک امیر۔ اس سے زیادہ موسیٰ بیغو کی کوئی حیثیت نہیں۔ اور اگر موسیٰ بیغو کا یہ خیال ہے کہ وہ اس کے سوا بھی کچھ ہے تو یہ اس کا دماغی فتور ہوگا۔ ذہنی سرکشی ہوگی۔ اور جاہلانہ اور عاجلانہ تمرد ہوگا۔"

موسیٰ بیغو نے جواب دیا: "بھتیجے تو کیا چاہتا ہے؟ صرف ہماری ذلت و رسوائی؟ وہ ہو گئی۔ اس لیے اب ہمیں قتل کرا دے تاکہ ہم اس اذیت اور کرب سے نجات حاصل کر لیں جس کی آگ ہمیں بری طرح جلا رہی ہے۔"

الپ ارسلان نے موسیٰ بیغو کو دوبارہ اپنے پاس بلایا: "میں بحیثیت سلطان بلا رہا ہوں۔"

موسیٰ بیغو نے جواب دیا: "لیکن سلطان تو شہزادہ سلیمان ہے اور وہ مرو میں ہے۔ تجھ کو کس نے سلطان بنا دیا؟"

الپ ارسلان نے نرم روش اختیار کی: "لیکن مرحوم سلطان نے ہمیشہ مجھی کو اپنا جانشین قرار دیا تھا اور یہ سب آپ کی موجودگی میں ہوا ہے۔ آج میں سلطان اس لیے ہوں کہ میں خود کو اس کا اہل ثابت کر رہا ہوں۔ میں عنقریب رے پہنچ کے سلیمان کو معزول کر دوں گا۔"

موسیٰ بیغو کا غصہ بھڑکا ہوا تھا: "پھر مجھے کیوں بلا رہا ہے اپنے پاس؟"

الپ ارسلان اپنی جگہ سے اٹھ کر موسیٰ بیغو کے پاس گیا اور مودبانہ عرض کیا: "آپ میرے چچا ہیں۔ میں اس رشتے کو ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ لیکن اس وقت اس دربار میں میں سلطان ہوں، آپ سب کا حکمران اور اسی حیثیت سے میں آپ کو ہرات کا حاکم بنا رہا ہوں۔ آپ اس وقت بھی ہرات کے حاکم ہیں اور اُمرا کے ساتھ میرے دربار میں حاضر ہیں۔ میں نے آپ کو آپ کے اُمرا کو سابقہ حیثیتوں پر بحال کر دیا۔"

موسیٰ بیغو اور اس کے اُمرا نے ایک جھٹکے سے اپنے اپنے سروں کو اٹھا دیا اور الپ ارسلان کو شک و شبہے کی نظروں سے دیکھنے لگے۔

الپ ارسلان نے مزید وضاحت کی: "میں یہاں آپ سے جنگ کرنے نہیں آیا تھا لیکن جب آپ کو جنگ کے لیے تیار پایا تو میں بھی لڑنے پر مجبور ہو گیا۔ آپ ہمارے دست و بازو ہیں۔ پھر میں اپنے ہی دست و بازو کو اپنے جسم سے کیوں جدا کر دوں گا؟"

موسیٰ بیغو نے کمزور آواز میں پوچھا: "کیا تو یہ سب سچ کہہ رہا ہے؟"

الپ ارسلان نے جواب دیا: "میں آپ سے اتنا بڑا جھوٹ کیوں بولوں گا؟"

موسیٰ بیغو رونے لگا: "مرحوم سلطان طغرل میں بھی یہی خوبیاں تھیں۔ تو نے سلطان مرحوم کی یاد تازہ کر دی۔"

الپ ارسلان موسیٰ بیغو کا ہاتھ پکڑ کے اپنی جگہ پر لے گیا اور اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔

موسیٰ بیغو بہت شرمندہ تھا۔ کہنے لگا: "اے کاش، میں نے تجھ سے جنگ نہ کی ہوتی!"

الپ ارسلان نے جواب دیا: "جو ہونا تھا ہو گیا۔ اب اس کا ذکر تک نہ کریں اور مستقبل کے منصوبے بنائیں۔"

موسیٰ بیغو نے الپ ارسلان سے اجازت چاہی: "تو سلطان بننے کا اہل ہے۔ میرے اُمرا کو اجازت دے کہ وہ تیری دست بوسی کریں۔"

الپ ارسلان نے جواب دیا: "اس کی کوئی ضرورت

تو نہیں۔"

موسیٰ بیغو نے کہا "بھتیجے! شکر گزاری اور احسان مندی کو آخر ہم کس طرح ظاہر کریں؟"

الپ ارسلان نے اجازت دے دی "آپ جو مناسب سمجھیں کریں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

موسیٰ بیغو اپنے اُمرا میں واپس گیا اور ان سے آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگا۔ پھر یہ سب الپ ارسلان کے روبرو پہنچے۔ موسیٰ بیغو نے اپنے اُمرا کو حکم دیا "یہ میرا بھتیجا الپ ارسلان ہے۔ اس نے ہمیں معاف کر کے اور ہماری پرانی حیثیتوں کو بحال کر کے ہم پر ایک ایسا احسان کر دیا ہے کہ اس احسان کے بوجھ سے ہم زندگی بھر سر اونچا نہیں کر سکتے۔ آگے بڑھو اور اپنے شکر اور احسان مندی کو دست بوسی کی صورت میں ظاہر کرو۔"

الپ ارسلان نے اپنا داہنا ہاتھ آگے بڑھا دیا اور اس ہاتھ کو پہلا بوسہ موسیٰ بیغو نے دیا۔ اس کی دیکھا دیکھی دوسرے اُمرا بھی بوسہ دینے لگے۔

موسیٰ بیغو ایک طرف بیٹھ گیا۔

الپ ارسلان اس وقت جس لذت اور سرخوشی سے سرشار تھا اس کا کسی طور اظہار ناممکن تھا۔ وہ اپنے دل میں سوچ رہا تھا کہ آج دنیا بھر میں مجھ سے زیادہ خوش قسمت کوئی اور نہیں۔ سو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان الپ ارسلان!

ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ موسیٰ بیغو کے ایک امیر داؤد نے الپ ارسلان کے ہاتھ کو جھٹک کر ایک طرف کر دیا اور اس کی گدی میں اپنا ہاتھ ڈال کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ الپ ارسلان لڑکھڑا کر امیر داؤد کے قدموں میں آ گرا۔

امیر داؤد نے ہنستے ہوئے موسیٰ بیغو کی طرف دیکھا "تو یہ ہے تیرا سلطان الپ ارسلان۔ غریب ایک جھٹکے میں میرے قدموں میں آ گیا۔"

الپ ارسلان کے خدمت گاروں نے امیر داؤد پر حملہ کر دیا اور مکوں اور لاتوں کی ضربات لگا کے بُرا حال کر دیا۔

موسیٰ بیغو بہت پریشان اور شرمندہ تھا "امیر داؤد! یہ تو نے کیا کر دیا؟ تو نے تو ہم سب کو الپ ارسلان کی نظروں سے گرا دیا۔"

امیر داؤد اب بھی الپ ارسلان کا مذاق اڑا رہا تھا۔ "موسیٰ بیغو! تو اس کی باتوں پر یقین کر سکتا ہے لیکن میں نہیں کروں گا۔ اس کی میٹھی میٹھی باتوں پر مت جا۔"

الپ ارسلان نے امیر داؤد کو کچھ دیر کے لیے اپنے پاس ہی رکھا اور اس سے پوچھا "کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تو مجھ سے کیوں بدگمان ہے؟"

موسیٰ بیغو نے معاملہ رفع دفع کرنا چاہا "امیر داؤد بہت شکی ہے۔ یہ سارا اس کے شکوک و شبہات کا کرشمہ ہے۔"

الپ ارسلان نے امیر داؤد سے کہا "تو نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا؟"

امیر داؤد نے جواب دیا "اس قسم کے کرشمے دیکھتے میری عمر بیت گئی ہے۔ تم لوگ قصاب کی طرح پہلے تو چمکارتے ہو اس کے بعد ذبح کر دیتے ہو۔"

الپ ارسلان نے موسیٰ بیغو سے کہا "عم محترم! یہ آپ کا مجرم ہے۔ میں اسے آپ کے حوالے کرتا ہوں۔ آپ جو سلوک مناسب سمجھیں اس کے ساتھ روا رکھیں۔"

اس کے بعد الپ ارسلان نے موسیٰ بیغو کو وہ ساری نشانیاں دے دیں، جو اس دور کے حاکم کے لیے ضروری ہوا کرتی تھیں۔ اس کے بعد الپ ارسلان نے اعلان کر دیا۔ "میں کل صبح یہاں سے چلا جاؤں گا کیونکہ میں یہاں جس مقصد سے آیا تھا وہ پورا ہو چکا۔ اب میں دوسری طرف مشغول ہو جاؤں گا۔"

وہ رات جشن فتح مندی کی نہیں موسیٰ بیغو کو دوبارہ حکومت عطا کرنے کی رات تھی۔

موسیٰ بیغو اپنے بھتیجے کا بے حد شکر گزار تھا اور اس نے زندگی بھر کی وفاداری کا عہد کیا تھا۔

فوج کا خیال تھا کہ الپ ارسلان مرو چلا جائے گا لیکن اس نے ہرات سے نکل کر مغرب کا رخ کیا۔ نیشاپور اور رے کے درمیانی حصے کی طرف چلے تو اس کے ساتھی یہ سمجھے کہ وہ رے جا رہا ہے لیکن جب اس نے رے کو جنوب میں چھوڑا اور خود شمال کو مڑ گیا تو پھر سبھی سوالیہ نشان بن گئے۔

خواجہ حسن اپنے چند رفقا کے ساتھ رے پہنچ گیا۔ حالانکہ وہ جانتا تھا کہ رے میں شہزادہ سلیمان کی حکومت ہے اور اسے مرحوم سلطان کی وصیت پر سلطان بنا دیا گیا ہے۔

خواجہ حسن کا ساتھی فراز بلخی اس سفر سے خوف زدہ تھا۔ خواجہ حسن کی طرح فراز بلخی بھی ابوالنصر کی ذہانت اور شرارت سے اچھی طرح واقف تھا لیکن خواجہ حسن اب زیادہ خوف زدہ

نہیں تھا۔

جمعے کے دن وہ رے میں داخل ہوا اور سید جامع مسجد میں نماز ادا کرنے چلا گیا۔ مسجد کے باہر گھوڑے گھاس چرنے کے لیے چھوڑ دیے گئے اور ایک پارسی خدمت گو... گو ان کی دیکھ بھال کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ خواجہ حسن نہیں چاہتا تھا کہ اسے پہچان لیا جائے، اس نے اپنے چہرے کو رومال سے چھپا لیا، اس کے ساتھیوں نے بھی یہی کیا۔ مسجد کے دوسرے لوگ انہیں تاجر سمجھ رہے تھے۔

یہ لوگ وضو کر کے نمازیوں میں شامل ہو گئے۔ امام خطبہ شروع کر چکا تھا۔ خواجہ حسن جانتا تھا کہ یہاں خطبے میں سلیمان کا نام لیا جائے گا، لیکن اس وقت اس کی حیرت میں کئی گنا اضافہ ہو گیا جب خطبے میں سلیمان سے پہلے الپ ارسلان کا نام لیا گیا۔

خواجہ حسن نے اپنے برابر والے نمازی سے پوچھا۔ "جناب! یہ کیا معاملہ ہے۔ یہ الپ ارسلان کا نام کس نے شامل کر دیا خطبے میں؟"

یہ نمازی بھی اس بات سے لاعلم تھا۔ جواب دیا۔ "یہ آج ہی شامل ہوا ہے۔ پچھلے جمعے کے خطبے میں صرف سلیمان کا نام لیا گیا تھا۔"

خواجہ حسن نے اصرار کیا۔ "مگر کیوں؟ میرے اس سوال کا جواب کون دے سکتا ہے؟"

نمازی نے جواب دیا۔ "شاید صرف امام۔ مسجد کا امام ہی آپ کے سوال کا جواب دے سکتا ہے۔"

اس نے جمعے کی نماز ادا کرنے کے بعد امام کو اس کے حجرے میں گھیر لیا۔ امام اپنے حجرے میں کئی اجنبی چہرے دیکھ کر ذرا پریشان ہو گیا۔ پوچھا۔ "آپ سب کون ہیں؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا۔ "تاجر، پردیسی، مسافر۔"

امام نے پوچھا۔ "میرے پاس کیا لینے آئے ہیں؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا۔ "مجھے اصفہان میں یہ بتایا گیا تھا کہ سلطان مرحوم نے شہزادہ سلیمان کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ یہاں شہزادہ سلیمان ہی سلطان ہے اور اسی کا نام خطبے میں شامل کیا گیا ہے۔ پھر یہ آج سلیمان سے پہلے الپ ارسلان کا نام خطبے میں کیوں داخل کیا گیا؟"

امام نے جواب دیا۔ "جناب والا! میں تو وزیر ابو نصر کے حکم کا پابند ہوں۔ آج وزیر کی طرف سے مجھ کو یہ حکم موصول ہوا کہ جمعے کے خطبے میں سلیمان سے پہلے الپ ارسلان کا نام لیا جائے۔ میں نے حکم کی تعمیل کر دی۔ اب رہا یہ سوال کہ نیا حکم کیوں جاری ہوا، میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔"

خواجہ حسن مسجد سے نکل ابو نصر کے پاس چلا گیا۔ اس وقت ابو نصر اپنے محل میں نہیں تھا۔ سلطان کی ماں کے پاس بیٹھا اسی موضوع پر باتیں کر رہا تھا۔

سلطان کی ماں کو بتایا جا چکا تھا کہ آج جمعے کے خطبے میں اس کے بیٹے سلیمان سے پہلے الپ ارسلان کا نام لیا گیا۔ وہ وزیر سے پوچھ رہی تھی۔ "ایسا کیوں اور کس کے حکم سے ہوا ہے؟"

ابو نصر نے جواب دیا۔ "میرے حکم سے۔ ایسا میں نے کیا ہے۔"

ماں پاگل سی ہو گئی۔ "تو نے ایسا کیوں کیا؟"

ابو نصر نے اسے مطمئن کرنا چاہا۔ "مادر محترم! اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہ تھا۔"

ماں بدستور بڑبڑا رہی تھی۔ "یہ الپ ارسلان کہاں سے آگیا؟"

ابو نصر نے جواب دیا۔ "الپ ارسلان ابھی آیا نہیں، اب آ رہا ہے۔ آپ نہیں جانتیں کہ اس حکومت کے کتنے دعوے دار پیدا ہو چکے ہیں۔ موسیٰ بیغو، قتلمش، الپ ارسلان، سغانیان اور ختلان کے والی یہ سب ایک ساتھ رے پر حملہ آور ہونے والے ہیں۔ کیا ہم اتنے مضبوط اور طاقت ور ہیں کہ ان سب کا مقابلہ کریں اور ان کے منہ پھیر دیں؟"

ماں ابو نصر کی باتیں بڑی دلچسپی سے سن رہی تھیں۔

ابو نصر انہیں سمجھا رہا تھا۔ "میں نے الپ ارسلان کا نام خطبے میں پہلے ڈلوا کے ان کے حریفوں کو یہ تاثر دیا ہے کہ رے دو سلطانوں کی تحویل میں ہے۔ انہیں یہاں ان دونوں سے جنگ کرنا ہو گی۔"

ماں نے پوچھا۔ "اور الپ ارسلان! وہ کیا سوچے گا؟"

ابو نصر نے جواب دیا۔ "اب رہ گیا الپ ارسلان تو میں اسے یہ یقین دلاؤں گا کہ رے دونوں سلطانوں کا ہے اس لیے اس کی حفاظت بھی دونوں سلطانوں کی ذمے داری ہے۔"

ماں نے بیزاری سے کہا۔ "میری سمجھ میں تیری باتیں بالکل نہیں آ رہی ہیں۔ تو معلوم نہیں مجھے کیا بتانا چاہتا ہے، کیا سمجھانا چاہتا ہے۔"

ابو نصر نے جواب دیا۔ "اب اس خطبے کے بعد الپ ارسلان آپ کی طرف سے آپ کے دشمنوں سے جنگ کرے

گا اور جب وہ فتح حاصل کرے گا تو آپ اسے اعتماد میں لے کر کوئی خطرناک قدم اٹھا ڈالے گا۔"

ماں بہت دل برداشتہ تھی۔ "تیری باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں۔"

ابونصر اس عورت کو قائل نہیں کر سکا لیکن جب محل میں اس کو یہ خبر دی گئی کہ خواجہ حسن اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ اہم معاملات طے کرنے آیا ہے تو ابونصر کی جان میں جان آئی۔ ابونصر نے ماں کو بڑے وثوق سے بتایا۔ "افسوس کہ آپ کو نہیں معلوم کہ سلطان کا چچا قتلمش اپنے لشکرِ جرار کے ساتھ رے کی طرف بڑھا چلا آ رہا ہے۔ وہ خود کو سلطان مرحوم کا جانشین کہتا ہے۔ کیا آپ یا آپ کا بیٹا اس کا مقابلہ کر لیں گے؟"

ماں نے جواب دیا۔ "یہ کام تیرا ہے تو ہی قتلمش کا مقابلہ کر۔"

ابونصر نے جواب دیا۔ "یہ میرے بس کا نہیں، میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔"

ماں نے کہا۔ "اگر یہ کام تیرے بس کا نہیں ہے تو تُو وزارتِ عظمیٰ کے منصب کو چھوڑ دے۔"

ابونصر اس کے لیے فوراً تیار ہو گیا۔ "بسم اللہ، میں اس کے لیے ہر وقت تیار ہوں کیوں کہ اب وزارتِ عظمیٰ خاردار تاج کے سوا کچھ بھی نہیں۔"

ماں کو یہ یقین نہیں تھا کہ ابونصر اتنی آسانی سے وزارت چھوڑنے پر آمادہ ہو جائے گا۔ اس وقت وزیر کا کوئی متبادل بھی نہ تھا۔

ابونصر وہاں سے جانے لگا۔ "میں نئے وزیر کا انتظار کروں گا۔ آپ جب چاہیں، مجھے وزارت سے سبک دوش کر دیں۔"

ماں کے ماتھے کے بل نکل گئے۔ نہایت نرم لہجے میں جواب دیا۔ "لیکن فی الحال تو ہی اس منصب پر فائز رہے گا اور تیری یہ حکمتِ عملی مناسب معلوم ہوتی ہے۔"

ابونصر نے جواب دیا۔ "مادرِ محترم! اچھی بات تو یہ ہے کہ اب خلافت خیر سے وراثت نہیں رہی۔ تم نے بامرِ مجبوری اسے قبول کر رکھا ہے۔"

ماں نے کہا۔ "اگر الپ ارسلان کا نام خطبے میں شامل ہونے کے بعد ہمارے کسی کام آ سکتا ہے تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں، لیکن یہ کام نہایت ہوشیاری اور مہارت سے انجام پانا چاہیے۔"

ابونصر محل سے چلا آیا۔ محل کے باہر مصاحب ہنسی مذاق میں مشغول تھے۔ وزیر کو آتا دیکھ کر سنبھل گئے۔ ابونصر کے نزدیک یہ بڑی عبرت کی جا تھی۔ شہزادہ سلیمان کی حکومت کا رعب و دبدبہ کب کا ختم ہو چکا تھا۔ کوئی بھی اسے سلطان ماننے کو تیار ہی نہ تھا۔

خواجہ حسن اور اس کے ساتھی رے کے بازاروں اور گلیوں میں لوگوں سے مل رہے تھے اور ان سے نئے سلطان کے بارے میں معلومات اکٹھا کر رہے تھے۔

ابونصر اور خواجہ حسن نے جیسے ہی ایک دوسرے کو دیکھا فرطِ جوش سے بغل گیر ہو گئے۔

خواجہ حسن نے شکایت کی۔ "اے ابونصر! آپ نے ہم پر بڑا ظلم کیا ہے۔"

ابونصر نے پوچھا۔ "خواجہ بزرگ وہ کیا؟ کون سا ظلم؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا۔ "آپ نے شہزادہ سلیمان کو سلطان مرحوم کی جگہ دے دی اور ہمیں اطلاع تک نہ دی۔"

ابونصر نے معذرت کی۔ "خواجہ بزرگ! آپ یقین کریں کہ میں نے یہ کام خوش دلی سے نہیں انجام دیا۔ مجھے مجبور کر دیا گیا تھا۔"

خواجہ حسن نے کہا۔ "آپ نے جو کچھ کیا، بہت برا کیا۔"

ابونصر نے جواب دیا۔ "میں اس پر شرمندہ ہوں اور مجھے جب بھی موقع ملے گا میں اس کی تلافی کروں گا۔"

خواجہ حسن نے کہا۔ "جب تیر تانت پر چڑھ جائے اور کمان اُسے چھوڑ دے، تب پھر وہ واپس نہیں آتا۔"

ابونصر کانپ گیا، پوچھا۔ "آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟"

خواجہ حسن نے بڑی بے نیازی سے جواب دیا۔ "صرف یہ بتانے کہ تم نے سلیمان کو سلطان بنا کے اچھا نہیں کیا۔"

ابونصر نے جمعے کے خطبے میں الپ ارسلان کے نام کی شمولیت کا ذکر کیا۔ "میں اس موقع کا منتظر تھا۔ چنانچہ جیسے ہی حاصل ہوا میں نے الپ ارسلان کا نام خطبے میں شامل کر دیا۔"

خواجہ حسن نے کہا۔ "مجھ کو یہاں اس لیے بھیجا گیا ہے کہ میں تجھ سے تیری زیادتی کا جواب طلب کروں۔"

ابونصر کو بھی غصہ آ گیا۔

خواجہ حسن نے اس کی تیوریوں پر بل دیکھے تو اس کا مذاق اڑایا۔ "ابونصر! ابھی تو تو شاید چالیس سال کا بھی نہیں

ہوا بھیڑ تو سٹھیا کیوں رہا ہے؟"

ابونصر کو اس طرح کبھی کسی نے مخاطب نہیں کیا تھا۔ آج خواجہ حسن کے تیور ہی کچھ اور تھے لیکن ابونصر کیا کرتا وہ جس زمین پر کھڑے ہو کر لوگوں سے باتیں کیا کرتا تھا وہ پاؤں کے نیچے سے کب کی کھسک چکی تھی۔ خواجہ حسن کی باتیں اور اس کا لہجہ بتا رہا تھا کہ یہ خواجہ حسن کا زمانہ ہے۔"

ابونصر خوشامد کرنے لگا: "سلطان ملک شاہ مرحوم نے اپنی وصیت میں اس نالائق کو سلطانی کے لیے نامزد کر دیا تھا۔ اس لیے میں مجبور ہو گیا تھا لیکن میں نے کوشش کر کے رے میں وہ فضا تیار کی کہ آج پہلے خطبے میں الپ ارسلان کا نام لیا گیا اور شہزادہ سلیمان کا بعد میں۔"

خواجہ حسن نے اپنے آقا اور ولی نعمت الپ ارسلان کی طرف سے ابونصر کو بتایا: "شہزادہ الپ ارسلان حکومت میں کسی کے اشتراک کا بالکل قائل نہیں۔ ان کا قول ہے کہ عورت اور حکومت میں حصے داری نہیں ہو سکتی۔"

ابونصر نے اسے سمجھانے کی کوشش کی: "خواجہ بزرگ! یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ آپ میری طرف سے الپ ارسلان کو یاد دلا دیں کہ میں خود بھی انھی کی حکومت کا خواہاں ہوں۔"

خواجہ حسن نے کہا: "ابونصر! میں تمھیں خبردار کرتا ہوں کہ یہ آگ کا کھیل بند کر دیا جائے۔"

ابونصر روہانسا ہو گیا: "خواجہ اب آنکھ گرا دی نظر سے۔"

خواجہ حسن نے کہا: "میں تو واپس چلا جاؤں گا لیکن جانے سے پہلے یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ رے میں الپ ارسلان کی حکومت چل سکتی ہے کسی اور کی ہرگز نہیں۔"

ابونصر نے تائید کی: "میں بھی یہی سمجھتا ہوں لیکن یہ کام حکمت عملی سے ہونا چاہیے۔" خواجہ حسن ابونصر کی بے بسی پر ہنس رہا تھا۔ ابونصر بھی اپنی ہتک برے کرب سے برداشت کر رہا تھا۔ وہ شہزادہ سلیمان کو معزول کرنے کے حق میں تھا لیکن وہ اس بات کا سہرا خود باندھنا چاہتا تھا۔ خواجہ حسن کی اپنی حکمت عملی تھی اور اپنی حکمت عملی میں وہ ابونصر کو نہیں شامل کرنا چاہتا تھا۔

خواجہ حسن ابونصر کو گومگو کیفیت میں چھوڑ کر عمائدین شہر سے ملاقات کرنے چلا گیا۔ اس نے کسی کو بھی یہ نہیں بتایا کہ وہ رے کیوں آیا ہے لیکن شہر کے ہر معزز آدمی نے اس سے یہی درخواست کی کہ وہ الپ ارسلان کو رے بلا لے۔

خواجہ حسن رے کے بازار میں بھی گیا۔ اس کو جس نے بھی یہی تاکید کی درخواست کی کہ الپ ارسلان کو رے بلا لیا جائے۔

یہ خبریں شاہی محل میں بھی پہنچ گئیں۔ سلطان کی ماں کو تشویش تھی کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ سلطان کو بھی فکر لاحق ہو گئی۔ اس نے ماں سے کہا: "آپ کا کیا خیال ہے خواجہ حسن کو قید کیوں نہ کر دیا جائے؟"

ماں نے جواب دیا: "خواجہ حسن کو محل میں بلواؤ میں اس سے بات کروں گی۔"

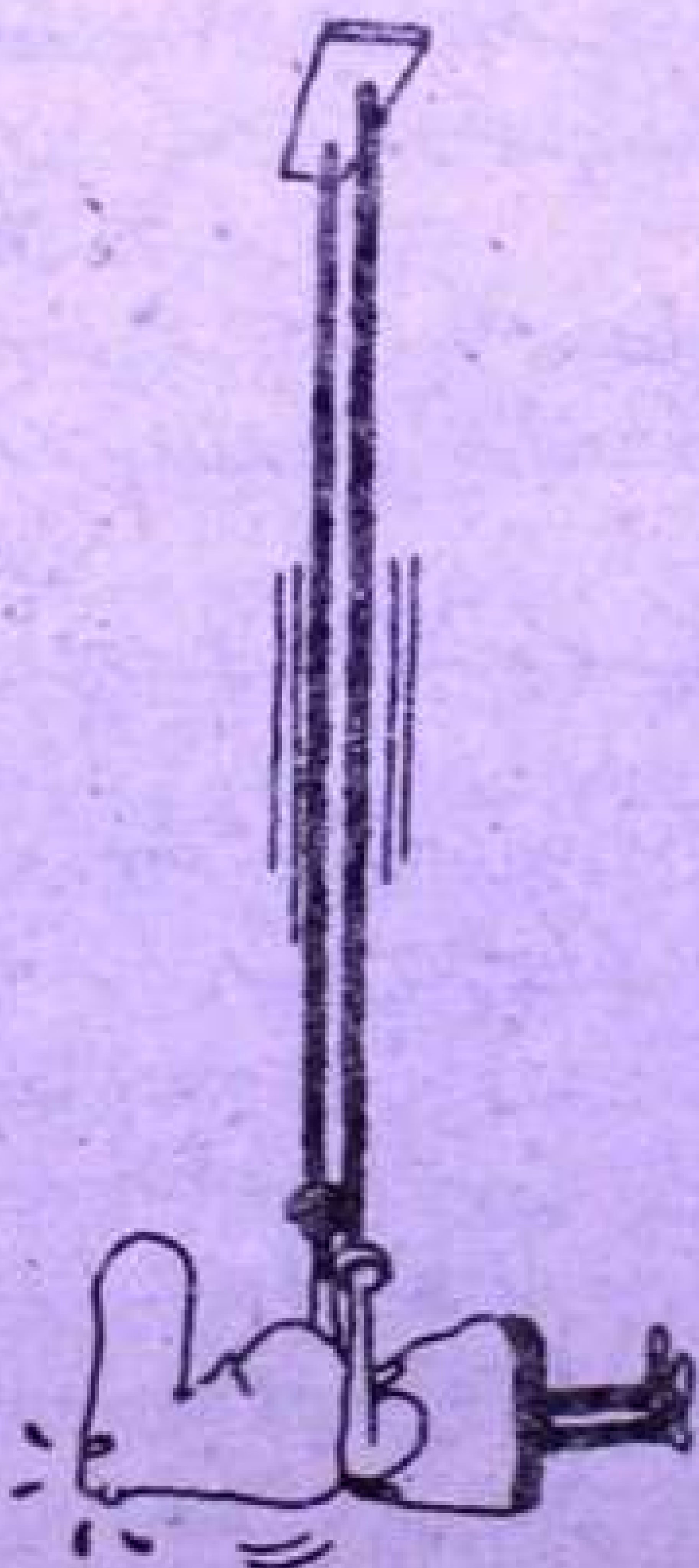
سلطان نے کہا: "یہ کام تو ابونصر کا ہے۔ وہ کہاں چلا گیا ہے؟"

ماں نے کہا: "یہ کام ہمارا بھی ہے اور ابونصر کا بھی ویسے میں محسوس کر رہی ہوں کہ ابونصر میں پہلے جیسا ولولہ نہیں رہا ہے۔"

سلطان نے جواب دیا: "اگر یہ بات ہے تو اسے رخصت کر دیا جائے اور کسی اور کو وزیر بنا دیا جائے۔"

ماں نے اسے سمجھایا: "وزارت عظمیٰ کا منصب ایسا نہیں ہوتا کہ تم کسی کے بھی حوالے کر دو۔ اس کے لیے انتہائی ... نہایت تجربہ کار سرد و گرم چشیدہ انسان درکار ہوتا ہے۔"

سلطان نے مشورہ دیا: "تب بہتر یہی ہے آپ خواجہ حسن کو بلائیں۔ میں اس سے بات کروں گا۔ اگر وہ مان گیا تو وزارت کا منصب اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔"



ماں نے اس تجویز سے اتفاق کیا۔ وہ خواجہ حسن کو ابونصر پر ترجیح دے رہی تھی۔

سلطان کے ایک ہرکارے نے بازار میں خواجہ حسن کو روک لیا اور اسے یہ خوش خبری سنائی "سلطان اور مادرِ سلطان آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا۔ "ان دونوں کا یہ بلاوا اگر ابونصر کے ذریعے ملتا تو میں ضرور حاضری دیتا کیوں کہ میں ابونصر کا مہمان ہوں۔"

کئی دن بعد ان دونوں کی یہ دعوت ابونصر کے ذریعے خواجہ حسن کو پہنچ گئی۔ ابونصر کو اب اپنے سائے تک سے ڈر لگ رہا تھا۔

دعوت ملنے پر خواجہ حسن نے کہا۔ "لیکن میں ان دونوں سے تنہا نہیں ملوں گا۔ وہاں تیری موجودگی بھی بے حد ضروری ہے۔"

ابونصر خواجہ حسن کی فراخ دلی سے خوش ہوا اور وہ خود خواجہ حسن کو ان دونوں کے پاس لے گیا۔ ماں بیٹے خواجہ حسن سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ ماں نے سلطان کو سرگوشی میں سمجھا دیا کہ وہ ابونصر کو دوسرے کمرے میں لے جائے۔ اس دوران وہ خواجہ حسن سے سارے معاملات طے کر لے گی۔

جب یہ چاروں آمنے سامنے بیٹھے تو ابونصر نے خواجہ حسن کی تعریفیں شروع کر دیں۔ "الپ ارسلان خوش قسمت ہے کہ اسے خواجہ حسن جیسا لائق و فائق وزیر مل گیا۔"

سلطان نے ابونصر پر طنز کیا۔ "اور کیا تو کسی سے کم ہے؟ آج میں حیران ہوں، عم محترم سلطان طغرل نے تجھ سے کیا اور کس طرح کام لیا ہوگا۔"

ابونصر کے دل پر چوٹ لگی۔ اور وہ سر جھکا کے بیٹھ گیا۔

اچانک سلطان اپنی جگہ سے اُٹھا اور ابونصر کا ہاتھ پکڑ کے کہنے لگا۔ "آ، اُدھر اُس کمرے میں چلیں، مجھے تجھ سے چند ضروری باتیں کرنا ہیں۔"

ابونصر سلطان کے ساتھ دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

ان دونوں کے جاتے ہی ماں نے مسکراتے ہوئے خواجہ حسن کی پذیرائی کی۔ "اب میں تجھ سے آزادانہ باتیں کر سکوں گی۔"

خواجہ حسن نے عرض کیا۔ "ان کی موجودگی سے کیا فرق پڑتا تھا۔ ان کے سامنے بھی بات ہو سکتی تھی۔"

ماں نے جواب دیا۔ "لیکن وہ بات جو میں کرنا چاہتی ہوں ان دونوں کے سامنے نہیں ہو سکتی تھی۔"

خواجہ حسن نے حیرت سے پوچھا۔ "وہ کس قسم کی بات ہے؟ آپ تخلیے میں کرنا چاہتی ہیں؟"

ماں نے رازداری سے کہا۔ "میں وزارتِ عظمٰی کا منصب تیرے حوالے کرنا چاہتی ہوں۔"

خواجہ حسن ہکا بکا رہ گیا۔ "اور یہ ابونصر؟ اس کا کیا بنے گا؟"

ماں نے جواب دیا۔ "اس کو کوئی دوسرا منصب دے دیا جائے گا۔"

خواجہ حسن نے معذرت کر لی۔ "لیکن میں تو الپ ارسلان کا ملازم ہوں۔ وہ مجھے نہیں چھوڑے گا۔"

ماں نے کہا۔ "وہ محض عامل ہے ایک مخصوص خطے کا فرماں روا اور میں تجھ کو سلطنتِ سلجوقیہ کی وزارتِ عظمٰی دینا چاہتی ہوں۔"

خواجہ حسن نے اپنی مجبوری بیان کی۔ "میں الپ ارسلان کو دھوکا نہیں دے سکتا۔"

ماں نے اپنی پیشانی کھجلاتے ہوئے کہا۔ "دیکھ خواجہ حسن! یہ بہترین موقع ہے تیری زندگی کا۔ تو سلطان سلیمان کا وزیر بن جائے گا۔"

خواجہ حسن نے ایک تجویز پیش کی۔ "اگر آپ اجازت دیں تو میں کچھ عرض کروں۔ ایک تجویز پیش کروں؟"

ماں نے اجازت دے دی۔ "میری طرف سے اجازت ہے۔"

خواجہ حسن نے عرض کیا۔ "سلطان کا چچا قتلمش رے پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے کیونکہ وہ خود کو سلطان سمجھتا ہے۔ آپ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔"

ماں نے کہا۔ "میں انہی مشکلات کے دفعیے کے لیے تیری خدمات کی خواہاں ہوں۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا۔ "آپ سردست ابونصر ہی کو وزیر رہنے دیں۔ میں الپ ارسلان کے پاس واپس جاؤں گا اور حکمتِ عملی سے اس کو چچا قتلمش سے لڑوا دوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ الپ ارسلان اپنے چچا کو شکست دے دے گا۔ اس وقت میں آپ کے پاس آ جاؤں گا اور وزارتِ عظمٰی کا منصب قبول کر لوں گا۔"

ماں نے خواجہ حسن کی باتوں پر یقین کر لیا اور اسے وصیت کی۔ "اس منصوبے کا ابونصر کو علم نہیں ہونا چاہیے۔"

خواجہ حسن نے وعدہ کر لیا۔ "سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

ابونصر کو کچھ پتا نہ تھا کہ محل میں کس قسم کی سازش پرورش پا رہی ہے۔

خواجہ ابونصر کے محل میں اس طرح رہا کہ اس کے ساتھ یا اس کے محل کا کھانا ایک وقت بھی نہیں کھایا۔ فرازِ بلخی نے یہ نکتہ خاص طور پر محسوس کیا۔

ابونصر بھی اسے محسوس کرتا رہا لیکن شکوہ نہ کر سکا۔

خواجہ حسن جس مقصد سے آیا تھا اس میں امید سے زیادہ کامیاب ہوا تھا۔ ابونصر اور خواجہ حسن میں کھنچاؤ بھی پیدا ہو گیا۔ ابونصر خواجہ حسن کے جارحانہ انداز کو سمجھ رہا تھا لیکن اس کا کسی سے ذکر بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کو مادرِ سلطان کی یہ بات بھی بری لگی تھی کہ اس نے خواجہ حسن سے کچھ باتیں خلیے میں کی تھیں۔ وہ کیا باتیں تھیں؟ یہ سوال نہ تو ماں سے کر سکتا تھا اور نہ خواجہ حسن سے اور اپنے طور پر کوئی بتا نہیں رہا تھا۔

واپس جانے سے ایک دن پہلے خواجہ حسن نے ابونصر سے تحقیر آمیز رویّہ رکھا۔ شہر کے ایک رئیس نے خواجہ حسن کی دعوت کی تھی اور اس میں ابونصر کو بھی مدعو کرنا چاہا تھا۔ خواجہ حسن نے اس رئیس سے صاف صاف کہہ دیا کہ اس دعوت میں ہم دونوں میں سے کسی ایک کو بلا لے۔ دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔

رئیس نے جواب دیا: "میری نظر میں آپ دونوں برابر ہیں اس لیے دونوں ہی کو میری دعوت میں آنا چاہیے۔"

خواجہ حسن کو یہ بات ناگوار گزری: "ہم دونوں برابر کس طرح ہو گئے؟ میں ابونصر کے برابر نہیں ہوں گا۔"

ابونصر کو اس دعوت کا حال کسی چغل خور نے بتا دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ اسے اس دعوت میں کیوں نہیں بلایا گیا تھا۔

ابونصر اس رات انگاروں پر لوٹتا رہا۔ وہ خواجہ حسن کا انتظار کرتا رہا۔ اس نے اپنے کمرے میں چند شمعیں جلا رکھی تھیں۔ ان کی تھرتھراتی کانپتی لَو میں وہ اپنے ماضی، حال اور مستقبل کو دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کا ایک غلام کمرے کے باہر چھوٹی سی چوکی پر اونگھ رہا تھا۔ اسی اونگھ میں اس نے ابونصر کی تالی کی آواز سنی اور دوڑ کر اندر آ گیا۔

ابونصر نے پوچھا: "تجھ کو کچھ پتا ہے کہ نہیں خواجہ حسن آیا کہ نہیں؟"

غلام نے جواب دیا: "نہیں، وہ ابھی نہیں آئے۔"

ابونصر نے حکم دیا: "دربانوں سے کہہ دے خواجہ حسن کے آنے کی اطلاع مجھے ضرور کی جائے۔"

غلام چلا گیا اور ابونصر پھر فکروں میں ڈوب گیا۔

اس نے محل کے جملہ افراد اپنے وطن کندر بھیج دیے تھے۔ اب وہ محل میں تنہا تھا۔

نافِ شب میں گھوڑوں کی ... ٹاپوں کی آوازیں دُور دُور تک گونج رہی تھیں۔ خواجہ حسن محل کے دروازے پر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ آ چکا تھا۔

ابونصر نے خواجہ حسن کو اپنے کمرے میں طلب کر لیا۔ خواجہ حسن کسی قدر تامل سے ابونصر کے پاس چلا گیا۔

اس وقت ابونصر ایک دلچسپ کتاب پڑھ رہا تھا۔ اس کتاب کے سحر نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا تھا لیکن اس سحر کو تھوڑی تھوڑی دیر بعد خواجہ حسن اور اس کے تشویشناک رویّے نے بدمزہ کر رکھا تھا۔ خواجہ حسن آیا اور ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ شمع کی روشنی کو خواجہ حسن کے وجود نے روکا تو ابونصر نے سر اوپر اٹھایا۔

خواجہ حسن نے پوچھا: "آپ نے مجھے بلوایا تھا؟"

ابونصر نیم دراز تھا، بیٹھ گیا۔ خواجہ حسن سے بیٹھنے کے لیے بھی نہیں کہا۔ کتاب کھلی ہوئی الٹی رکھ دی گئی۔

خواجہ حسن اپنے آپ ہی بیٹھ گیا: "ہاں تو کوئی خاص ضرورت پیش آ گئی تھی آپ کو؟"

ابونصر نے نہایت محتاط انداز میں بات کی: "خواجہ حسن رے میں کس کی حکومت ہے؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا: "بظاہر سلطان سلیمان کی۔"

ابونصر نے کہا: "میں سیدھی سیدھی بات کر رہا ہوں۔ اس لیے میری بات کا جواب بھی سیدھا ہونا چاہیے۔"

خواجہ حسن نے انگڑائی لی: "میں بہت تھکا ہوا ہوں۔ اس لیے اس وقت آپ بھی آرام کریں اور میں بھی۔ صبح ہم دونوں سکون سے بات کر سکیں گے۔"



ایک فیکٹری میں لڑکیوں کے لیے نوٹس لگایا گیا۔

'اگر آپ کا اسکرٹ لمبا ہے تو مشینوں سے بچ کر چلیے اور اگر آپ کا اسکرٹ چھوٹا ہے تو مشین مین سے بچ کر چلیے!'



ابونصر نے کہا: "رے میں سلطان سلیمان کی حکومت ہے اور میں اس کا وزیر ہوں۔ تم ہمارے مہمان ہو لیکن تم نے ہماری مہمان نوازی کا فائدہ اٹھایا۔ کیا تم ہمیں اپنی حکومت میں یہ آزادی دے سکتے ہو؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا: "آپ نے الپ ارسلان کا نام خطبے میں شامل کر دیا ہے اس طرح یہ الپ ارسلان کا بھی علاقہ ہے اور میں الپ ارسلان کا وزیر ہوں۔ آپ مرو آئیں، نیشاپور آئیں اور اپنی مرضی سے گھومیں پھریں، جس سے چاہیں ملیں، جو بات کرنا چاہیں کریں وہاں آپ کو کوئی بھی منع نہیں کرے گا۔"

ابونصر لاجواب ہو چکا تھا کہنے لگا: "خواجہ حسن! میں نے یہاں جو کچھ کیا، بربنائے اخلاص اور الپ ارسلان کے خلاف کیا ہے لیکن میں اب یہ محسوس کر رہا ہوں کہ میرے کاموں کو وہ توقیر اور وقعت نہیں حاصل ہوئی جس کے میرے کام مستحق تھے۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا: "آپ دیندار آدمی ہیں، وقت اور اقبال آپ سے روٹھ رہے ہیں۔ اگر میرا اندازہ درست ہے اور آپ بھی اس کا اقرار کر رہے ہیں تو اللہ سے توبہ استغفار کریں۔"

ابونصر کے دل و دماغ اشتعال اور ہیجان میں مبتلا ہو گئے۔ وہ کچھ دیر خواجہ حسن کو گھورتا رہا، دیکھتا رہا۔ خواجہ حسن کا درخشاں مستقبل اسے صاف نظر آ رہا تھا۔ آہستہ سے درخواست کی: "اچھا خواجہ حسن! اب آپ آرام کریں۔"

خواجہ حسن کو ابونصر کی بے بسی مزہ دے رہی تھی: "ابونصر! آپ نے آٹھ سال بہت شاندار گزارے ہیں، اب دوسروں کو موقع دیں اور حسد سے بچیں۔ جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے اسی طرح حسد انسان کو کھا جاتا ہے۔"

ابونصر کا سر پھٹا جا رہا تھا۔ رگیں پھول رہی تھیں ذرا اونچی آواز میں کہا: "میں نے کہہ جو دیا کہ اب تم آرام کرو اور مجھے بھی آرام کرنے دو۔"

خواجہ حسن کو نصف شب کو ابونصر نے اپنے کمرے میں طلب کر کے اس کی انا کو جو ٹھیس لگائی تھی خواجہ حسن اس کا حساب اسی وقت چکتا کر دینا چاہتا تھا: "ابونصر! آپ مجھ سے زیادہ تجربہ کار ہیں اور میں آپ کی ذہانت اور فطانت کا معترف ہوں۔ اس وقت میں آپ کو ایک حقیر سا مشورہ دینا چاہتا ہوں اگر سمجھ میں آ جائے تو اس پر عمل کیجیے گا، ورنہ نظرانداز کر دیجیے گا۔"

ابونصر نے اپنے کان دونوں ہاتھوں سے بند کر لیے: "خدا کے لیے آپ یہاں سے چلے جائیں۔"

خواجہ حسن نے اپنی بات پوری کر دی: "یہ وقت اچھا نہیں ہے۔ آپ اپنے لیے جو تدبیر بھی کریں، جو قدم بھی اٹھائیں خوب سوچ سمجھ کے۔ کیوں کہ اب یہ احتمال پیدا ہو چکا ہے کہ آپ کی تدبیریں الٹ جائیں اور آپ کا قدم بہک جائے۔"

ابونصر اور زیادہ زور سے چیخا: "خواجہ حسن! خدا کے لیے میرا پیچھا چھوڑ دے!"

خواجہ حسن وہاں سے چلا گیا اور صبح جب ابونصر بیدار ہوا تو دربانوں نے بتایا کہ خواجہ حسن رے سے چلا گیا۔ وہ چلا گیا لیکن ابونصر کو الجھن میں ڈال گیا۔ اس کا آخری مشورہ ابونصر کو بہت پریشان کر رہا تھا۔

←

سلطان اور اس کی ماں نے خواجہ حسن کے مشورے پر عمل کیا اور ابونصر سے تعلقات خوشگوار کر لیے۔ دونوں نے غیر معمولی خوش اخلاقی اور ادب و احترام کا اظہار کیا۔ ابونصر نے ان کی اس خوش اخلاقی اور احترام کا یہ جواب دیا کہ سلطان کے جن سگے اور دو ولی فطرت ترک جوانوں کو اس نے قید خانے میں ڈلوا دیا تھا انھیں آزاد کر دیا اور انھیں سلطان کے دربار میں پہنچانے کے بعد کہا: "سلطان محترم! میں نے آپ کے ان دوستوں کے بارے میں بہت غور کیا اور آخر کار اس نتیجے پر پہنچا کہ مجھے ان سے ایسا سلوک نہیں کرنا چاہیے۔ ان کو سدھرنے کا موقع ملنا چاہیے یہ ہمارے آپ کے کام آ سکتے ہیں۔"

سلطان کو ابونصر کا یہ فعل اچھا تو لگا لیکن اس وقت وہ سلطان طغرل مرحوم والا ابونصر نہیں لگ رہا تھا۔

نوجوان ترک ابونصر کی چرب زبانی سے ذرا بھی متاثر نہ ہوا۔ وہ ابونصر کی وجہ سے دو بار قید خانے کی سیر کر چکا تھا اور اب وہ ابونصر کو اس کی قیمت ادا کرنا چاہتا تھا۔

سلطان کی ماں جو ہمیشہ سلطان کے قریب ہی پردے کے پیچھے موجود رہتی تھی، ابونصر کے اس فعل سے خوش نہیں ہوئی۔ اس کو شبہ گزرا کہ شاید اب ابونصر اس کے بیٹے کی حکومت سے دشمنی کر رہا ہے۔ پردے کے پیچھے سے ابونصر سے پوچھا: "اے ابونصر! کیا اب کوئی ایسا کام تیری نظر میں نہیں رہا جس سے میرے بیٹے اور اس کی سلطنت کو فراغ اور فروغ حاصل ہو۔ ان اسیروں کو کچھ دن اور آرام کرنے

دیا ہوتا۔"

نوجوان ترک نے دُہائی بلند کی۔ "مادرِ محترم! ہمارے بارے میں آپ اس قسم کی باتیں نہ کریں۔"

ابونصر نے ماں کو جواب دیا۔ "مادرِ محترم! اب میں نے میانہ روی اور صلح جوئی کی روش اختیار کی ہے۔ یہ روش آپ کو بھی پسند آنی چاہیے۔ یہ ترک نوجوان اور اس کے ساتھی اچھے ہیں اور اللہ نے چاہا تو کسی وقت کام بھی آئیں گے۔"

سلطان نے تائید کی۔ "بے شک بے شک یہ میرے بچپن کے ساتھی ہیں۔"

ماں نے دبے لفظوں میں کہا۔ "جو خود اصلاح طلب ہوں وہ حکومت میں کیا اصلاحی امور انجام دیں گے۔ وہ ابونصر کہاں چلا گیا جو سلطان طغرل مرحوم کا وزیر ہوا کرتا تھا اور جس کے حُسنِ تدبیر کا ایک زمانہ معترف اور خلیفہ قائل تھا۔"

ابونصر کو بھی اپنے اس اقدام پر شبہ ہونے لگا ترک نوجوان کو رہا کر کے شاید اس نے اچھا نہیں کیا تھا۔

کئی دن بعد ارسلان خاتون اور خلیفہ کی بیٹی سیّدہ نے سلطان اور اس کی ماں پہ دباؤ ڈالا کہ ان دونوں کو بغداد روانہ کر دیا جائے۔

سلطان نے دونوں کو جواب دیا۔ "اس معاملے میں میری ماں کا فیصلہ ہی اٹل اور قابلِ عمل ہوگا۔"

سیّدہ نے کہا۔ "جس کسی کو بھی یہ فیصلہ کرنا ہو وہ جلدی کر دے ورنہ سلطان کو بڑی پریشانیاں اٹھانا پڑیں گی۔"

ماں نے یہ مسئلہ ابونصر کے حوالے کر دیا۔ "میں تنہا فیصلہ نہیں کر سکتی۔ ابونصر کیا کہتا ہے اس مسئلے میں؟"

ابونصر ذہنی طور پر اتنا پریشان تھا کہ وہ کسی معاملے یا مسئلے پر یکسوئی سے سوچنے کا اہل نہیں رہا تھا۔ اسے محل میں بلایا گیا اور سلطان کی ماں نے یہ مسئلہ اس کے سامنے رکھ دیا۔ ارسلان خاتون اور سیّدہ نے وزیر کے سامنے اپنی درخواست پیش کر دی۔

ارسلان خاتون نے کہا۔ "امیر المومنین میرے شوہر ہیں اس لیے مجھے بغداد بھیج دیا جائے۔"

سیّدہ نے کہا۔ "امیر المومنین میرے والد ہیں اور میرے شوہر سلطان طغرل کا انتقال ہو چکا ہے اس لیے مجھے بغداد میرے باپ کے پاس بھیج دیا جائے۔"

ابونصر نے ارسلان خاتون کو جواب دیا۔ "خاتون! آپ سلطان کی بہن ہیں اس لیے سلطان سے اجازت طلب کریں۔"

اور سلطان کو درپردہ یہ مشورہ دیا گیا۔ "آپ حسبِ سابق ارسلان خاتون سے کہیں کہ وہ اپنے شوہر امیر المومنین سے آپ کے لیے سندِ حکومت حاصل کرے اور جیسے ہی یہ سند مل جائے آپ اس کو بغداد بھیج دیں، اور اگر یہ یوں ہی چلی گئی تو آپ پھر کبھی بھی بغداد سے سندِ حکومت حاصل نہیں کر سکیں گے۔"

سیّدہ کو جواب دیا۔ "آپ عدت کے دن پورے کر لیں اس کے بعد جانے کی بات کریں۔"

اس طرح ابونصر نے دونوں ہی کو خاموش کر دیا۔

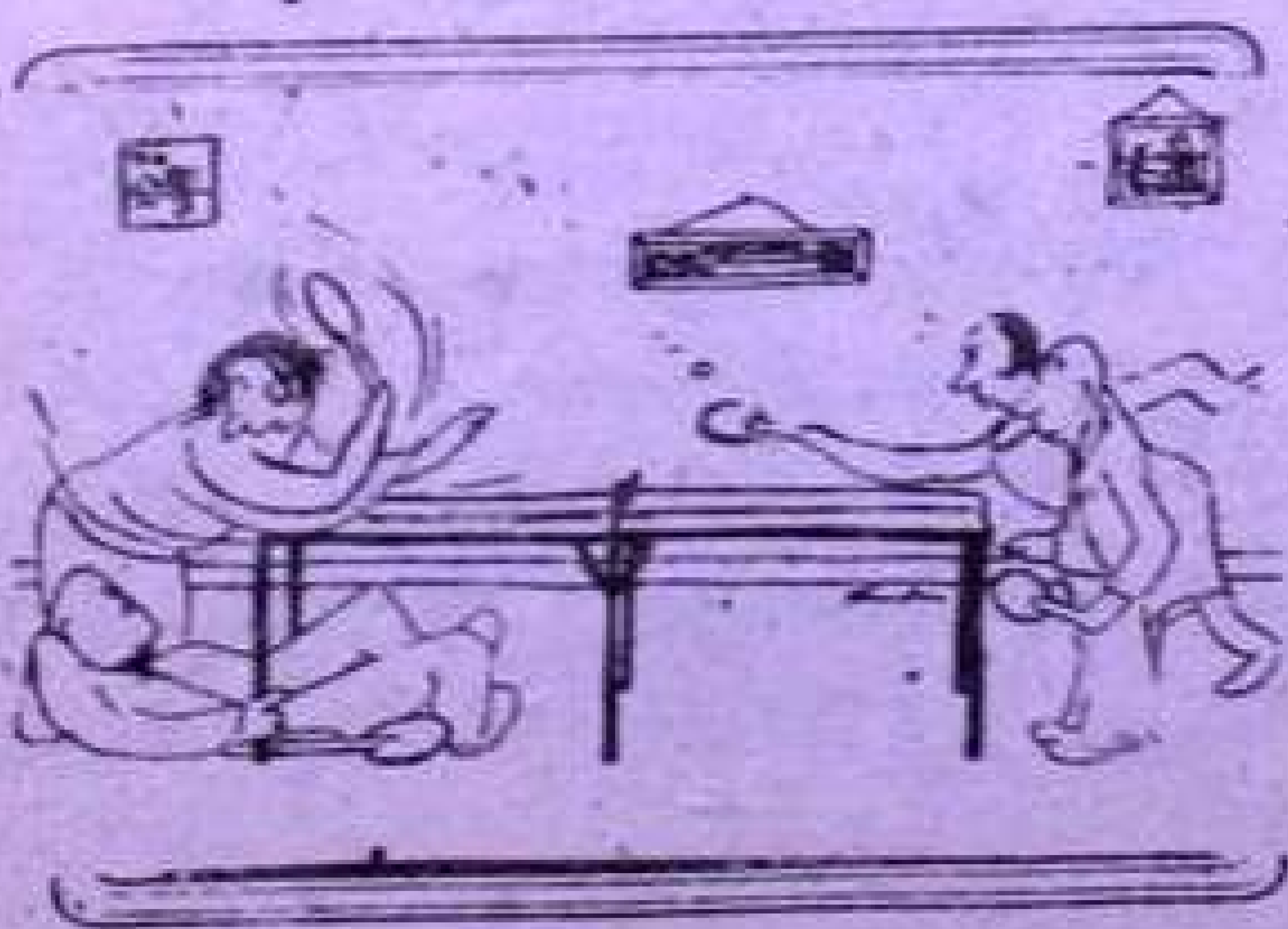
ارسلان خاتون اور سیّدہ یکساں مصیبت میں مبتلا تھیں اس لیے دونوں ایک دوسرے کی ہمدرد بن گئیں۔ وہ دونوں سلطان اور اس کی ماں سے اُلجھ گئیں۔ "یہ وزیر ہمارا فیصلہ کیوں کرے گا۔ بغداد جانے کی اجازت آپ دونوں دیں گے ہم وزیر کی بات نہیں مانیں گے۔"

ماں نے جواب دیا۔ "افسوس کہ میں بے بس ہوں۔ ہم نے جملہ اختیارات ابونصر ہی کو دے دیے ہیں۔"

سلطان کے پاس بھی یہی جواب تھا۔ "میرے پاس اتنا وقت ہی نہیں کہ ان غیر اہم مسائل پر توجہ دوں۔ یہ کام وزیر کے ہیں۔ اس سے کرائیں۔"

پورے محل کی فضا گھٹی گھٹی سی تھی ایک کھنچاؤ ایک بے گانگی اور اجنبی پن سا پایا جاتا تھا۔ محل کی خدمت گار خواتین تک گومگو کی کیفیت کا شکار تھیں۔ اپنے محل کی سلطانی پر انھیں یقین نہیں آ رہا تھا۔ ان حالات سے سیّدہ نے فائدہ اٹھایا۔ اس نے ایک کنیز سے کام لینے کی کوشش کی۔ سیّدہ نے اس سے پوچھا۔ "کیا تو بغداد چلنا پسند کرے گی؟"

کنیز نے پوچھا۔ "بغداد میں کس کے پاس؟"



سیدہ نے جواب دیا "قصرِ خلافت میں میرے باپ امیر المومنین کے پاس"۔

کنیز نے حیرت سے جواب دیا "وہاں کون ہے جو نہیں جانا چاہے گا؟"

سیدہ نے کہا "میرے عدت کے دن پورے ہو جائیں پھر میں اپنے ساتھ تجھ کو بھی لے جاؤں گی"۔

کنیز اداس ہو گئی "لیکن مجھ کو یہاں سے جانے کون دے گا؟"

سیدہ نے جواب دیا "تجھ کو میں لے جاؤں گی اپنے ساتھ، لیکن اس کے لیے تجھ کو میرا ایک کام کرنا ہو گا"۔

کنیز کو اپنا شاندار مستقبل نظر آ رہا تھا، پوچھا "کون سا کام؟"

سیدہ نے ادھر اُدھر دیکھ کر پوچھا "پہلے یہ بتا کہ میں جو کچھ تجھ سے کہوں گی تو اسے راز میں رکھے گی؟"

کنیز نے جواب دیا "اس کی تو آپ فکر ہی نہ کریں۔ کام بتائیں"۔

سیدہ کو تذبذب تھا "وہ کام آسان نہیں ہے اگر نہ کر سکے تو اسے راز رکھنا"۔

کنیز نے جواب دیا "میں نے کہہ جو دیا کہ اس کی تو آپ فکر ہی نہ کریں"۔

سیدہ نے کہا "میں ایک خط دوں گی، میرا یہ خط مرو یا نیشاپور الپ ارسلان کو پہنچانا ہو گا"۔

کنیز ڈر گئی "الپ ارسلان کو!"

سیدہ مسکرانے لگی "ہاں الپ ارسلان کو، بس ڈر گئیں! بڑے کام، بڑے فائدے یوں ہی آسانی سے نہیں ہو جاتے"۔

کنیز نے کہا "میں یہ کام کسی نہ کسی طرح کرا تو سکتی ہوں لیکن اس میں آپ کو کچھ خرچ کرنا پڑے گا"۔

سیدہ نے جواب دیا "اس کی تو تُو فکر ہی نہ کر لیکن یہ کام نہایت رازداری سے ہونا چاہیے"۔

کنیز نے ڈرتے ڈرتے کہا "بس ایک بات ہے، کام ہو جائے گا"۔

سیدہ نے کہا "بات صاف کر اور مختصر بھی۔ ورنہ اس طرح تو بات پھیل جائے گی"۔

کنیز نے کسی قدر پس و پیش سے کہا "میرا ایک عاشق ہے، وہ میرا ہر کام کر سکتا ہے بشرطیکہ اسے یقین ہو جائے کہ میں اس کی ہو جاؤں گی"۔

سیدہ نے وعدہ کیا "تو اس سے وعدہ کر سکتی ہے اگر اس نے ہمارا کام کر دیا اور میں بغداد پہنچ گئی تو اس کی خواہش پوری کر دی جائے گی"۔

سیدہ نے اپنے بارے میں الپ ارسلان کو ایک مختصر خط لکھوایا:

"چغری داؤد کے سب سے زیادہ لائق بیٹے الپ ارسلان! دنیا تیری بادشاہت کی منتظر تھی لیکن نااہلوں اور نالائقوں نے سلیمان کو سلطان بنا دیا۔ دنیا ایک گدھے کے گلے میں طوقِ زریں دیکھ رہی ہے۔ میں سیدہ تیرے اور دنیا بھر کے مسلمانوں کے امیر المومنین کی بیٹی ہوں۔ ابونصر نے میرے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے۔ پہلے تو اس نے میرے باپ اور دنیا بھر کے مسلمانوں کے امیر المومنین کو مجبور کیا کہ میری شادی تیرے چچا طغرل سے کر دی جائے۔ میں تیرے چچا سے منسوب کر دی گئی اور پھر ابونصر ہی کے اصرار اور کوشش سے میں رے لائی گئی۔ اب میں بیوہ ہوں، اور چاہتی ہوں کہ مجھے بغداد میرے باپ کے پاس بھیج دیا جائے لیکن معلوم نہیں کیوں ابونصر آڑے آ رہا ہے وہ چاہتا ہے میں باوا جان سے سلیمان کو سندِ حکومت دلوا دوں جبکہ میں سلیمان کو نااہل اور تجھ کو اہل سمجھتی ہوں۔ میں نے اس کی شرط نہیں مانی اور رے میں قیدیوں جیسی زندگی گزار رہی ہوں۔ اب میں تجھ سے مدد چاہتی ہوں میری مدد کر اور مدد میری یہ ہے کہ تو مجھے عزت و آبرو کے ساتھ بغداد بھجوا دے۔ اب میں دن گنوں گی"۔

یہ خط کنیز کے عاشق کے ذریعے الپ ارسلان کو روانہ کر دیا گیا۔

یہ عاشق پہلے تو مرو گیا لیکن وہاں سے معلوم ہوا کہ الپ ارسلان اپنے چچا قتلمش کو رے کی طرف بڑھنے سے روکنے کے لیے دامغان روانہ ہو چکا ہے۔ دامغان نیشاپور اور رے کے درمیان ایک جگہ تھی اور یہیں گردہ کوہ واقع تھا۔ گردہ کوہ ایک ناقابلِ تسخیر پہاڑی قلعہ تھا۔ قتلمش نے اسی قلعے کو اپنا مستقر بنا لیا تھا۔ الپ ارسلان اپنے چچا کو اس سے آگے نہیں بڑھنے دینا چاہتا تھا۔

کتہ کوہ کے نیچے جنوب مشرق میں ریگستان تھا اور جنوب مغرب میں وادئی الملیح۔ الپ ارسلان اسی وادی سے گزر کر کتہ کوہ تک پہنچ سکتا تھا۔

خواجہ حسن نے الپ ارسلان کو خوش خبری سنائی کہ آپ رے، سلیمان اور ابو نصر کی طرف سے بے فکر ہو جائیں۔ وہاں خطبے میں آپ کا نام شامل کر دیا گیا ہے۔

الپ ارسلان نے پوچھا: "الیاکس کے حکم سے ہوا؟"

خواجہ حسن نے جھوٹ سے کام نہیں لیا: "ابو نصر کندری کے حکم سے۔"

الپ ارسلان سوچ میں پڑ گیا: "مگر اس نے ایسا کیوں کیا؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا: "اس سوال کا فی الحال کوئی جواب نہیں۔"

الپ ارسلان اور خواجہ حسن جب اپنی فوج کے ساتھ وادئی الملیح میں داخل ہوئے تو انھیں پوری وادی پانی میں ڈوبی ہوئی نظر آئی۔ قتلمش نے ایک ندی کا رخ اس وادی کی طرف کر دیا تھا۔ اب کتہ کوہ اور الپ ارسلان کے درمیان پانی میں ڈوبی ہوئی وادی الملیح حائل تھی۔

الپ ارسلان اس نئی صورتِ حال سے پریشان ہو گیا۔ اس نے خواجہ حسن سے پوچھا: "یہ کیا ہوا؟ اب کیا ہوگا؟"

خواجہ حسن بھی پریشان ہو چکا تھا اور الپ ارسلان کی فکر کیا کا کوئی جواب نہیں تھا۔

الپ ارسلان اپنے استاد اور اتالیق کو پریشان دیکھ کر زیادہ پریشان ہو گیا۔

خواجہ حسن نے اسے تسلی دی: "آپ پریشان نہ ہوں۔ فوج کو حکم دیں کہ یہیں خیمے نصب کر دے۔"

الپ ارسلان نے اسی جگہ خیمے نصب کرا دیے۔

خواجہ حسن تنہا گھوڑے پر سوار ہو کر وادی الملیح کا جائزہ لینے لگا۔ ریگستانی پودوں اور درختوں کی یہ وادی ویران اور خشک تھی۔ ریت اور سنگ ریزوں کی ہر طرف بھرمار تھی۔ کانٹے دار درخت اس طرح کھڑے تھے جیسے زمین سے موٹے موٹے خار زدہ ہاتھ اُگے ہوئے ہیں اور ان ہاتھوں سے بے ترتیب انگلیاں نمودار ہو گئی ہوں۔ بعض درختوں کے بڑے بڑے پتے بھی کانٹوں سے بھرے ہوئے تھے۔ بھربھری مٹی میں خواجہ حسن کے گھوڑے کی ٹانگیں دھنسی جا رہی تھیں۔

اس عالم میں خواجہ حسن نے ایک نوجوان کو مغربی سمت سے آتے ہوئے دیکھا۔ خواجہ حسن نے اپنے گھوڑے کو روک لیا اور اس نووارد کا انتظار کرنے لگا۔

نوجوان گھڑ سوار اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا الپ ارسلان کی فوج کی طرف چلا گیا۔

خواجہ حسن بھی اپنی فوج کی طرف واپس گیا اور نوجوان گھڑ سوار کو راستے ہی میں پکڑ لیا۔

خواجہ حسن اپنے گھوڑے کو نوجوان کے برابر لے آیا اور پوچھا: "تو کون ہے؟"

نوجوان نے خواجہ حسن پر ایک نگاہ غلط انداز ڈالی اور جواب دیے بغیر ہی گھوڑے کو بھگاتا رہا۔

خواجہ حسن نے اپنی تلوار کھینچ لی: "میرے سوالوں کے جواب دے ورنہ میں تجھ کو قتل کر دوں گا۔"

نوجوان نے سہم کر گھوڑے کی لگام کھینچ لی: "مگر تو کون ہے؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا: "میں کون ہوں، اس سوال کا جواب یہاں ہر کوئی دے سکتا ہے مگر یہ بتا کہ تو کون ہے اور کیا تجھ کو قتلمش نے یہاں بھیجا ہے؟"

نوجوان نے کہا: "میں الپ ارسلان سے ملنا چاہتا ہوں اور رے سے چلا آ رہا ہوں۔"

خواجہ حسن نے اس کے پورے وجود کو گرد و غبار میں اٹا ہوا دیکھا۔ اس کی پاجامہ نما تنگ موریوں کی شلوار کہیں کہیں سے پھٹ گئی تھی اور پنڈلیوں سے خون بہہ رہا تھا۔

خواجہ حسن نے پوچھا: "یہ تیری پنڈلیوں سے خون کیوں بہہ رہا ہے؟"

نوجوان نے جواب دیا: "خار دار جھاڑیوں نے مجھے زخمی کر دیا۔"

پھر اس نے اچانک اپنے گھوڑے کو روک دیا۔ "کہیں آپ خواجہ حسن تو نہیں؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا: "تو نے خوب پہچانا مجھے۔ میں ہی خواجہ حسن ہوں۔"

نوجوان نے کہا: "میں نے رے میں آپ کو دیکھا ہے۔ اس وقت آپ کو پہچاننے میں دیر اس لیے ہوئی کہ آپ نے اپنے چہرے کو رومال میں چھپا رکھا ہے۔"

خواجہ حسن نے پوچھا: "تجھ کو کس نے بھیجا ہے یہاں؟"

نوجوان کسی قدر فکر مند ہو گیا کہ اس سوال کا کیا جواب دے؟

خواجہ حسن نے اصرار کیا: "تو پیغام کیا لایا ہے اور کس کے لیے؟"

نوجوان نے پوچھا: "کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ الپ ارسلان کمزوروں کے لیے اچھا آدمی ہے؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا: "وہ سبھی کے لیے بہت اچھا ہے۔"

نوجوان نے کہا: "میں الپ ارسلان کے لیے ایک خاص پیغام لایا ہوں۔"

اس نے مزید کہا: "میں جو خط اپنے ساتھ لایا ہوں، میں اسے کھونا نہیں چاہتا۔"

خواجہ حسن نے اسے تسلیاں دیں: "تجھ کو تو کوئی شخص فوج کے پاس بھی نہیں جانے دے گا۔ الپ ارسلان سے ملنا اتنا آسان نہیں جتنا لوگوں نے سمجھ رکھا ہے۔"

نوجوان نے اپنی جیب سے ایک خط نکالا اور خواجہ حسن کی طرف بڑھا دیا: "میں یہ خط لایا ہوں اور اس کا جواب چاہتا ہوں۔"

خواجہ حسن نے خط پڑھ لیا اور خوشی سے اچھل پڑا۔ "خوب خوب! اب ہم سب کا کام ہو جائے گا۔"

نوجوان حیرت سے خواجہ حسن کا منہ دیکھ رہا تھا۔

خواجہ حسن نے نوجوان کی تعریف کی: "واللہ تو خوشیوں اور کامرانیوں کا فرستادہ ہے۔ تیرا وجود ہم سب کے لیے نہایت مبارک ثابت ہوگا۔"

نوجوان نے عرض کیا: "بزرگوار! اگر میں کامیاب ہو گیا ہوں تو واقعی یہ بڑی خوشی کی بات ہے۔"

خواجہ حسن اس نوجوان کو الپ ارسلان کے پاس لے گیا اور نوجوان کو خیمے کے باہر چھوڑ کے خود اندر چلا گیا۔ یہاں الپ ارسلان کے محافظ موجود تھے۔ اس چھوٹے سے حصے کے آگے الپ ارسلان کا اصل خیمہ تھا۔

الپ ارسلان کو خواجہ حسن کی آمد سے مطلع کیا گیا۔ اسے فوراً اندر بلا لیا گیا۔

الپ ارسلان نے پوچھا: "آپ یقیناً کوئی اچھی خبر لائے ہیں اس وقت؟"

خواجہ حسن نے وہ خط اس کے سامنے رکھ دیا: "بہت اچھی خبر۔ اس سے اچھی خبر اور کوئی نہیں ہو سکتی۔"

الپ ارسلان نے خط پڑھوا کر نہیں، خود پڑھ کر سمجھنے کی کوشش کی اور کہا: "تو سیدہ مجھ سے ملنا چاہتی ہے!"

خواجہ حسن نے جواب دیا: "مجھے یہ خیبہ سے آپ کی مدد کا سامان ہوا ہے۔"

الپ ارسلان نے کہا: "یہ ایک عام سا خط ہے۔ اس سے آپ اتنے خوش کیوں ہو رہے ہیں؟"

خواجہ حسن نے اس خوشی کی وضاحت کر دی: "سیدہ امیر المومنین کی بیٹی آپ سے مدد چاہتی ہے اور سلیمان کو ابھی تک سندِ حکومت نہیں ملی۔"

الپ ارسلان ذہن پر زور دے رہا تھا: "پھر پھر؟"

خواجہ حسن نے کہا: "اور پھر یہ کہ سیدہ ابو نصر سے ناراض ہے اور آپ سے امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں۔"

الپ ارسلان ان پہیلیوں کو بوجھنا چاہتا تھا لیکن سمجھنے سے قاصر تھا۔

خواجہ حسن اس کو سمجھا رہا تھا: "آپ کا نام خطبوں میں شامل ہو گیا۔ اب آپ رے میں داخل ہو کر سلیمان کو معزول کر کے ابو نصر کو قید کر سکیں گے۔"

الپ ارسلان نے پوچھا: "ابو نصر کو قید کیوں کیا جائے؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا: "میں آپ کے ہر سوال کا جواب دوں گا لیکن پہلے آپ میری پوری بات سن لیں۔"

الپ ارسلان نے کہا: "بہتر ہے، آپ بات پوری کر لیں۔"

خواجہ حسن کہہ رہا تھا: "اس کے بعد آپ سیدہ کو عزت و احترام کے ساتھ بغداد روانہ کر دیں گے اور خلیفہ پر واضح کریں گے کہ آپ نے سلیمان کو اس لیے معزول کر دیا کہ وہ سیدہ کو واپس نہیں بھیج رہا تھا۔ ابو نصر کو اس لیے قید کر دیا کہ سیدہ کو اس حال تک پہنچانے والا ابو نصر تھا۔ اس لیے اس کو اس کے کیے کی سزا ملنا چاہیے اور یہ جو کچھ آپ کریں گے اس کے صلے میں آپ کو سندِ حکومت بہر حال مل جائے گی۔"

الپ ارسلان خواجہ حسن کی ذہانت کا پہلے بھی قائل تھا اب ایمان لانے کی حد تک قائل ہو گیا۔

خواجہ حسن کو اس نوجوان کا بھی خیال رہا جو یہ خط لے کر آیا تھا۔ اس نے الپ ارسلان سے اس نوجوان کی سفارش کی۔ "یہ خوش اقبالی ہمیں جس نوجوان سے حاصل ہوئی ہے، وہ آپ کے انعام و اکرام کا حق دار ہے۔"

الپ ارسلان نے حکم دیا: "اسے میرے سامنے میرے پاس لایا جائے۔"

خواجہ حسن اس نوجوان کے پاس خود گیا: "اے خوش قسمت نوجوان! میرے ساتھ آ۔"

نوجوان اپنی زیادہ پذیرائی سے پریشان اور خوف زدہ تھا، پوچھا "کیا میں اس جگہ مناسب نہیں ہوں؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "نہیں، تو اس جگہ مناسب نہیں ہے۔"

نوجوان نے گزارش کی "آپ کو جو جواب دینا ہو دے دیں، میں اسے سیدہ تک پہنچا دوں گا۔"

خواجہ حسن نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا "نوجوان مت گھبرا، میرے ساتھ آ۔"

اور اسے خواجہ حسن اندر کھینچ لے گیا۔

محافظوں نے یہ دلچسپ منظر دیکھا تو انھیں مزہ آ گیا نوجوان اس ماحول میں گھبرا رہا تھا۔

الپ ارسلان بھی اس دلچسپ منظر سے خاصا لطف اندوز ہوا۔

خواجہ حسن نے اسے الپ ارسلان کی طرف دھکا دے کر بڑھا دیا "یہ ہے وہ نوجوان۔"

نوجوان کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا اور اب اسے یقین ہو گیا تھا کہ خط میں کوئی خطرناک بات ضرور کی گئی ہوگی۔

الپ ارسلان اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ نوجوان کو ان آنکھوں میں غصہ اور عتاب کی چمک نظر آ رہی تھی "حضور والا رحم!"

الپ ارسلان نے پوچھا "رحم، رحم کیوں؟"

نوجوان نے عرض کیا "میں نہیں جانتا کہ اس خط میں کیا لکھا گیا تھا، میں بس پہنچانے کی حد تک گنہگار ہوں۔"

خواجہ حسن نے اسے دلاسا دیا "مگر تو پریشان کیوں ہے؟ ہم تو خوش ہیں۔"

نوجوان نے عرض کیا "میں واپس جانا چاہتا ہوں۔"

الپ ارسلان نے جواب دیا "تو ضرور واپس جائے گا۔ میرے بزرگ اور استاذ خواجہ حسن تجھ سے بے حد خوش ہیں۔"

نوجوان کے دل کو قرار نہیں آ رہا تھا۔ وہ ان باتوں کو طنز و مذاق پر محمول کر رہا تھا۔

خواجہ حسن اس کی ان کیفیات سے لاعلم رہتے ہوئے اپنی دھن میں باتیں کیے جا رہا تھا "تو ہمارا مہمان رہے گا۔"

الپ ارسلان نے کہا "اس وقت تک جب تک ہم اس مہم سے فارغ نہ ہو جائیں۔"

نوجوان نے عرض کیا "میں فوراً واپس جانا چاہتا ہوں۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا "اے نوجوان! تیرے سامنے تیرا آقا موجود ہے۔ اب تو ہمارا آدمی ہے، اس دربار سے وابستہ۔"

الپ ارسلان نے کہا "آپ اسے باہر لے جائیں میں اس سے پھر بات کروں گا۔"

خواجہ حسن اسے پھر واپس لے گیا اور اسے چند محافظوں کی تحویل میں دے دیا "یہ ہماری امانت ہے اسے عزت و احترام سے رکھا جائے۔"

محافظوں نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا۔ وہ بھی یہی سمجھ رہے تھے کہ شاید یہ نوجوان عتاب زدہ ہے اور خواجہ حسن اس کی حفاظت اور نگرانی کی بات کر رہا ہے۔

محافظوں نے اسے ایک خالی خیمے میں قید کر کے پہرا بٹھا دیا۔

نوجوان کی آنکھوں میں اندھیرا پھیل گیا۔ وہ رونے لگا "یا اللہ میں کس مصیبت میں پڑ گیا ہوں، مجھ پر رحم فرما۔"

خواجہ حسن اور الپ ارسلان قتلمش تک پہنچنے کی فکر میں تھے۔



الپ ارسلان اور خواجہ حسن وادی الملح میں محبوس ہو کر رہ گئے۔ ان کے سامنے پانی ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ اسے فوج کے ساتھ عبور کر کے کرہ کوہ میں داخل ہونا نہایت مشکل کام تھا۔ فوج بھی پریشان اور پست حوصلہ ہو رہی تھی۔ الپ ارسلان نے خواجہ حسن سے پوچھا "ہم یہاں کب تک پڑے رہیں گے؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "ہمیں یہ نہیں معلوم کہ ہم یہاں کب تک اپاہجوں کی طرح پڑے رہیں گے لیکن ہمیں یہ ضرور معلوم ہے کہ ہم کرہ کوہ کی تسخیر اور قتلمش کو تباہ و برباد کیے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔"

الپ ارسلان کی نظریں سطح آب پر تھیں۔ سورج کی کمزور کرنیں اسے چاندی کی طرح چمکا رہی تھیں۔ دور کرہ کوہ کی طرف سے کوئی چیز تیرتی چلی آ رہی تھی بطخ کی طرح پرسکون سطح کو ہیجان میں مبتلا کر کے۔ الپ ارسلان نے خواجہ حسن سے پوچھا "کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ کیا چیز ہے جو ہماری طرف بڑھتی چلی آ رہی ہے؟"

خواجہ حسن نے بھی اس شے کو شوق اور تجسس سے دیکھا "کوئی کشتی ہے شاید۔"

کچھ دیر بعد یہ چیز واضح شکل میں قریب آگئی معمولی سی کشتی جو موٹے تنے میں خلا پیدا کر کے کشتی بنالی گئی تھی۔

کشتی کنارے سے آلگی اور اس میں سے ایک شخص ساحل پر کود پڑا کشتی سے بندھا ہوا رسّا پتھر کی ایک سل سے باندھ دیا گیا۔

خواجہ حسن نے الپ ارسلان کو اپنے پیچھے کیا اور خود اس شخص کے سامنے جا کھڑا ہوا "کون ہے تو؟ اور یہاں کیوں آیا ہے؟"

تیس بتیس سالہ چوڑے چکلے سینے والے اس شخص نے خواجہ حسن سے پوچھا "تُو کون ہے؟" اور پھر الپ ارسلان کی طرف اشارہ کیا "اور یہ کون ہے؟"

خواجہ حسن نے پوچھا "تجھ کو کس سے ملنا ہے اور تُو کس کا بھیجا ہوا ہے؟"

اس نے جواب دیا "مجھے سلطان قتلمش نے بھیجا ہے اور میں سلطان کے بھتیجے الپ ارسلان کے نام ایک خاص پیغام لایا ہوں"

خواجہ حسن اور الپ ارسلان نے محافظوں کو اشارہ کیا جو الپ ارسلان سے ذرا دور کھڑے تھے محافظوں نے نووارد کو پکڑ لیا۔

الپ ارسلان نے نووارد سے پوچھا "تُو میرے نام کیا پیغام لایا ہے؟ میں ہی الپ ارسلان ہوں"

محافظوں نے اس کی تلاشی لی تو اس کے پاس سے اسلحہ نام کی کوئی چیز نہ نکلی۔

نووارد نے الپ ارسلان سے مرعوب ہوئے بغیر قتلمش کا پیغام زبانی سُنا دیا "سلطان طغرل مرحوم قتلمش کے چچا کا بیٹا تھا اس طرح آپ اور سلیمان سلطان قتلمش کے بیٹوں کی طرح ہیں اور یہ حکومت قتلمش کو ملنی چاہیے۔ تم دونوں اپنے اپنے دعووں سے دستبردار ہو جاؤ اور قتلمش سے اپنے مطلب کے علاقے حاصل کر لو یہ جنگ و جدل تم دونوں کو نقصان تو پہنچائے گی فائدہ ہرگز نہیں"

الپ ارسلان مسکرایا "بس یا اور کچھ؟"

نووارد نے جواب دیا "آپ نے اپنے چچا کے خلاف فوج کشی کی۔ قتلمش نے اسے آپ کی بچپکانا معقول سمجھ کر معاف کر دیا لیکن اب جو غلطی ہو گی وہ ناقابلِ معافی ہو گی"

الپ ارسلان نے کہا "اب تُو واپس جا سکتا ہے اور میرے چچا سے کہہ دینا کہ آپ نے جس طرح اپنا حق ثابت کیا ہے حکومتوں اور سلطنتوں میں اس طرح حق نہیں مانے جاتے۔ چچا طغرل مرحوم کے بعد میں ان کا صحیح جانشین ہوں، آپ یعنی چچا قتلمش اپنے لیے جو علاقہ پسند کریں گے میں آپ کو دے دوں گا، سلیمان نام نہاد سلطان ہے جب کہ اصل سلطان میں ہوں"

نووارد نے پوچھا "تو آپ جنگ کر کے رہیں گے؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "بالکل اور ہم یہاں تک آئے کیوں ہیں؟"

نووارد نے پانی کی طرف اشارہ کیا "اور یہ پانی اس کو کس طرح عبور کرو گے؟"

خواجہ حسن نے اسے سرزنش کی "جو تیرا کام ہے وہ کر، ہم اپنا کام کریں گے"

الپ ارسلان نے کہا "اعلانِ جنگ۔ چچا سے کہہ کر یہ گرد کوہ بھی ہمارا ہے اور جب تک میں چچا کے نام حکومت کی توثیق نہ کر دوں وہ یہاں کے حکمران نہیں تسلیم کیے جائیں گے"

نووارد نے پوچھا "تو اب گویا میں واپس جا سکتا ہوں؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "بالکل۔ ہم صرف ایک دن جواب کا انتظار کریں گے اور پرسوں گردکوہ پر حملہ آور ہو جائیں گے"

نووارد ہنسنے لگا "تو گویا آپ ابھی تک گردکوہ کو سمجھے ہی نہیں۔ آپ لوگوں کا وہاں تک پہنچنا دشوار عمل ہے جب آپ کا اس سے واسطہ پڑے گا تب میری باتیں سمجھ میں آئیں گی"

خواجہ حسن نے کوئی جواب دینے کے بجائے الپ ارسلان سے باتیں شروع کر دیں "آپ کل تک جواب کا انتظار کریں پھر پرسوں آپ کو بتاؤں گا میں کہ اس مصنوعی ندی کو کس طرح عبور کریں"

محافظوں نے دھکے دے دے کر نووارد کو اس کی چھوٹی سی کشتی کے قریب پہنچا دیا۔ وہ واپس چلا گیا۔

خواجہ حسنؒ نے الپ ارسلان کو خیمے میں بھیج دیا اور خود وادی الملح میں کرہ کوہ تک پہنچنے کا راستہ تلاش کرتا رہا۔

دوپہر کو جب وہ کھانا کھا رہا تھا تو اسے اچانک رسے کا نوجوان یاد آگیا۔ اس نے اپنے آدمیوں سے اس کی خیریت پوچھی تو اسے بتایا گیا کہ وہ اپنے خیمے میں بس روئے جا رہا ہے۔

خواجہ حسن نے پوچھا "اس کو کھانا دیا گیا؟"

اسے بتایا گیا "کھانا دیا گیا تھا مگر اس نے کھایا نہیں۔"

خواجہ حسن اپنا کھانا چھوڑ کر نوجوان کے پاس گیا۔ وہ اس وقت بھی رو رہا تھا۔ خواجہ کو دیکھتے ہی اس کے پاؤں پکڑ لیے "اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو مجھے معاف فرما دیں۔"

خواجہ حسن نے پوچھا "تو نے یہ کس طرح سمجھ لیا ہے کہ تجھے قید کیا گیا ہے اور تجھ کو کسی قسم کی سزا دی جائے گی؟"

نوجوان اپنی بات پر اڑا رہا "میں یہاں اس خیمے میں قید نہیں تو اور کیا ہوں۔"

خواجہ حسن اس کو اپنے خیمے میں لے آیا "تو قید نہیں ہے تو ہمارا مہمان ہے۔ اب تو ہمارے ساتھ رہ اور تو ہمارے ساتھ رہے جائے گا۔"

نوجوان کو کسی حد تک قرار آگیا اور اس کے چہرے سے سکون اور طمانیت ظاہر ہونے لگی۔

وہ دن گزرا، دوسرا دن طلوع ہوا۔ پھر یہ دن بھی گزر گیا اور تیسرا دن نمودار ہوا۔ الپ ارسلان اور خواجہ حسن نے اپنے امرا اور فوجی سرداروں کو صلاح مشورے کے لیے یکجا کیا۔

خواجہ حسن کا خیال تھا کہ موعودہ مدت گزر گئی، اب قتلمش کے خلاف کارروائی ہونا چاہیے۔

ایک فوجی سردار نے مشورہ دیا "مجھے یقین ہے کہ قتلمش رسے جاتے وقت یہیں سے گزرے گا۔ بس اس کا ہمیں یہیں انتظار کرنا چاہیے۔"

خواجہ حسن نے پوچھا "مگر کب تک؟"

اسی سردار نے جواب دیا "جب تک وہ کرہ کوہ سے نیچے نہ آجائے۔"

الپ ارسلان نے کہا "کرہ کوہ اس کا قلعہ ہے اور وہ ہمیں تنگ کرنے کے لیے کرہ کوہ میں ہی رہے تو اس وقت ہمیں کیا کرنا ہوگا؟"

خواجہ حسن نے اپنی تجویز پیش کر دی "آپ اپنی فوج کو تیاری کا حکم دیں۔"

الپ ارسلان نے اپنے فوجی سرداروں کو تیاری کا حکم دے دیا لیکن اسے کچھ پتا نہ تھا کہ اس کی فوج کرہ کوہ کس طرح پہنچے گی۔

فوجی سرداروں کے چلے جانے کے بعد الپ ارسلان نے خواجہ حسن سے پوچھا "کیا آپ نے قتلمش تک پہنچنے کا کوئی راستہ تلاش کر لیا ہے؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "نہیں، لیکن ہم اس ندی کو عبور ضرور کر لیں گے۔"

الپ ارسلان نے پوچھا "وہ کس طرح؟"

خواجہ حسن نے ایک عجیب و غریب بات کہی "میں نے آپ کے لیے اور مصیبت کے ان دنوں کے لیے پہلے سے ایک فوج تیار کر رکھی ہے۔"

الپ ارسلان نے پوچھا "کہاں ہے آپ کی وہ فوج؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "مرو میں، نیشاپور میں۔ وہ فوج ہر وقت آپ کے حق میں دعائیں کرتی رہتی ہے۔"

الپ ارسلان اپنے وزیر اور اتالیق کی بات نہیں سمجھ سکا۔

خواجہ حسن نے اس کی وضاحت کر دی "میں نے حافظوں اور عالموں کی بڑی سرپرستی کی ہے اور وہ دن رات آپ کے حق میں دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ اب آپ خطرات کی پروا کیے بغیر اس مصنوعی ندی میں گھوڑے ڈال دیں۔ اللہ نے چاہا تو ہم اسے بخیریت عبور کر لیں گے۔"

الپ ارسلان مسکرایا اور سوچنے لگا "یہ کیا بات ہوئی، خواجہ حسن کہیں پاگل تو نہیں ہو گیا؟"

وزیر پریشان تھا کہ اس کی تجویز کو فوراً ہی مان کیوں نہیں لیا گیا۔ اس پر شبہ کیوں کیا گیا۔ پوچھا "کیا آپ کو میری تجویز پسند نہیں آئی؟"

الپ ارسلان نے جواب دیا "کوئی تجویز ہوتی تو پسند بھی آتی۔ اس طرح تو میری فوج ڈوب کر برباد ہو جائے گی۔"

خواجہ حسن نے کہا "ایسا نہیں ہوگا حضور والا، آپ شبہ نہ کریں۔ آپ ہمت تو کریں۔"

الپ ارسلان ٹال گیا، لیکن خواجہ حسن اپنی بات پر جما رہا اور آخر کار الپ ارسلان نے اس کی تجویز پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

فوج کو میدان میں آراستہ کیا گیا۔ الپ ارسلان اور خواجہ حسن نے ہتھیار لگائے اور اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہوتے ہوئے فوج کو حکم دیا۔ "تم بھی اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ۔"

فوجیوں نے بھی وہی کیا جو یہ دونوں کر رہے تھے۔

پھر الپ ارسلان اور خواجہ حسن مصنوعی ندی کے کنارے کھڑے ہو گئے۔

الپ ارسلان نے اپنے استاد کی طرف دیکھا۔ استاد نے اپنی گردن کی ہلکی سی جنبش سے الپ ارسلان کو اجازت دے دی کہ وہ جو چاہے کہہ سکتا ہے۔

الپ ارسلان نے صاف صاف اعلان کر دیا: "مجھے میرے استاد اور اتالیق خواجہ حسن نے یہ بتایا ہے کہ انھوں نے میرے لیے ایک ایسی فوج تیار کر لی ہے جس کے ہوتے ہوئے ہم سب بڑی سے بڑی مصیبت بھی جھیل لیں گے اور سرخرو ہو جائیں گے۔"

فوج الپ ارسلان کے حکم کی تعمیل کر رہی تھی اور ذرا سی دیر میں وہ مستعد اور چوکس ہو گئی۔

جب یہ فوج بھی مصنوعی ندی کے کنارے پہنچ گئی تو الپ ارسلان نے انھیں بتایا: "آج ہم حافظ اور علمائی دعاؤں کے زیر سایہ اس چھوٹی سی ندی کو عبور کر جائیں گے۔ سب سے پہلے میں اور خواجہ حسن اپنے اپنے گھوڑے ندی میں اتارتے ہیں۔ تم ہمارے پیچھے آ جاؤ اور ندی عبور کر کے دشمن کو بھاگنے کا کوئی موقع نہ دو۔"

دونوں نے اپنے اپنے گھوڑے ندی میں اتار دیے۔ فوج نے بھی دیکھا دیکھی وہی کیا جو انھیں نظر آ رہا تھا۔

دوسرے کنارے پر قتلمش کی فوج پڑاؤ ڈالے پڑی تھی اور اس کو یقین تھا کہ الپ ارسلان ندی عبور کر کے نہیں آ سکتا۔

لیکن جب انھوں نے گھوڑوں اور سواروں کو ندی میں ڈبکیاں کھاتے اور آگے بڑھتے دیکھا تو ان کے ہوش و حواس ہی جاتے رہے۔ وہ چیختے ہوئے فرار ہونے لگے: "شاید یہ جنوں کی فوج ہے جو بڑھی چلی آ رہی ہے، ندی کو تیر کر پار کر رہی ہے۔"

جب قتلمش کو یہ عجیب خبر پہنچائی گئی تو وہ اپنی فوج کے ساتھ آگے بڑھا لیکن اس کی فوج اس دریائی فوج سے خوفزدہ نظر آ رہی تھی۔

خواجہ حسن نے راستے میں مشورہ دیا: "اس طرف پہنچتے ہی جنگ شروع کر دینی ہے۔ دشمن کو کسی قسم کا موقع نہیں دینا ہے۔"

قتلمش کو بھی یہ امید نہیں تھی کہ اس کا بھتیجا اس طرح اس کے سر پر پہنچ جائے گا۔ وہ بھی خاصا مرعوب ہو چکا تھا۔

الپ ارسلان اور خواجہ حسن نے خشکی پر قدم رکھتے ہی جنگ شروع کر دی۔ ان کا انداز غیر معمولی جارحانہ تھا۔

قتلمش کی فوج پیچھے ہٹنے لگی۔

خواجہ حسن بے حد خوش تھا کہ اس کی تجویز حیرت انگیز طور پر کامیاب رہی تھی، اور ایک جان بھی ضائع نہیں ہوئی تھی۔

الپ ارسلان فوج کے ایک حصے کو پہاڑی کی طرف لے گیا۔ اس طرح اس نے پہاڑی پر چڑھنے کا راستہ بند کر دیا تھا۔ قتلمش کی فوج ابتری کا شکار تھی۔

الپ ارسلان ایک پہاڑی پر چڑھ گیا اور وہاں سے اعلان کیا۔

"دیکھو! اس ہنگامے میں میرے چچا قتلمش کو کہیں ہلاک نہ کر دیا جائے۔ چچا کو میرے پاس زندہ لاؤ، میں انھیں معاف کر دوں گا۔"

اس اعلان نے الپ ارسلان کی فوج کے حوصلے بڑھا دیے اور دشمن کی فوج کے حوصلے پست کر دیے۔

خواجہ حسن نے قتلمش کو ایک طرف بے جگری سے لڑتے دیکھا تو خود بھی اسی طرف چلا گیا۔ قتلمش نے بھی خواجہ حسن کو اپنی طرف آتے دیکھ لیا۔

خواجہ حسن نے کہا: "قتلمش! مت لڑو، اپنے بھتیجے سے مفاہمت کر لو، اور جہاں ہو وہیں حکومت کرتے رہو۔"

قتلمش نے جواب دیا: "یہ تو الپ ارسلان کو سمجھائیں اس کا بزرگ ہوں، اس کے پاس جو کچھ ہے میں اس سے زیادہ دے سکتا ہوں۔"

قتلمش کی سپاہ کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس نے راہ فرار اختیار کی۔ الپ ارسلان کی فوج اس کا پیچھا کر رہی تھی۔

خواجہ حسن قتلمش کو تیار کر رہا تھا۔

الپ ارسلان ایک پہاڑی سے اپنے چچا کی شکست اور فرار کا منظر دیکھ رہا تھا اور بار بار یہی کہہ رہا تھا کہ میرے چچا کو ہلاک نہ کیا جائے۔

جب ساری فوج حوصلہ ہار گئی تو قتلمش بھی حوصلہ ہار گیا۔ اب اس کے سامنے کرہ کوہ کے مشرق میں وہ پگڈنڈی تھی جو ریگستان پر جا کے ختم ہو جاتی تھی اور یہاں الپ ارسلان

کے خوں آشام سپاہی بھی نہیں تھے جب قتلمش نے اس پگڈنڈی سے فرار ہو جانے کا ارادہ کیا تو اس کے ایک امیر نے اسے مشورہ دیا: "آپ کیوں بھاگ رہے ہیں، آپ کا بھتیجا آپ کو معافی دے چکا ہے۔ اس کے پاس جائیے اور اپنے علاقے پر دوبارہ حکومت شروع کر دیجیے۔"

قتلمش کے مایوس چہرے پر ایک اداس مسکراہٹ نمودار ہو کر غائب ہو گئی: "وہ اعلان تو کر رہا ہے لیکن مجھے معاف نہیں کرے گا۔ وہ دھوکے سے مجھے گرفتار کرنا چاہتا ہے۔"

امیر نے کہا: "میرا خیال ہے ایسا نہیں ہے۔"

اچانک گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں آنے لگیں۔ قتلمش کو یقین ہو گیا کہ الپ ارسلان کے شکاری بو سونگھتے ہوئے اس کے سر پر پہنچنے ہی والے ہیں۔ اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ گھوڑا ایک چٹان سے ٹکرایا اور قتلمش... پشت سے اچھل کر کنپٹی کے بل ایک نوک دار پتھر پر جا گرا۔ پتھر کی نوک کنپٹی کے اندر گھس گئی اور قتلمش تڑپنے لگا۔

جنگ ختم ہو گئی اور الپ ارسلان نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ خیموں کو لوٹ کر ان پر قبضہ کر لیا جائے۔

الپ ارسلان بذاتِ خود اپنے چچا کے خیمے میں چلا گیا۔

سپاہیوں نے جی بھر کے لوٹ مار کی۔ خواجہ حسن لوٹ مار کے عبرتناک مناظر دیکھتا ہوا الپ ارسلان کے خیمے میں داخل ہوا۔ الپ ارسلان نے کھڑے ہو کر اپنے وزیر کا استقبال کیا اور پوچھا: "کچھ چچا کا بھی پتا چلا؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا: "ان کو آپ کے جانثار تلاش کر رہے ہیں۔ شاید وہ بہت جلد آپ کی خدمت میں پیش کر دیے جائیں گے۔"

اتنے میں ایک سپاہی بھاگتا ہوا آیا اور عرض کیا: "میں چچا قتلمش کو نہیں پہچانتا۔ براہِ کرم میرے ساتھ ایک ایسا آدمی کر دیا جائے جو ان کو پہچان سکتا ہو۔"

خواجہ حسن اس کے ساتھ ہو لیا۔ سپاہی نے خواجہ حسن کو قتلمش کی لاش کے پاس لے جا کر کھڑا کر دیا۔

خواجہ حسن نے اس اوندھے منہ پڑی لاش کو پہچان لیا اور دل ہی دل میں اس کے لیے فاتحہ پڑھنے لگا۔ کنپٹی سے جاری ہونے والا خون سیاہ پڑتا جا رہا تھا۔

خواجہ حسن لاش کے پاس بیٹھ کر رونے لگا۔

خواجہ حسن کے پاس ہی ایک دوسرا شخص بھی بیٹھ کر آنسو بہانے لگا۔

خواجہ حسن نے اس شخص کو دیکھا اور احتراماً ذرا پیچھے کھسک گیا۔ یہ الپ ارسلان تھا جو اپنے چچا کی جستجو میں یہاں تک آ گیا تھا۔

الپ ارسلان نے چچا کی لاش کو سیدھا کیا اور کہا۔ "کیا آپ نے میری آواز، میرے اعلان نہیں سنے ہیں؟ تو آپ سے بدرجۂ مجبوری لڑ رہا تھا۔"

خون قتلمش کے منہ اور ناک سے بھی جاری تھا۔ الپ ارسلان اسے اپنی آستین سے پونچھنے لگا۔ "واللہ میں یہ چاہتا تھا کہ آپ ہمارے اس پاس بزرگ بن کر رہیں لیکن آپ میری بات سمجھے ہی نہیں۔ اب میں آپ کو کہاں سے لاؤں!"

الپ ارسلان سسکیوں سے رونے لگا۔ اسے اپنے چچا کی موت کا بے حد غم تھا۔

خواجہ حسن نے الپ ارسلان سے درخواست کی: "آپ اپنے خیمے میں چلیں۔"

الپ ارسلان نے کہا: "میرے چچا کو میرے ساتھ ہی خیمے میں لے جایا جائے۔"

خواجہ حسن نے عرض کیا: "اب اس جسدِ خاکی میں بچا ہی کیا ہے۔ اب اس کو اس کی صحیح جگہ پہنچا دینا چاہیے۔"

الپ ارسلان ناراض ہو گیا: "کیا آپ میری بات سمجھ نہیں رہے ہیں؟"

خواجہ حسن سنبھل گیا: "میں آپ کی بات خوب سمجھ رہا ہوں، اور آپ کے چچا کو وہیں لے جایا جائے گا جہاں آپ چاہتے ہیں۔"

قتلمش کی لاش الپ ارسلان کے خیمے میں پہنچا دی گئی۔ الپ ارسلان نے اپنے امرا اور فوجی سرداروں کو یکجا کیا اور اپنے چچا کے سوگ میں آنسو بہاتا رہا۔ وہ بار بار یہی کہتا رہا کہ میں آپ کو مارنا نہیں چاہتا تھا۔ جو کچھ ہوا آپ کی غلط فہمی اور بے جا اندیشوں سے ہوا۔

الپ ارسلان گردِ کوہ میں دو دن پڑا رہا۔ پھر وہاں کا نظم و نسق اپنے ایک امیر کے حوالے کیا اور خواجہ حسن کی تجویز اور مشورے سے رے روانہ ہو گیا۔

رے میں اس کی مزاحمت کرنے والا کوئی نہ تھا۔ اسے کسی نے بھی نہیں روکا۔ رے کے باہر شہر کے تاجروں نے الپ ارسلان کا شاندار استقبال کیا۔ انھی کے مشورے پر الپ ارسلان نے شہر کے باہر اپنے خیمے نصب کرا دیے۔ تاجروں کا خیال تھا کہ اس طرح الپ ارسلان کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ کون اس کی آمد سے خوش

جُوں مارنے کی سزا

۱۱۵۹ء میں گجرات کے بادشاہ کمار پال نے جین مت قبول کیا۔ نیا مذہب قبول کرنے کے بعد وہ اہنسا کے اصولوں پر نہ صرف خود سختی سے کاربند ہوا بلکہ اپنی رعایا کے لیے بھی ان اصولوں کے توڑنے پر سخت سزائیں مقرر کیں۔ اسی دور میں ایک سوداگر نے بدقسمتی سے ایک جُوں کو مار ڈالا۔ بادشاہ کمار پال نے اس کا مقدمہ ایک خاص عدالت میں چلوایا اور اس جرم کی پاداش میں سوداگر کا تمام مال و متاع ضبط کر لیا گیا اور اس رقم سے ایک مندر تعمیر کروایا گیا۔

مولانا امداد صابری کی "تاریخ جرم و سزا" سے

ہے اور کون ناخوش۔ یہ لوگ ابونصر، سلطان کی ماں اور سلطان سلیمان کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے تھے کیونکہ یہ تینوں مل کر الپ ارسلان اور اس کی فوج کے بارے میں کچھ بھی کر سکتے تھے۔

الپ ارسلان نے شہر کے باہر اسی طرح اپنا دربار لگایا جس طرح سلطان طغرل لگایا کرتا تھا۔ یا کوئی بھی خود مختار سلطان لگا سکتا ہے۔ اس دربار میں رے کے معزز لوگ حاضریاں دینے لگے۔ سب سے پہلے رے کا ایک شاعر حاضر ہوا۔ اور الپ ارسلان کی شان میں اس نے جو پچاس اشعار کا ایک قصیدہ لکھا تھا، وہ سنانے لگا، لیکن چند شعر سننے کے بعد ہی الپ ارسلان نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔ کہا: "اپنا کلام خواجہ حسن کو دے دے۔ وہ اس کا واجبی نذرانہ پیش کر دے گا۔"

شاعر بدمزہ ہوا لیکن خواجہ حسن نے اسے سمجھایا: "الپ ارسلان کو ابھی بہت سے کام کرنے ہیں۔ اس لیے اس وقت کا انتظار کر جب تجھ کو دربار میں بلوا کر تیرا کلام سُنا جائے گا۔"

شاعر انعام لے کر چلا گیا۔ اس کے بعد رے کے تاجروں نے حاضریاں دیں۔

اندر شہر میں سلطان سلیمان کی ماں نے ابونصر کو بلوا کر سوالات شروع کر دیے۔ وہ بہت زیادہ پریشان تھا۔ اس کا چہرہ دُھواں دُھواں ہو رہا تھا اور آنکھوں میں مایوسی کے سائے تھے۔ وہ ابونصر سے پوچھ رہی تھی: "ہماری فوج کہاں ہے؟ کیا الپ ارسلان کو کوئی بھی نہیں روکے گا؟"

ابونصر نے تھکے تھکے لہجے میں جواب دیا: "فوج تو موجود ہے لیکن وہ اپنے سامنے اور سب سے آگے اپنے سلطان کو دیکھنا چاہتی ہے۔"

ماں نے بددلی سے کہا: "لیکن سلیمان کو تو جنگ کا کوئی تجربہ ہی نہیں۔ تو تو تجربہ کار ہے تو ہی حوصلہ کر اور آگے بڑھ۔"

لیکن ابونصر نے معذرت کر لی: "اب میں کسی لائق نہیں رہا۔ سلطان سے کہیے ہمت کرے۔"

سلطان یہ خبر سن کر کہ الپ ارسلان رے کے باہر فوج کے ساتھ ٹھہرا ہوا ہے، بہت خوفزدہ ہو چکا تھا۔ اس نے اپنے ترک دوستوں سے مشورہ کیا کہ اب اس کو کیا کرنا چاہیے؟

اوباش ترک نوجوان نے جواب دیا: "آپ فوج کے ساتھ باہر نکلیں۔ ہم آپ کے ساتھ چلیں گے۔"

سلطان اس مشورے سے ناراض ہو گیا: "تم لوگوں کے ساتھ میں کیوں چلوں؟ میں سلطان ہوں۔ فوج لے کر تم جاؤ۔"

ترک نوجوان نے سلطان کا مذاق اڑایا: "سلطان کو محل سے باہر تو نکلنا ہی پڑے گا۔"

لیکن سلطان محل سے باہر نکلنے کے لیے بالکل تیار نہ تھا۔ اس نے اپنے دو چار ساتھیوں کو آزمانے کی کوشش کی۔ انھیں بھی بلوایا اور مسئلہ ان کے سامنے رکھ دیا۔

وہ ہنسنے لگے۔ گویا سلطان کا مذاق اڑا رہے ہوں۔

سلطان نے غصے میں پوچھا: "تم ہنس کیوں رہے ہو؟"

ایک نے جواب دیا: "صرف اس خام خیالی اور نادانی پر کہ ہم یا کوئی اور آپ کی حکومت کے لیے خود کو ہلاکت میں کیوں ڈالے گا۔"

سلطان بے بس تھا۔ قسمت اسے جو کچھ سنا رہی تھی، وہ سن رہا تھا اور جو کچھ سن رہا تھا بالکل خلافِ توقع سن رہا تھا۔

اس نے اپنے دوستوں سے مشورہ کیا: "اب میں کیا کروں اس مصیبت کو کس طرح ٹالوں؟"

ایک دوست نے جواب دیا: "جناب والا! آپ کا بھائی الپ ارسلان شہر کے دروازے پر کھڑا دستک دے رہا ہے۔ آپ فوج لے کر باہر نکلیں اور اس کا مقابلہ کر کے منہ پھیر دیں۔"

سلطان نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا "اے کاش! یہ بات میرے بس میں ہوتی۔ اپنی فوج کو لے کر اگر میدان جنگ میں پہنچ بھی جاؤں تو فوج کو میں لڑاؤں گا کس طرح؟"

دوست نے مشورہ دیا "تب پھر آپ اپنے اس کام کے لیے ابونصر کو یاد فرمائیں۔ وہ اسے بخیر و خوبی انجام دے سکتا ہے۔"

سلطان نے دوست کی بات مان لی۔ لیکن اسے ابونصر پر بھروسا نہیں تھا۔ اس نے ابونصر کو بلوالیا اور سیدھے سادے لفظوں میں اسے بتادیا کہ وہ یہاں کیوں بلایا گیا ہے۔

ابونصر نے پوچھا "لیکن جب آپ کا بڑا بھائی آپ سے جنگ نہیں کر رہا ہے تو آپ جنگ کی باتیں کیوں کر رہے ہیں؟"

سلطان نے کہا "وہ اپنی فوج کے ساتھ میرے پاس آیا ہے۔ اس کے عزائم جنگی ہیں۔"

ابونصر نے الپ ارسلان کی وکالت کی "آپ کو بھائی کے خلاف ورغلایا جارہا ہے۔ حالانکہ الپ ارسلان آپ کا پشت پناہ بن کے آیا ہے۔"

سلطان نے امید افزا لہجے میں پوچھا "کیا وہ مجھے حسب معمول سلطان رہنے دے گا؟"

ابونصر نے جواب دیا "کیوں نہیں رہنے دے گا۔ الپ ارسلان کو راضی رکھنے کے لیے ہی تو میں نے خطبے میں اس کا نام پہلے رکھ دیا تھا۔ آپ سلطان مرحوم کے مقرر کردہ سلطان ہیں۔ کیا الپ ارسلان اس کا بھی احترام نہیں کرے گا؟" پھر خود ہی اس کا جواب دیا "کرے گا اور ضرور کرے گا۔"

سلطان کے دوست سلطان کی نادانی پر منہ پھیر پھیر کر ہنس رہے تھے۔ سلطان نے ایک جھلک دیکھ لی اور پوچھا "آخر تم سب لوگ ہنس کیوں رہے ہو؟"

دوست نے جواب دیا "ہم نے آپ جیسا سلطان اور ابونصر جیسا وزیر نہ دیکھا نہ سنا۔ دونوں خوب ہیں۔"

ابونصر ناراض ہوگیا "اچھا اب میں چلتا ہوں۔ مجھے اور بھی کئی کام انجام دینا ہیں۔"

سلطان نے اس کے اکھڑے اکھڑے لہجے سے اس کی ناراضی کا اندازہ لگالیا تھا۔ پوچھا "کیا آپ مجھ سے ناراض ہیں؟"

ابونصر نے سلطان کے دوستوں کی طرف اشارہ کیا "جہاں اتنے بہت سے مشیر موجود ہوں وہاں میری کیا ضرورت؟ آپ اپنی فوج ان کے حوالے کر دیں۔ یہ الپ ارسلان کو مار بھگائیں گے۔"

سلطان اپنے دوستوں پر گرم ہوگیا "تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ دفع ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے! مجھے اپنے وزیر سے مشورے کرنے دو۔"

دوستوں نے ابونصر کو مسکراتے ہوئے دیکھا "آپ ہی نے اس سلطنت کو مضبوط کیا تھا اور شاید اب آپ ہی اسے منتشر کر دیں گے۔"

ابونصر کے دل پر جو ہیبت رہی تھی کچھ وہی جانتا تھا۔ جانے والے جو کچھ کہہ گئے تھے ابونصر اس سے لرز گیا تھا۔

سلطان نے پوچھا "کیا میں مطمئن ہو جاؤں۔ الپ ارسلان واپس چلا جائے گا؟"

ابونصر نے جواب دیا "واپس کیوں نہیں جائے گا۔ اس نے آپ کی خاطر ختلان اور صغانیاں کی بغاوتیں فرو کیں۔ پھر آپ ہی کی طرف سے آپ کے چچا موسیٰ بیغو اور قتلمش سے جنگیں لڑیں۔ اب وہ آپ کے پاس داد و تحسین اور انعام و اکرام حاصل کرنے آیا ہے۔ آپ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں کیوں نہیں سمجھ رہے ہیں؟"

سلطان اب خوش نظر آرہا تھا "ہاں الپ ارسلان میرے پاس آئے۔ میں انعام و اکرام سے اسے نوازوں گا۔ میں اس سے بہت خوش ہوں۔"

ابونصر نے عرض کیا "اگر آپ اجازت دیں تو کل میں خود چلا جاؤں الپ ارسلان کے پاس؟"

سلطان نے فوراً اجازت دے دی "آپ ضرور جائیں اس کے پاس۔ آپ الپ ارسلان سے کہیں کہ میں اس سے بہت خوش ہوں۔ آپ اس سے یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ خراسان کی حکومت تو اسی کی ہے ہی۔ میں اس کے علاوہ بھی اس کو کچھ دینا چاہتا ہوں۔"

ابونصر نے کہا "آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں۔ یہ ساری باتیں الپ ارسلان کے سامنے گزار دوں گا، ایک ایک بات۔"

ابونصر جانے لگا تو سلطان بھی اس کے ساتھ چلنے لگا۔ وہ ابونصر سے کہہ رہا تھا "الپ ارسلان سے کہنا میں خود حاضری دینے والا تھا، لیکن میری غیر معمولی مصروفیات مانع ہیں۔"

ابونصر نے جواب دیا "میں آپ کی ہر بات الپ ارسلان تک پہنچا دوں گا، مگر وہاں جانے سے پہلے ایک گزارش کروں گا۔"

سلطان نے پوچھا "وہ کیا؟"

ابونصر نے عرض کیا "میں وہاں پہلی بار جاؤں گا۔ اس لیے کوئی تحفہ یا نذرانہ تو مجھے بھی ساتھ ضرور لے جانا چاہیے۔"

سلطان نے محل کے اندر جاتے ہوئے کہا "یہیں رکیں کہیں جائیں مت" "میں ابھی آتا ہوں۔"

اور جب وہ کچھ دیر بعد واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ہزار دیناروں کی ایک تھیلی تھی۔ اسے ابونصر کی طرف بڑھا دیا۔ "فی الحال یہ ہزار دینار لے جائیں۔ بعد میں بھی اس کو خوب خوب نوازوں گا۔ آپ الپ ارسلان کو یہ یقین دلا سکتے ہیں؟"

ابونصر محل سے نکل کر اپنے محل گیا۔ وہاں غسل کیا، دوسرا لباس پہنا اور پانچ سو دینار اپنے ساتھ لے کر الپ ارسلان کے پاس چلا گیا۔

وہ راستے میں خاصا پریشان رہا۔ اب وہ یہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ یہ پانچ سو دینار کس کو دیے جائیں۔ الپ ارسلان کو یا خواجہ حسن کو؟

راستے میں اوباش ترکوں نے اس پر آوازے کسے۔ "اس عہد کا لائق و فائق وزیر جو حکومت کو گروی رکھ کر سر بلند کر لیتا ہے۔"

ابونصر ان اوباشوں کے منہ نہیں لگنا چاہتا تھا۔ اس لیے وہ ان کی اور ان کی باتوں کی پروا کیے بغیر ہی آگے بڑھ گیا۔

ان اوباشوں میں شریر ترک بھی شامل تھا۔ وہ شریر ترک جس کو ابونصر نے قید کرا دیا تھا۔

ابونصر ذرا سے باہر نکلا تو ذرا فاصلے پر الپ ارسلان کی خیمہ بستی نظر آئی۔ اس نے اوباش ترکوں کو یہاں بھی دیکھا۔ وہ بھی الپ ارسلان کی خیمہ بستی کی طرف چلے جا رہے تھے۔ ابونصر الپ ارسلان کی طرف جاتے جاتے خواجہ حسن کی طرف چلا گیا۔ دربان نے اسے روک دیا اور اس کا تعارف چاہا۔

ابونصر نے دربان سے کہا: "اپنے آقا سے کہو۔ میں ان کے پچا مرحوم طغرل کا وزیر ابونصر ان سے ملاقات کرنے آیا ہوں۔"

ابونصر کی آواز خواجہ حسن کے کانوں میں پڑی تو وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔

کچھ دیر بعد دربان اندر آیا اور خواجہ حسن کو ابونصر کے بارے میں بتایا۔

ابونصر کو جب یہ بتایا گیا کہ خواجہ حسن ابھی مصروف ہیں، آپ کو کچھ انتظار کرنا ہوگا تو اسے بڑی اذیت ہوئی۔ اس نے آہستہ سے کہا: "لیکن میں نے اپنے آٹھ سالہ دورِ اقتدار میں کسی شریف انسان کو یوں زحمتِ انتظار نہیں دی۔"

وہ کچھ دیر بعد اکتا گیا۔ دربان سے کہا: "کیا میں واپس چلا جاؤں؟"

دربان نے جواب دیا: "میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

جب وہ اکتا کر اٹھنے ہی والا تھا تو خواجہ حسن نے اسے اندر بلوالیا۔ اندر خواجہ حسن سے ایک فضول سا آدمی باتیں کر رہا تھا۔ وہ خواجہ حسن سے پوچھ رہا تھا: "کیا میں مال کو آج ہی بھیج دوں آپ کے پاس؟"

ابونصر نے اندر داخل ہوتے ہی خواجہ حسن کو سلام کیا۔ سلام کا جواب گردن کے خفیف اشارے سے دیا گیا۔ لیکن جواب فضول سے آدمی کو دیا: "ہاں مال کو اسی وقت بھجوا دو ہمارے پاس۔"

وہ شخص ابونصر کو دیکھ کر رک گیا۔ جھک کر غور سے دیکھا اور حیرت سے کہا: "یہ آپ ہیں ابونصر! واللہ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا۔"

ابونصر نے بھی اسے پہچان لیا۔ یہ پرویز دستور نامی ایک پارسی تھا اور دلیلوں اور خاکروبوں کی فراہمی اس کے ذمے رہتی تھی۔ پرویز دستور، ابونصر کی خدمات بھی انجام دے چکا تھا۔

ابونصر نے کوئی جواب نہ دیا۔ خواجہ حسن نے اسے ڈانٹ دیا: "اب تو جا، فضول باتوں میں کیوں وقت ضائع کر رہا ہے۔"

پرویز دستور چلا گیا اور خواجہ حسن نہایت بے دلی سے ابونصر سے مخاطب ہوا: "ہاں تو یہ بے وقت کیوں آ گئے تم؟"

ابونصر نے کرب زدہ لہجے میں پوچھا: "کیا میرے لیے بھی وقت کی قید ہے یہاں؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا: "ابونصر! تم جانتے ہو کہ اقتدار میں آنے کے فوراً بعد میرے جیسے انسانوں کی مصروفیات میں کتنا اضافہ ہو جاتا ہے۔"

ابونصر دل ہی دل میں کڑھ رہا تھا: "میں جانتا ہوں خوب جانتا ہوں۔ بے شک آپ بے حد مصروف ہیں۔ آئندہ میں احتیاط کروں گا۔"

اس کے بعد ابونصر نے خواجہ حسن کی خدمت میں پانچ سو دینار پیش کیے۔

خواجہ حسن نے دیناروں کی تھیلی بے دلی سے ایک طرف رکھ دی۔ اور پوچھا: "اس میں کیا ہے؟"

ابونصر نے جواب دیا: "پانچ سو دینار۔ آپ کی خدمت میں سورج کی طرح غروب ہوتے ایک وزیر کا حقیر سا نذرانہ۔"

خواجہ حسن ہنسنے لگا: "آدمی سچے ہو۔ پانچ سو دینار اور تم واقعی یہ حقیر سا نذرانہ ہے۔"

ابونصر کے پاس بولنے کے لیے کوئی موضوع ہی نہیں تھا۔ اس لیے خاموش بیٹھا رہا۔

خواجہ حسن بھی عجیب و غریب حرکتیں کر رہا تھا۔ کبھی سر سہلاتا، کبھی ٹھوڑی کھجلانے لگتا۔ وہ ابونصر کی طرف دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔

آخر اکتا کر اس نے اجازت چاہی جو فوراً دے دی گئی۔

جب وہ کھڑا ہو گیا تو خواجہ حسن نے کہا: "دیکھو ابونصر! برا مت ماننا۔ میں ذرا دوسری قسم کا وزیر ہوں۔ میرا کوئی دوست نہیں اس لیے میں کسی کو اپنے پاس نہیں آنے دیتا۔ تم بھی اس کا بطورِ خاص خیال رکھنا اور میرے پاس بہت کم آنا۔"

ابونصر نے جواب دیا: "آپ بلاوجہ پریشان نہ ہوں۔ اب

"میں نہیں آؤں گا۔"

خواجہ حسن اپنے ذہن پر زور دے رہا تھا جیسے کچھ یاد کر رہا ہو۔ پھر کہا۔ "اور ہاں ابونصر! ایک ضروری بات اور۔ کل ہم شہر میں داخل ہو جائیں گے۔ شہزادہ الپ ارسلان ہمارے ساتھ ہوگا۔ تم سلیمان اور اس کی ماں سے کہہ دینا۔ دونوں ہمارے استقبال کو محل سے باہر آجائیں۔"

ابونصر نے جواب دیا۔ "میں آپ کا یہ پیغام ان دونوں تک پہنچا تو دوں گا، لیکن پتا نہیں وہ لوگ باہر آئیں گے یا نہیں۔"

خواجہ حسن نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔ "یہ مذاق نہیں ہے۔ میں جس جس کو اپنے سلطان الپ ارسلان کے استقبال کے لیے کھڑا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں، ان میں تو بھی شامل ہے اور تیرا سلطان بھی اور سلطان کی ماں بھی۔"

ابونصر نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ آپ ایسا نہ کریں۔ اور سلطان اور اس کی ماں کو محل سے باہر آنے پر مجبور نہ کریں۔"

خواجہ حسن نے ترش لہجے میں کہا۔ "میں تم سب کی طرف سے جذبۂ خیر سگالی کا مظاہرہ ہوتے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

ابونصر نے تھکے تھکے قدموں اور رندھے ہوئے گلے سے کہا۔ "میں آپ کا یہ پیغام ان دونوں تک پہنچا دوں گا۔"

خواجہ حسن نے ابونصر کی طرف نظر اٹھا کے دیکھا تک نہیں اور ابونصر باہر نکل گیا۔

ابونصر شاید سیدھا محل واپس چلا جاتا لیکن اچانک اسے الپ ارسلان کا خیال آگیا اور وہ الپ ارسلان کے خیمے کی طرف چلا گیا۔

اس وقت الپ ارسلان اپنے فوجی سرداروں سے بعض اہم معاملوں میں مشورے کر رہا تھا لیکن اس کو جیسے ہی یہ بتایا گیا کہ ابونصر اس سے ملنا چاہتا ہے، الپ ارسلان نے مجلس مشاورت برخاست کر دی اور ابونصر کو اندر بلا لیا۔

وہ ابونصر کی پیشوائی کے لیے خیمے کے دروازے تک آیا اور ابونصر کو دیکھتے ہی اسے سلام کیا اور ابونصر سے مصافحہ کر کے اسے بوسہ بھی دیا۔

ابونصر اس کے سلوک سے بے حد متاثر ہوا۔ اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ بولا۔ "آپ مجھے اتنی عزت نہ دیں کہ میں برداشت نہ کر سکوں۔"

الپ ارسلان اسے اپنی جگہ تک لے گیا اور ابونصر کو اپنے پاس بٹھا کر تعریفیں کرنے لگا۔ "میں آپ کو اپنے چچا طغرل مرحوم کی نشانی سمجھتا ہوں۔ وہ آپ کی ذہانت اور لیاقت کے بے حد قائل اور مداح تھے۔"

ابونصر نے کرب زدہ لہجہ اختیار کیا۔ "ہاں، وہ سب ایک شخص کی ذات سے وابستہ تھا۔ جب وہ چلا گیا تو میں نکما اور فضول انسان رہ گیا۔"

الپ ارسلان نے ابونصر کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا۔ "آپ نے میرے لیے جو کچھ کیا، میں اسے ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ آپ نے میری عدم موجودگی میں خطبوں میں میرا نام سلیمان سے پہلے شامل کرایا۔ اور اب میں آپ کی وجہ سے اس لائق ہوا ہوں کہ ایک قطرہ خون بہائے بغیر شہر رے میں داخل ہو جاؤں گا۔"

ابونصر نے اپنی صفائی پیش کی۔ "میں نے سلیمان کو سلطان مرحوم کی وصیت کے مطابق سلطان بنا دیا۔ لیکن میں نے ایسا بدرجۂ مجبوری کیا تھا اور پھر جیسے ہی مجھے موقع ملا، میں نے آپ کا نام بھی خطبے میں شامل کرا دیا۔"

الپ ارسلان نے اس کا شکریہ ادا کیا اور کہا۔ "آپ نے میرے لیے جو کچھ کیا، میں اس کا آپ کو کوئی صلہ تو نہیں دے سکتا لیکن اب آپ بھی خواجہ حسن کے ساتھ وزارت میں اس کے شریک رہیں گے۔ اب آپ دونوں میرے وزیر ہیں۔"

ابونصر نے سرد آہ بھری۔ "شاید میری قسمت آپ کے حسنِ سلوک کی متحمل نہ ہو سکے۔"

الپ ارسلان نے کہا۔ "آپ مایوس نہ ہوں۔ میں الپ ارسلان سلطنتِ سلجوقیہ کا سلطان آپ سے یہ وعدہ کر رہا ہوں۔"

الپ ارسلان نے دیکھا ایک غلام اس کی طرف بھاگا چلا آرہا ہے۔ اس نے بہ آوازِ بلند پوچھا۔ "کیا بات ہے؟ کوئی خاص بات؟"

غلام نے جواب دیا۔ "وزیر خواجہ مخدوم اذنِ باریابی چاہتے ہیں۔"

الپ ارسلان خوش ہوا۔ "خواجہ حسن؟ خوب! میں اس کا منتظر بھی تھا۔"

غلام واپس گیا اور کچھ دیر بعد خواجہ حسن اندر داخل ہوا۔ اس نے الپ ارسلان کے ہاتھ میں ابونصر کا ہاتھ دیکھا تو حسد سے پریشان ہو گیا۔

الپ ارسلان نے ابونصر کے بارے میں اپنے خیالات ظاہر کیے۔ "میں نے ابونصر کی خدمات کے صلے میں آپ کی وزارت میں اسے بھی شریک کر دیا ہے۔"

خواجہ حسن نے ابونصر سے کہا۔ "اگر آپ میرے پاس سے اٹھتے ہوئے یہ بتا دیتے کہ میں سلطان الپ ارسلان کے پاس جا رہا ہوں تو شاید میں بھی آپ کے ساتھ ہی یہاں آجاتا۔"

الپ ارسلان نے ابونصر کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ "تو ابونصر سے آپ کی ملاقات ہو چکی ہے؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا۔ "جی بندہ پرور بلکہ اس شخص نے

پانچ سو دینار بھی بطور نذر پیش کیے۔ خواجہ حسن دیناروں کی تھیلی اپنے ساتھ لایا تھا۔ وہ الپ ارسلان کی خدمت میں پیش کر دی اور کہا: "میں نے اس سے اس وقت کہہ دیا تھا کہ ان دیناروں کو آپ کی خدمت میں پیش کیا جائے لیکن یہ دیناروں کی تھیلی میرے پاس چھوڑ کر یہاں آپ کے پاس چلا آیا۔"

الپ ارسلان کو وحشت سی ہو رہی تھی۔ وہ کچھ دیر ابونصر کو دیکھتا رہا۔ اس کے بعد ٹہلنے لگا اور ابونصر سے پوچھا: "اے ابونصر! یہ تو نے کیا کیا، یہ میں کیا سُن رہا ہوں؟"

ابونصر کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔

الپ ارسلان بڑی بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ خواجہ حسن کہنے لگا: "آپ نے ابونصر کو میری وزارت میں شریک کر دیا۔ یہ بہت اچھا کیا۔ میں اس کے تجربات سے فائدے اٹھا سکوں گا۔ لیکن فی الحال دو چار ماہ ابونصر کو آرام کرنا چاہیے کیونکہ ابونصر ابھی ذہنی طور پر اس لائق نہیں کہ کارِ وزارت انجام دے سکے۔"

ابونصر خوب سمجھ رہا تھا کہ خواجہ حسن اس کو قبول نہیں کر رہا۔ اب وہ اس حیثیت میں نہیں تھا کہ خواجہ حسن کی مخالفت مول لے۔ وقت اور اس کی قسمت نے اسے ایک دوراہے پر کھڑا کر دیا تھا جو ایک طرف تو خندق پر جا کے ختم ہو جاتا تھا اور دوسری طرف کنوئیں پر۔

الپ ارسلان نے خواجہ حسن سے اختلاف کیا: "نہیں ابونصر کو آرام نہیں کرنے دیا جائے گا۔ یہ وزیر تھا، وزیر ہے، وزیر رہے گا۔"

خواجہ حسن مجبور ہو گیا: "ٹھیک ہے جیسی آپ کی مرضی۔"

الپ ارسلان نے ابونصر کو سمجھایا: "دیکھو ابونصر! گھبراہٹ یا پریشانی میں کوئی ایسی حرکت نہ کرو کہ اس کے اثرات تمھیں پریشان کریں۔"

ابونصر نے عرض کیا: "میں اپنی دانست میں کوئی بھی ایسا کام نہیں کرتا ہوں جس سے مجھے پریشانی اٹھانا پڑے، لیکن قسمت کی برگشتگی اور مقدر کی زبوں حالی کا اس کا کوئی حل نہیں میرے پاس۔"

ابونصر وہاں سے چلا آیا اور الپ ارسلان خواجہ حسن کو سمجھاتا رہا کہ وہ ابونصر کی مخالفت نہ مول لے۔

خواجہ حسن نے عرض کیا: "میں ابونصر کا مخالف نہیں ہوں بلکہ میں جو چاہتا ہوں، ابونصر اس سے اتفاق نہیں کرتا اور یہیں سے جھگڑا شروع ہو جاتا ہے۔"

الپ ارسلان نے پوچھا: "آپ کیا چاہتے ہیں؟ مثلاً؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا: "مثلاً میں یہ چاہتا ہوں کہ کل جب آپ رے میں داخل ہوں تو سلیمان اور اس کی ماں اپنے امراء اور عمائدینِ سلطنت کے ساتھ آپ کا استقبال کریں، لیکن ابونصر کو میری اس تجویز سے اختلاف ہے۔"

الپ ارسلان نے کہا: "نہیں، آپ کی یہ تجویز مناسب نہیں ہے۔ ان دونوں کو ہمارا استقبال نہیں کرنا چاہیے۔"

خواجہ حسن اس بار اپنی بات پر اڑا رہا: "میری ناقص عقل تو یہی کہہ رہی ہے کہ جس طرح ایک نیام میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں، اسی طرح ایک ہی مملکت میں دو بادشاہ بھی نہیں رہ سکتے۔ اگر وہ دونوں آپ کے استقبال کو حاضر ہو گئے اور دنیا نے یہ منظر دیکھ لیا تو اس سے دنیا کی نظر میں آپ سلطان ٹھہریں گے اور وہ دونوں آپ کے عزیز، رشتے دار یا رعایا۔"

خواجہ حسن کی باتوں میں وزن تھا۔ الپ ارسلان بھی کسی حد تک قائل ہو گیا: "آپ کی باتیں معقول ہیں لیکن سلیمان میرا بھائی اور اس کی ماں میری ماں ہے۔ میں ان دونوں کو اتنی نیچی سطح پر نہیں لانا چاہتا۔"

خواجہ حسن نے کہا: "آپ سلطان ہیں، ہم سب کے سلطان۔ آپ کسی کے عزیز یا رشتے دار نہیں کیونکہ سلطان صرف سلطان ہوتا ہے۔ وہ نہ تو کسی کا بیٹا ہوتا ہے نہ کسی کا باپ۔ رشتے داریاں عام لوگوں میں ہوا کرتی ہیں۔ ایک سلطان کی نظر میں صرف ایک رشتہ ہوتا ہے وہ ہے پرجا اور رعایا کا رشتہ۔"

الپ ارسلان نے پوچھا: "سلطان کا کوئی عزیز یا رشتے دار نہیں ہوتا یعنی؟ کیا چغری داؤد میرا باپ نہیں تھا؟ کیا طغرل میرا چچا نہیں تھا؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا: "جب چغری داؤد آپ کے باپ یا سلطان طغرل مرحوم آپ کے چچا تھے، اس وقت آپ سلطان نہیں تھے۔"

الپ ارسلان نے پوچھا: "لیکن سلطان کے عزیز یا رشتے دار کیوں نہیں ہونے چاہئیں؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا: "اس لیے کہ عزیز و رشتے دار جذبۂ ترحم کے متقاضی ہوتے ہیں جبکہ ایک سلطان کو اس سے محروم ہونا چاہیے۔"

الپ ارسلان، خواجہ حسن کی عجیب و غریب باتوں سے حیران تھا۔ پوچھا: "لیکن جذبۂ ترحم تو ایک اچھی چیز ہے۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا: "بے شک ان کے لیے جو اس کے حق دار اور مستحق ہوں۔ سلطان کے عزیز، رشتے دار اپنے رشتے اور تعلق کے گھمنڈ میں ظلم کرتے ہیں اور سلطان سے رشتے داری کے تعلق سے رحم اور رعایت کے طلب گار ہوتے ہیں اور اس طرح وہ سلطان جو کسی کا باپ، کسی کا بھائی اور کسی کا چچا ہوتا ہے، اپنے

جذبۂ ترحم کی وجہ سے ناانصافیوں کا مرتکب ہو جاتا ہے۔"

الپ ارسلان خواجہ حسن سے مرعوب ہو چکا تھا۔ آہستہ سے کہا۔ "اچھا اگر آپ مناسب سمجھتے ہیں کہ سلیمان اور اس کی ماں میرا استقبال کریں تو یہ ذمے داری بھی آپ ہی کو پوری کرنا ہوگی۔ وہ دونوں محل کب کہاں اور کس طرح میرا استقبال کریں گے ساری باتیں آپ طے کریں گے۔"

دوسرے دن علی الصباح الپ ارسلان اپنی فوج کے ساتھ رے میں داخل ہو گیا۔ ابونصر نے اس کا رے کے مشرقی دروازے پر استقبال کیا۔ اس کے چند دوسرے امرا بھی تھے لیکن ابونصر ان میں سب سے آگے تھا۔

الپ ارسلان نے ابونصر کو اپنے بائیں طرف رہنے کا حکم دیا۔ دائیں طرف خواجہ حسن چل رہا تھا۔ سلیمان کی فوج کو غیر مسلح کر دیا گیا تھا اور اسے یہ حکم دے دیا گیا تھا کہ وہ الپ ارسلان اور اس کی فوج کا استقبال کرے۔

ابونصر کے حکم کی حرف بہ حرف تعمیل کی گئی۔ ابونصر نے رے کے سپہ سالار کو اپنے قریب بلایا اور کہا۔ "یہ الپ ارسلان، سلطان طغرل مرحوم کے سب سے بڑے بھتیجے، آج سے تم سب کے سلطان ہیں۔ ان کا استقبال کر لیا۔ اب ان سے اپنے عہدے کی تلوار حاصل کرو۔"

سپہ سالار نے آگے بڑھ کر نئے سلطان کی رکاب کو بوسہ دیا اور الپ ارسلان کی طرف سے ایک تلوار عطا کی گئی۔

رے کے لوگ گل پاشی کر رہے تھے۔ وہ الپ ارسلان سے بہت خوش تھے۔

بازاروں سے گزرتے ہوئے جب یہ لوگ سلطانی محل کے سامنے پہنچے تو دربانوں نے محل کا دروازہ کھول کر اپنے نئے سلطان کا دیدار کیا۔

محل میں داخل ہوتے ہی فوج نے پڑاؤ ڈال دیا۔ اور اس کے کھلے میدان میں خیمے نصب کیے جانے لگے۔

الپ ارسلان دیوار کے قریب گھوڑے سے اترا تو اس کے وزیر اور امرا بھی گھوڑوں سے نیچے آ گئے۔

خواجہ حسن اور ابونصر بھی سلطان کے سامنے مؤدب کھڑے ہو گئے۔

سلطان کی نظریں ابونصر پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ ابونصر کا احسان مند نظر آ رہا تھا۔ خواجہ حسن الپ ارسلان کے احساسات سے خوف زدہ تھا۔

خواجہ حسن نے ابونصر سے کہا۔ "آپ اس محل اور اس کے مکینوں سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اس لیے آپ اندر جائیں اور سب کو مطلع کر دیں کہ سلطان الپ ارسلان محل کے صدر دروازے کے اندر تشریف لا رہے ہیں۔ تم سب اس کی خدمت میں حاضریاں دو۔ اور اس کی خوشنودی حاصل کرو۔"

ابونصر نے سلطان الپ ارسلان کی طرف دیکھا۔ "کیا آپ کے بھائی سلیمان اور ان کی ماں اس حکم سے مستثنیٰ نہیں ہیں؟"

سلطان نے خواجہ حسن کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ سوال خواجہ حسن سے کریں وہی اس وقت مختار کل ہیں۔"

ابونصر نے خواجہ حسن کی طرف دیکھا۔ خواجہ حسن نظریں چرا رہا تھا۔ "کوئی مستثنیٰ نہیں، سب کو حاضریاں دینا ہیں۔"

ابونصر سمجھ گیا کہ خواجہ حسن نے کل کے طے شدہ منصوبے میں تبدیلی کرا لی ہے۔ وہ چپ چاپ محل میں چلا گیا۔

اندر سلیمان اور اس کی ماں بڑی بے چینی سے ابونصر کا انتظار کر رہے تھے۔ ابونصر کو محل کی جالیوں سے اپنی طرف آتے دیکھ کر دونوں دروازے کے پاس کھڑے ہو گئے۔

ابونصر نے محل کے خدمت گار سے جیسے ہی یہ کہا کہ اسے اندر جانے کی اجازت دی جائے۔ خدمت گار نے اشارے سے کہا۔ "آپ اندر جائیں دونوں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

ابونصر جیسے ہی اندر داخل ہوا۔ ماں نے اس کے سینے پر دوہتڑ رسید کیا اور پوچھا۔ "ابونصر! یہ سب کیا ہو رہا ہے؟"

اور سلطان سلیمان نے شکایت کی۔ "تو ملازم ہمارا تھا اور کام الپ ارسلان کے لیے کرتا رہا۔"

ابونصر نے ناگواری سے جواب دیا۔ "میں آپ دونوں کو بیک وقت جواب نہیں دے سکتا۔" اور ماں سے خاص کر کہا۔ "آپ نے میرا سینہ ہلا کے رکھ دیا۔ آپ ہوش میں آئیں تو کوئی بات کروں۔"

دونوں نے خود پر قابو حاصل کیا اور ماں نے پوچھا۔ "میں تجھ سے یہ پوچھتی ہوں کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟"

ابونصر نے جواب دیا۔ "وہی ہوا یا ہو رہا ہے۔ جو سلطان طغرل مرحوم کی وفات کے فوراً بعد ہونا چاہیے تھا۔ اس وقت میں غلطی پر تھا۔"

سلطان سلیمان نے پوچھا۔ "اب اس وقت میں کیا ہوں؟"

ابونصر نے جواب دیا۔ "سلطان الپ ارسلان کے چھوٹے بھائی۔"

اس نے بے چینی سے پوچھا۔ "یعنی یہ کہ اب میں سلطان نہیں رہا۔"

ابونصر نے جواب دیا۔ "سلطان تو آپ کبھی بھی نہیں تھے ایک سلطان کا سایہ تھے۔ ناتجربہ کار، احمق اور فضول سے نوجوان۔"

ماں کو بڑا دکھ تھا۔ پوچھا۔ "اب ہمارا کیا بنے گا؟"

ابونصر نے جواب دیا: "کچھ نہیں، آپ لوگ اس محل کے پرانے مکین ہیں۔ میں الپ ارسلان سے آپ دونوں کی سفارش کروں گا لیکن اس صورت میں کہ آپ دونوں محل سے نکل کر سلطان الپ ارسلان کو خوش آمدید کہیں۔"

اچانک محل میں کہرام برپا ہوگیا۔ ہر طرف سے رونے دھونے کی آوازیں آرہی تھیں۔ ابونصر پریشان ہو رہا تھا کہ کہیں الپ ارسلان کے آدمیوں نے کسی قسم کی زیادتی تو نہیں شروع کر دی۔ لیکن سلطان سلیمان اور اس کی ماں پریشان نہیں تھے۔ اس چیخ و پکار نے ان دونوں کو نہ تو حیران کیا تھا نہ پریشان۔

ابونصر نے پوچھا: "یہ محل میں کیسا کہرام برپا ہے؟"

سلطان کی ماں نے جواب دیا: "رے اور محل پر الپ کا قبضہ کرا دیا اور مجھ سے پوچھتے ہو کہ یہ کیسا کہرام برپا ہے؟"

ابونصر نے عرض کیا: "مادرِ محترم! آپ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں نے جو کچھ کیا وہ اس سے بہتر ہے جو خود بخود پیش آنے والا تھا۔"

سلطان کی ماں نے پوچھا: "یہ خود بخود کیا پیش آنے والا تھا؟"

ابونصر نے جواب دیا: "رے پر آپ کے مرحوم شوہر کا بھائی موسیٰ بیغو اور قتلمش یکے بعد دیگرے حملہ آور ہونے والے تھے۔ ان خطرات کا مقابلہ الپ ارسلان نے کیا اور ہمیشہ کے لیے انہیں ختم کر دیا۔ اگر وہ رے میں فاتحانہ شان سے داخل ہوتے تو بہت خون خرابا ہوتا اور رے کو بڑی تباہ کاریاں دیکھنا پڑتیں۔"

شاید سلطان کی ماں کی سمجھ میں یہ آخری بات آگئی تھی۔ پوچھا: "الپ ارسلان ہمارے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟"

ابونصر نے جواب دیا: "وہی جو ایک بیٹا اپنی ماں کے ساتھ کرتا ہے۔"

سلطان سلیمان دونوں کی باتیں غور سے سن رہا تھا۔ وہ ان دونوں کی مفاہمانہ بات چیت سے بالکل مطمئن نہیں تھا۔ "اور وہ بولا: "اس کا کیا ہوگا۔ شاید یہ طے ہوا تھا کہ ہم دونوں حکومت کریں گے۔ میں بھی اور بھائی الپ ارسلان بھی۔ اس شرط کو کس طرح پورا کیا جائے گا؟"

ابونصر نے جواب دیا: "آپ حکومت میں کس طرح شرکت کریں گے؟ نظم و نسق آپ کے بس کا نہیں۔ افواج کی سپہ سالاری آپ کے اختیار میں نہیں۔"

اب ماں کو اپنے بیٹے کے بہکے ہوئے کا احساس ہوا۔ اسے ڈانٹ کر سمجھانے کی کوشش کی: "اب تو سدھرتے ہوئے معاملات میں اپنی فضول باتوں سے رخنہ نہ ڈال۔ اگر تو کسی لائق ہوتا تو آج ہمیں یہ دن نہ دیکھنا پڑتے۔" پھر ابونصر سے کہا: "اب ہمیں کیا کرنا ہوگا؟"

ابونصر نے جواب دیا: "آپ دونوں میرے ساتھ الپ ارسلان کے پاس چلیں۔ اور اسے اپنے بیٹے کی طرح اپنے ساتھ محل میں لائیں اور اس سے کہیں کہ بیٹے الپ ارسلان یہ تیری امانت تھی جسے میں نے عارضی طور پر سنبھال رکھا تھا۔ اب اسے تو قبول کر۔"

سلطان سلیمان چیخنے چلانے لگا: "یہ ظلم ہے، زیادتی ہے، دغابازی ہے۔ تو نے ہم سے فریب کیا ہے۔"

ماں نے اسے ڈانٹ دیا: "تو بنتے ہوئے معاملے کو بگاڑ دے گا۔ تو خاموش رہ۔"

محل سے رونے دھونے کی آوازیں برابر آرہی تھیں۔ ابونصر نے درخواست کی: "مادرِ محترم! اس بدشگونی کو کسی طرح ختم کریں۔"

ماں نے اپنی کنیزوں کو حکم دیا: "جاؤ ان رونے دھونے والوں سے کہو۔ محل میں کسی کا انتقال نہیں ہوگیا۔ ہم سب زندہ اور خیریت سے ہیں اس لیے رونا دھونا بند کریں۔"

کنیزیں محل کے دوسرے حصوں میں چلی گئیں اور حیرت انگیز طور پر وہ آوازیں بند ہوگئیں۔

ماں نے الپ ارسلان کے پاس جانے کی تیاری کی۔ بیٹے کو بھی اپنے ساتھ لیا۔ اور اسے منع کیا کہ وہاں احتیاط اور زبان بندی سے کام لینا۔ ورنہ بات بگڑ جائے گی۔

سلطان سلیمان نے درخواست کی: "اگر آپ مجھے اپنے ساتھ نہ لے جائیں تو مجھ پر آپ کا احسان ہوگا۔"

ماں برہم ہوگئی: "تو فضول بکواس نہ کر۔ ایک تیرے نہ جانے سے معاملہ بگڑ جائے گا۔ یعنی جب رے کا سلطان ہی الپ ارسلان کے سامنے نہیں ہوگا تو ہماری ہر بات فضول اور بے معنی ہوگی۔"

بہ جبر مجبوری سلطان سلیمان بھی ماں کے ساتھ جانے پر آمادہ ہوگیا۔

ابونصر ان دونوں کو لیے ہوئے الپ ارسلان کے پاس اس شان سے پہنچا کہ خدام سلطان اور اس کی ماں کی طرف سے نذرانے کی چیزیں اپنے کاندھوں پر اٹھائے ہوئے تھے۔ قیمتی ریشمی پارچہ جات، شالیں، بلوری برتن، فلزات کے نمائشی ظروف اور دیناروں سے بھری ہوئی تھیلیاں۔

ابونصر ان دونوں سے پہلے الپ ارسلان کی خدمت میں پہنچ گیا۔ اور الپ ارسلان سے درخواست کی: "میں ان دونوں کو آپ کی خدمت میں لے آیا ہوں۔ اب آپ بھی اپنی ماں کے احترام میں اپنی جگہ پر کھڑے ہو جائیں۔"

الپ ارسلان نے خواجہ حسن کی طرف دیکھا۔ خواجہ حسن نے منع کر دیا: "ابونصر! تم تو وزیر رہ چکے ہو اور یہ بھی نہیں جانتے کہ استقبال

کسی ایک ہی طرف سے ہوتا ہے، دونوں طرف سے نہیں۔ الپ ارسلان سلطان ہیں صرف سلطان۔ انھیں کسی اور کا استقبال نہیں کرنا چاہیے۔"

ابونصر نے الپ ارسلان سے پوچھا۔ "اس سلسلے میں آپ کی اپنی کیا رائے ہے؟"

الپ ارسلان نے خود سوال کر دیا۔ "ابونصر! تمھاری کیا رائے ہے اس معاملے میں؟"

ابونصر نے جواب دیا۔ "یہ کہ آپ کو اپنی ماں کا استقبال کرنا چاہیے۔"

الپ ارسلان نے کہا۔ "تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ مجھے دو وزیر نہیں رکھنے چاہئیں کیونکہ دونوں وزیر اس ایک معاملے میں متفق نہیں ہیں۔"

الپ ارسلان نے دونوں ہی کو چوکنا کر دیا۔ خواجہ حسن بھی عجیب نظروں سے الپ ارسلان کو دیکھ رہا تھا اور ابونصر بھی سوالیہ نظروں سے الپ ارسلان کو دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

سلطان سلیمان اور ماں الپ ارسلان کے قریب پہنچ چکے تھے۔

الپ ارسلان نے خواجہ حسن سے کہا۔ "آپ کی رائے مناسب ہے۔ استقبال کسی ایک ہی کا ہونا چاہیے۔"

ابونصر خود اپنی نظروں سے گر گیا۔ اور خواجہ حسن کے چہرے پر شگفتگی دوڑ گئی۔

ابونصر دونوں کے پاس گیا اور انھیں مشورہ دیا۔ "ہمارا نیا سلطان ہمارے سامنے موجود ہے۔ آپ دونوں ادب سے اس کے سامنے جھک جائیں۔"

ماں نے درشت لہجے میں پوچھا۔ "لیکن طے تو کچھ اور ہوا تھا۔"

ابونصر نے عرض کیا۔ "مادرِ محترم! میں غلطیوں پر غلطیاں کیے جا رہا ہوں۔ اب مجھے اپنے آپ پر بھی اعتماد نہیں رہا۔"

سلطان سلیمان نے الپ ارسلان سے پوچھا۔ "اب آپ میرے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟"

خواجہ حسن نے الپ ارسلان کی طرف سے جواب دیا۔ "پہلے آپ کو معزول کیا جائے گا اس کے بعد آپ قید کر دیے جائیں گے۔"

الپ ارسلان نے ماں سے پوچھا۔ "اے عورت تُو ہی تو وہ عورت ہے جس نے سلطان طغرل مرحوم سے اپنے بیٹے سلیمان کی سلطانی کا فرمان حاصل کر لیا تھا؟"

ماں نے جواب دیا۔ "ہاں میں وہی ہوں مگر کتنا بدنصیب ہے کہ اپنی ماں کو اے عورت کہہ کر مخاطب کر رہا ہے۔"

ابونصر ایک طرف سر جھکا کے بیٹھ گیا۔

الپ ارسلان نے خواجہ حسن کی طرف دیکھا۔ "ان دونوں کے لیے آپ کا کیا فیصلہ ہے؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا۔ "یہ سلطنت کے دعوے دار لوگ ہیں۔ انھیں اس طرح عزت و احترام سے رکھا جائے کہ یہ پھر کبھی...."

الپ ارسلان نے خواجہ حسن کی اشارے سے زبان بندی کر دی اور دونوں سے کہا۔ "تم دونوں کو اس محل کے کسی گوشے میں جگہ دے دی جائے گی اور وہاں خاموش رہ کر زندگی کے بقیہ دن گزار دو گے۔ جو بات یا جو کام دونوں کے بس کا نہیں اسے اپنے ذہن سے نکال دینا چاہیے۔"

دونوں کی قسمتوں کا فیصلہ سنا دیا گیا اور سلیمان کی آنکھیں اس وقت کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ جب اس نے اپنے ترک ساتھیوں کو الپ ارسلان کی فوج میں کھڑے دیکھا۔ اب وہ خواجہ حسن کے زیرِ سایہ الپ ارسلان کے ملازم تھے۔

جب یہ دونوں ابونصر کے پاس سے گزرے تو ماں چند لمحوں کے لیے رک گئی۔ وہ کچھ دیر ابونصر کو کھڑی دیکھتی رہی۔ اس کے بعد پوچھا۔ "کیوں ابونصر! سچ سچ بتا اس سب کے صلے میں تجھ کو کیا ملا؟"

ابونصر نے سر جھکا لیا۔ اور آنکھوں سے چند قطرے آنسوؤں کے ٹپک پڑے۔

←

اب ابونصر بظاہر تو وزیر تھا لیکن اس کا سکہ کہیں بھی تو نہ چلتا تھا۔ خواجہ حسن اسے ہر جگہ ذلیل و خوار کر رہا تھا۔ وہ ابونصر سے ہر وقت خوفزدہ رہتا تھا۔ وہ خوب سمجھتا تھا کہ ابونصر کسی وقت بھی چال چل سکتا ہے جس سے خواجہ حسن کا قصرِ وزارت زمین بوس ہو جائے۔ وہ ابونصر سے پیچھا چھڑانے کی تدبیریں سوچ رہا تھا۔

الپ ارسلان نے محل میں داخل ہوتے ہی ہر جگہ اپنے آدمی تعینات کر دیے۔ خواجہ حسن اس کو مشورے دے رہا تھا اور الپ ارسلان ان پر عمل کر رہا تھا۔ لیکن خواجہ حسن کو محل میں جو چیز سب سے زیادہ پریشان کر رہی تھی وہ ابونصر کی ذات تھی کیونکہ الپ ارسلان ابونصر کو اب بھی بڑی اہمیت دے رہا تھا۔

الپ ارسلان نے اپنی بہن ارسلان خاتون کو اپنے سامنے طلب کیا۔ وہ آ تو گئی لیکن اداس اور رنجیدہ رنجیدہ۔ ارسلان خاتون کے ہاتھوں میں دو قیمتی کنگن پڑے تھے۔ الپ ارسلان کی نظریں ان کنگنوں پر جم گئیں۔ اس نے بہن سے پوچھا۔ "ارسلان بہن! تم مجھ سے ملنے نہیں آئیں۔"

ایک ٹرین کی ڈائننگ کار میں ایک صاحب نے سامنے بیٹھے ہوئے نوجوان کو سگریٹ پیش کی۔ اس نے معذرت کی کہ وہ سگریٹ نہیں پیتا۔ تھوڑی دیر بعد ان صاحب نے اس نوجوان کو وسکی آفر کی مگر نوجوان نے اس بار بھی معذرت کی اور کہا کہ وہ شراب نوشی نہیں کرتا۔ اس پر وہ صاحب بہت مرعوب ہوئے اور اس نوجوان سے کہا۔ ساتھ والے کمپارٹمنٹ میں میری بیوی اور بیٹی ہے، میرے ساتھ آؤ، میں تم ایسے صالح نوجوان کو ان سے ملوانا چاہتا ہوں۔ نوجوان نے اُن سے ایک مرتبہ پھر معذرت کی اور کہا۔ معافی چاہتا ہوں جناب، میں یہ کام بھی نہیں کرتا۔

عطاء الحق قاسمی کی کتاب "عطایئے" سے

ارسلان خاتون نے پوچھا "میں کس سے ملنے آئی ہوں؟ سلطان سے؟ ہاں تو آپ سے مل چکی ہیں۔"

الپ ارسلان نے جواب دیا "میں تمھاری بات کر رہا ہوں۔ اپنی بہن ارسلان خاتون کی بات، جو امیر المومنین کی بیوی بھی ہے۔"

ارسلان خاتون نے کہا "میں نے سنا ہے کہ آپ سلطان ہیں۔ اور ایک سلطان صرف سلطان ہوتا ہے۔ اس کی کوئی بہن، کوئی ماں یا کوئی بھائی نہیں ہوتا۔"

الپ ارسلان اس سے جو بات کرنا چاہتا تھا ارسلان خاتون اس کا موقع ہی نہیں دے رہی تھی۔

الپ ارسلان کنگنوں کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ پھر پوچھا "یہ کنگن آپ کو کس نے دیے تھے؟ امیر المومنین نے یا پھر...؟"

وہ کچھ کہتے کہتے چپ ہو گیا۔

ارسلان خاتون نے دونوں کنگن اتار کر الپ ارسلان کی طرف پھینک دیے "لے انھیں رکھ لے۔ تو سلطان تو بن گیا لیکن تیری نیت..."

الپ ارسلان نے دونوں کنگن دوبارہ اسے لوٹا دیے اور کہا "میں انھیں حریصانہ نظروں سے نہیں دیکھ رہا تھا بلکہ یہ دونوں مجھے بہت اچھے لگ رہے تھے۔"

ارسلان خاتون نے کنگن واپس نہیں لیے لیکن الپ ارسلان نے انھیں خاموشی سے ارسلان خاتون کے قدموں میں رکھ دیا۔

"میں بہن کی کوئی چیز نہیں لے سکتا ارسلان خاتون بہن! مجھے شرمندہ نہ کرو۔"

ارسلان خاتون نے کہا "اب آپ اپنا کاروبار سنبھالیں، کاروبارِ مملکت، آپ مستند سلطان نہیں ہیں اس لیے ذرا..."

الپ ارسلان نے جواب دیا "ارسلان خاتون بہن! آپ امیر المومنین کی بیوی ہیں آپ بغداد جائیں اور میرے حق میں سندِ حکومت حاصل کر کے روانہ کر دیں۔"

ارسلان خاتون نے بغداد جانے ہی سے انکار کر دیا "اب میں بغداد کبھی بھی نہیں جاؤں گی۔"

الپ ارسلان کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا "آپ بغداد کبھی بھی نہیں جائیں گی؟ کیوں، آخر کیوں؟"

ارسلان خاتون نے جواب دیا "آپ نے ابو نصر کو دھوکا دیا میری ماں، میرے بھائی کو دھوکا دیا۔ پھر میں آپ کا ساتھ کیوں دوں؟"

الپ ارسلان نے کہا "میں نے کسی کو بھی دھوکا نہیں دیا۔ یہ تم کیا کہہ رہی ہو بہن ارسلان خاتون؟"

ارسلان خاتون نے جواب دیا "میں دنیا اور کاروبارِ سلطنت سے بیزار ہوں، یہاں ہر شخص پاگل دیوانہ دکھائی دیتا ہے۔"

الپ ارسلان کو بہن کی باتیں بہت بری لگیں لیکن وہ مشتعل نہیں ہوا۔ آہستہ سے کہا "اب تم جا سکتی ہو، میں تم سے یہ کام نہیں لوں گا۔"

الپ ارسلان نے سابقہ حکومت کے عہدے داروں کو اپنی دلجوئی سے اپنا خیر خواہ بنا لیا تھا۔ ابن موفق نامی ایک امیر کو جب یہ معلوم ہوا کہ الپ ارسلان خلافتِ بغداد سے سلطانی کی سند حاصل کرنے کے لیے بے چین ہے تو اس نے اپنی خدمات پیش کر دیں۔

لیکن الپ ارسلان کوئی ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہتا تھا جس میں ناکامی کا امکان پایا جاتا ہو۔

خواجہ حسن اپنی تگ و دو میں لگا تھا۔ اس نے الپ ارسلان کی عدم موجودگی میں خلیفہ کی بیٹی سیدہ سے ملاقات کی۔ سیدہ نے پردے کے پیچھے سے خواجہ حسن سے باتیں کیں۔

الپ ارسلان اپنی فوج میں مصروفِ گفتگو تھا۔

باریک سرخ پردے کے دوسرے حصے میں سیدہ ارسلان خاتون کے ساتھ بیٹھی تھی۔ دوسری طرف خواجہ حسن تنہا تھا کیونکہ وہ یہاں جو باتیں کرنا چاہتا تھا انھیں راز رکھنے کا خواہش مند تھا۔

خواجہ حسن نے سیدہ سے پوچھا "محترمہ سیدہ! آپ نے اپنے باپ کو ایک خط لکھا تھا؟"

سیدہ مسکرا رہی تھی "ہاں! اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ نے میرے قاصد کو قید کرا دیا تھا۔"

خواجہ حسن بغلیں جھانکنے لگا: "نہیں یہ غلط ہے۔ ایسا نہیں ہوا تھا۔ اسے تو عزت و احترام سے ایک خیمے میں ٹھہرایا گیا تھا۔ آپ کے قاصد کو یقیناً غلط فہمی ہوئی تھی۔"

سیدہ نے پوچھا: "اس وقت آپ کیا بات کریں گے مجھ سے؟"

خواجہ حسن نے عرض کیا: "سلطان الپ ارسلان نے یہ...."

سیدہ نے اس کی بات کاٹ دی: "خواجہ حسن! الپ ارسلان ابھی سلطان نہیں ہے۔ کیا سندِ حکومت آپ جاری کرنے لگے ہیں؟"

خواجہ حسن بہت زیادہ پریشان ہو گیا: "یہ بات نہیں محترمہ سیدہ خاتون! میری زبان سے یوں ہی اچانک نادانستگی میں لفظ سلطان نکل گیا۔ اب میں احتیاط سے کام لوں گا۔"

سیدہ ارسلان خاتون کی طرف دیکھ دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

خواجہ حسن نے کہا: "محترمہ سیدہ خاتون! شاید آپ کو نہیں معلوم کہ ہم نے آپ کے قاصد کو مالا مال کر دیا ہے اور جب وہ ستلفہ کنیز سے شادی کرنا چاہے گا تو اس کی شادی کے جملہ اخراجات میں برداشت کروں گا۔ میں تنہا اور صرف میں۔"

سیدہ نے پوچھا: "آپ میری کیا مدد کریں گے؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا: "میں آپ کو بخیریت بغداد بھجوا دوں گا۔"

سیدہ نے مسکراتے ہوئے کہا: "بہت خوب، پھر؟"

خواجہ حسن نے عرض کیا: "اس کے صلے میں کچھ آپ کو بھی کرنا ہو گا۔"

سیدہ نے کہا: "مجھ سے باتیں صاف اور دو ٹوک کریں۔ اشاروں کنایوں میں ہرگز نہیں۔"

خواجہ حسن نے کہا: "آپ بغداد میں اپنے والد سے...."

سیدہ نے کہا: "آپ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں، میں جانتی ہوں۔ آپ کا آقا الپ ارسلان ہی سلطان طغرل مرحوم کا صحیح جانشین ہے اسی کو سلطان ہونا چاہیے۔"

خواجہ حسن کے چہرے کی رنگت ہی بدل گئی: "بس، بس یہ کام ہو جائے تو میں سرخرو ہو جاؤں گا۔"

سیدہ نے وعدہ کیا: "یہ کام ضرور ہو جائے گا۔"

خواجہ حسن چبا چبا کے باتیں کر رہا تھا: "ہاں ایک کام اور۔"

سیدہ نے پوچھا: "وہ کیا؟"

خواجہ حسن نے احترام سے جواب دیا: "آپ خوب جانتی ہیں کہ آپ کو یہ دن کس کی وجہ سے دیکھنا پڑے۔"

سیدہ اداس ہو گئی: "اپنی بدقسمتی سے۔"

خواجہ حسن نے منہ بنایا: "نہیں، بدقسمتی یا ناطالعی سے نہیں، ابونصر کی وجہ سے، یہ جو کچھ ہوا ابونصر کی وجہ سے ہوا۔"

سیدہ نے کہا: "اب آپ ابونصر یا کسی اور کا نام نہ لیں۔ میں نے اسے اپنی بدقسمتی سے تعبیر کیا ہے۔"

خواجہ حسن نے سیدہ کو سمجھایا: "آپ اس طرح نہ سوچیں۔ آپ ابونصر کو بری الذمہ قرار نہ دیں۔ اس نے آپ کی شادی مرحوم سلطان سے کرائی اور وہی ہے جو آپ کو یہاں تک لایا۔ اور پھر وہی ہے جس نے آپ کو بغداد نہیں جانے دیا۔ میں اس سے ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ کوئی ایسی صورت نہ پیدا کر دے کہ جس سے آپ بغداد جا ہی نہ سکیں۔"

سیدہ نے جواب دیا: "خواجہ حسن! آپ میں اور ابونصر میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے۔ ابونصر نے مجھ سے یہی خواہش کی تھی کہ اگر میں امیر المومنین سے سلیمان کے نام سندِ حکومت دلوا دوں تو وہ مجھے بغداد بھیج دے گا۔ یہی آپ بھی کہہ رہے ہیں۔ وزارت کے لیے آپ دونوں لڑیں لیکن درمیان میں مجھے نہ لائیں۔"

خواجہ حسن نے پوچھا: "کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اس وقت آپ کے پاس کون ہے؟"

سیدہ نے جواب دیا: "میری ماں ارسلان خاتون، میری بیٹی ارسلان خاتون۔"

خواجہ حسن چکرا گیا: "یہ کیسا رشتہ ہے آپ دونوں کا؟"

سیدہ نے جواب دیا: "امیر المومنین میرے والد ہیں اور ارسلان خاتون ان کی بیوی۔ اس طرح سلطان طغرل مرحوم میرا شوہر تھا اور ارسلان خاتون اس کی بھتیجی۔"

خواجہ حسن اس وضاحت سے لطف اندوز ہوا۔ وہ سیدہ کے پاس زیادہ دیر نہیں رکنا چاہتا تھا اس لیے اجازت چاہی اور دریافت کیا: "تب پھر میں آپ سے امید رکھوں کہ آپ بغداد پہنچ کے...."

سیدہ نے جواب دیا: "آپ جا سکتے ہیں، لیکن میں کوئی وعدہ نہیں کر سکتی۔"

خواجہ حسن مایوس اور دل شکستہ واپس آیا۔ جب وہ سیدہ سے مصروفِ گفتگو تھا، ابونصر الپ ارسلان سے باتیں کر رہا تھا۔ اور اس نے الپ ارسلان کو یہ یقین دلا دیا تھا کہ اگر اس کو بغداد جانے دیا جائے تو وہ امیر المومنین سے الپ ارسلان کے نام سندِ حکومت حاصل کرے گا۔

الپ ارسلان اس کی باتوں پر اس لیے یقین کر رہا تھا کہ اسے معلوم تھا کہ ابونصر کو ان باتوں کا تجربہ حاصل ہے۔ اور عباسی خلیفہ قائم بامر اللہ اس سے خاصا مرعوب بھی ہے۔ الپ ارسلان نے ابونصر کو حکم دیا کہ وہ بغداد جانے کی تیاری کرے۔

ابونصر نے درخواست کی: "اگر سیدہ کو بھی میرے ساتھ کر دیا

جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔"

الپ ارسلان نے جواب دیا۔"اس سلسلے میں مجھے خواجہ حسن سے مشورہ کرنا ہوگا۔"

ابو نصر بجھ سا گیا۔"اگر خواجہ حسن کو اس معاملے میں لاعلم اور دور رکھا جائے تو بہتر ہوگا۔"

خواجہ حسن کے مخبر یہاں بھی موجود تھے اور ان میں سے ایک خواجہ حسن کی تلاش میں نکل گیا۔

الپ ارسلان نے ابو نصر سے کسی قسم کا وعدہ تو نہیں کیا مگر یہ کہا۔"میں کوشش کروں گا کہ خواجہ حسن کو ان باتوں کا علم نہ ہو۔"

ابو نصر، رے کی فوج کے سرداروں اور سپہ سالاروں سے الپ ارسلان کو ملا رہا تھا۔

چند فوجی سپہ سالاروں نے الپ ارسلان سے زیادہ خوش اخلاقی کا مظاہرہ نہیں کیا۔

اس دوران خواجہ حسن گھبرایا پریشان وہاں پہنچا اور الپ ارسلان سے درخواست کی کہ آپ فوراً یہاں سے نکل چلیں۔"

الپ ارسلان کو تامل ہوا، پوچھا۔"مگر کیوں؟ اس کی کوئی وجہ؟"

خواجہ حسن نے عرض کیا۔"میں اس کی وجہ بھی آپ کو بتا دوں گا آپ میرے ساتھ تو چلیں۔"

لیکن الپ ارسلان کو اس میں تامل تھا۔

خواجہ حسن نے ابو نصر سے خشمگیں لہجے میں کہا۔"ابو نصر! اب حالات بدل چکے ہیں اس لیے سازشوں سے باز آ جائیں۔"

ابو نصر گھبرا گیا۔"سازش! کون سی سازش؟ آپ الزام تراشی سے باز آ جائیں۔"

فوج کے ایک باضابطہ سردار نے ابو نصر کی حمایت کی۔"خواجہ حسن! آپ شرانگیزیوں سے باز آ جائیں۔ یہ بہت بری بات ہے۔"

خواجہ حسن نے جرأت سے کام لیا۔ اور الپ ارسلان کا ہاتھ پکڑ کر دور لے گیا۔"آپ کو نہیں معلوم کہ یہاں کیا ہونے والا تھا۔"

الپ ارسلان نے کہا۔"میں واقعی کچھ نہیں جانتا کہ یہاں کیا ہونے والا تھا۔"

خواجہ حسن نے اپنے دو غلاموں کو حکم دیا کہ دو گھوڑے یہاں لائے جائیں۔"

جب دونوں غلام گھوڑے لینے چلے گئے تو خواجہ حسن نے الپ ارسلان کو سمجھایا۔"جناب والا! یہاں آپ کے خلاف ایک زبردست سازش تیار کی گئی تھی۔"

الپ ارسلان گھبرا گیا۔"سازش! کیسی سازش؟"

خواجہ حسن اسے سمجھانے لگا۔"ابھی کچھ دیر بعد فوج کا کوئی سپاہی آپ کے پاس ایک درخواست لے کر آتا۔ اس درخواست میں ابو نصر کے کسی ظلم کی شکایت ہوتی۔ سپاہی آپ سے انصاف چاہتا اور آپ اسے دربار میں حاضری کا حکم دیتے۔ اس پر وہ فوری انصاف کا طلب گار ہوتا اور آپ غصے میں اسے دفع کرنا چاہتے۔ بس آپ کے غصے کا جواب وہ خنجر سے حملہ آور ہو کر دیتا۔ دوسرے فوجی بیچ بچاؤ کے لیے آ جاتے اور وہ سب بھی آپ ہی پر حملہ آور ہو کر آپ کا کام تمام کر دیتے اور سلیمان دوبارہ سلطان بنا دیا جاتا۔"

الپ ارسلان کانپ گیا۔"اس سازش کا علم آپ کو کیونکر ہوا؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا۔"تفصیل میں پھر بتاؤں گا اس وقت تو آپ یہاں سے نکل چلیں۔"

دو گھوڑے آ چکے تھے اور ان کے ساتھ ہی ابو نصر بھی الپ ارسلان کے قریب پہنچ چکا تھا۔ وہ خواجہ حسن کے شر سے سہما ہوا تھا۔

ابو نصر نے پوچھا۔"اب میں کس دن حاضری دوں آپ کی خدمت میں؟"

خواجہ حسن نے الپ ارسلان کی طرف سے جواب دیا۔"آپ آرام کریں میں مطلع کر دوں گا۔"

ابو نصر نے ترش روئی اختیار کی۔"خواجہ حسن! آپ دل آزاری کے مرتکب ہو رہے ہیں اور اللہ کے نزدیک یہ گناہ ہے۔"

خواجہ حسن نے بھی ترش روئی سے جواب دیا۔"میں اپنے گناہ کا اللہ کے روبرو جواب دہ رہوں گا۔ اور آپ چھپ چھپ کے جو کچھ کر رہے ہیں اس کے لیے کیا فرمائیں گے؟"

ابو نصر بپھر گیا۔"خواجہ حسن! آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟ میں آپ کو یوں نہیں جانے دوں گا۔"

ابو نصر خواجہ حسن کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

الپ ارسلان گھوڑے پر سوار ہو گیا اور ابو نصر کو حکم دیا۔

"ابو نصر! خواجہ حسن کا راستہ چھوڑ دے۔"

ابو نصر سامنے سے ہٹ گیا اور الپ ارسلان سے انصاف کی درخواست کی۔"میرے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے۔ آپ کو میرے اس مرافعے کا فیصلہ کرنا ہوگا۔"

الپ ارسلان نے جواب دیا۔"بے شک، میں تیرے مقدمے کا فیصلہ کروں گا۔ اس دن کا انتظار کر۔"

خواجہ حسن نے الپ ارسلان کے ساتھ ہی اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی اور دم کے دم میں محل میں داخل ہو گیا۔

خواجہ حسن کے الپ ارسلان کا چاندی سے وزن کیا اور یہ چاندی غربا میں تقسیم کر دی گئی۔

الپ ارسلان نے پوچھا۔"یہ سب کیا کر رہے ہیں آپ؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا۔"وہی سب جو ایک احسان شناس کو اپنے محسن کے لیے کرنا چاہیے۔ یہ چاندی آپ کی جان کا

صدقہ تھی۔"

الپ ارسلان، خواجہ حسن کی محبت اور خیر خواہی کا معتقد ہوتا جا رہا تھا۔

خواجہ حسن نے الپ ارسلان سے وعدہ لیا۔ "آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ یہاں کے کسی بھی شخص پر اس وقت تک بھروسا نہیں کریں گے جب تک کہ آپ مجھ سے مشورہ نہ کر لیں۔"

الپ ارسلان نے وعدہ کر لیا اور قسم کھائی کہ "میں آپ کو کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کروں گا۔ اور اپنے جملہ معاملات آپ کے علم میں ضرور لاؤں گا۔"

←

اب الپ ارسلان کے پاس مختلف حکومتوں اور علاقوں کے وفود آنے لگے تھے اور اسے اپنی وفاداری کا یقین دلا رہے تھے۔ یہ آنے والے نئی نئی خبریں، نئی نئی بشارتیں اور نت نئے تدابیر لانے بھی لا رہے تھے۔ آذربائیجان سے آنے والا وفد اسے آرمینیا کے بارے میں بتا رہا تھا کہ اس پر توجہ دیں۔ وہاں کی عیسائی آبادی اگر آپ کی وجہ سے مسلمان ہو گئی تو اس کا آپ کو بہت ثواب ملے گا۔ کابل اور قندھار کے لوگ ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دے رہے تھے۔

کرمان میں الپ ارسلان کا ایک بھائی حکومت کر رہا تھا اس کے بارے میں مشورہ دیا گیا کہ وہاں کسی اور کو بٹھا دیں ورنہ یہ کسی وقت بھی دھوکا دے گا۔

ترک سرداروں کا یہ مشورہ تھا کہ رے اور اس کے آس پاس کا علاقہ ترکوں سے پاٹ دیا جائے اور وہ ترک جو ابھی تک خانہ بدوش ہیں ان کو لا کر یہاں آباد کر دیا جائے۔

الپ ارسلان سب کی سن رہا تھا، لیکن عمل کسی تجویز پر بھی نہیں کر رہا تھا۔

ابونصر کئی بار آیا اور واپس چلا گیا۔ اس کو الپ ارسلان سے ملنے بھی نہیں دیا گیا۔

اب ابونصر بالکل بیکار تھا۔ الپ ارسلان اس سے کوئی بھی کام نہیں لے رہا تھا۔ وہ ہر وقت اس فکر میں رہتا کہ یہ جمود کس طرح توڑا جائے۔

انتہائی غور و فکر کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ خواجہ حسن کی مخالفت بہت مہنگی پڑے گی اور اس سے ہر قیمت دوستی رکھنا چاہیے۔

وہ خیالوں میں گم خواجہ حسن کے پاس پہنچا اور ان کے ساتھ خود بھی بیٹھ گیا جو خواجہ حسن کے پاس پہلے سے بیٹھے تھے۔ خواجہ حسن نے سرسری نظر سے اسے دیکھا اور اپنے کاموں میں مصروف رہا۔ کافی دیر بعد ابونصر نے خواجہ حسن سے شکایت کی۔ "خواجہ حسن! کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ مجھ سے کیوں ناراض ہیں؟"

خواجہ حسن نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ "یہ سوال تم خود سے کرو۔ اپنے آپ سے جواب مل جائے گا۔"

ابونصر نے کہا۔ "میں یہ سوال اپنے آپ سے بار بار کرتا رہا ہوں لیکن مجھے اس کا کوئی جواب نہیں ملا۔ اب آپ ہی رہنمائی فرمائیں کہ میں یہ سوال خود سے کب تک کرتا رہوں گا؟"

خواجہ حسن نے اپنا قلم ایک طرف رکھ دیا۔ اور ابونصر سے مخاطب ہوا۔ "تم نے جو کچھ کیا یا کرنا چاہا۔ وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ الپ ارسلان آپ سے بہت ناراض ہے۔ وہ تمھاری شکل تک نہیں دیکھنا چاہتا۔"

ابونصر نے پوچھا۔ "لیکن میرا جرم کیا ہے، میرا قصور کیا ہے، یہ تو معلوم ہونا چاہیے مجھے۔"

خواجہ حسن مسکرایا۔ "پھر وہی بات، تم اس سے اچھی طرح واقف ہو۔"

ابونصر نے کہا۔ "لیکن مجھے الپ ارسلان سے ملنے کیوں نہیں دیا جا رہا۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا۔ "اس سوال کا جواب الپ ارسلان سے مل سکتا ہے۔"

ابونصر کھڑا ہو گیا۔ "اگر یہ بات ہے تو میں الپ ارسلان سے مل کے رہوں گا۔ دیکھتا ہوں، مجھے کون روکتا ہے۔"

خواجہ حسن بھی کھڑا ہو گیا۔ "ایسی غلطی نہ کرنا۔ اگر کرو گے تو اپنی موت کو دعوت دو گے۔"

ابونصر نے جاتے ہوئے کہا۔ "میں زندگی سے عاجز آ چکا ہوں۔ اس زندگی سے موت کہیں بہتر ہے۔"

جب وہ چلا گیا تو خواجہ حسن نے کہا۔ "اگر یہ بات ہے تو ٹھیک ہے۔ بچے کو موت پسند ہے تو وہ ضرور ملے گی۔"

خواجہ حسن یہاں سے سیدھا محل چلا گیا۔ محل کے باہر ایک درخت کے سائے میں ابونصر کھڑا ہوا تھا۔ خواجہ حسن اس کے پاس سے گزر چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد ابن موفق نامی امیر سامنے سے گزرا۔ ابن موفق نے ابونصر کا شاندار زمانہ دیکھا تھا۔ یہاں درخت کے سائے میں یکہ و تنہا کھڑے دیکھا تو خود بھی اس کے پاس گیا اور گھوڑے سے اتر کر تعظیم بجا لایا اور پوچھا۔ "وزیر محترم! آپ یہاں کھڑے کیا کر رہے ہیں؟"

ابونصر نے جواب دیا۔ "الپ ارسلان کا انتظار۔"

اس کی آواز بھرا گئی اور آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

ابن موفق نے کہا۔ "سامنے محل ہے میں بھی ملنے جا رہا ہوں۔ آپ بھی میرے ساتھ چلیں۔"

ابونصر نے جواب دیا۔ "آپ محل جا رہے ہیں تو ضرور جائیں۔



لیکن میں الپ ارسلان سے اسی جگہ ملنا چاہتا ہوں۔"

ابن موفق نے حیرت سے سر کو جنبش دی اور کہا "بات سمجھ میں نہیں آ رہی۔"

ابونصر نے سب کچھ اگل دیا۔ "محل کے دروازے مجھ پر بند ہو چکے ہیں۔ دربان مجھے اندر نہیں جانے دیتے اور نہ میری آمد کی خبر اندر کرتے ہیں۔ اب اس کے بعد یہی جگہ ملاقات کے لیے رہ جاتی ہے۔"

ابن موفق نے اسے دلاسا دیا۔ "میرے دوست مجھے معاف کرنا۔ مجھ کو ان باتوں کا کوئی علم نہ تھا۔ بہر حال میں الپ ارسلان سے آپ کے بارے میں ضرور بات کروں گا۔"

ابونصر نے کہا۔ "میرے بارے میں آپ کوئی بات نہ کریں۔ ساری بات مجھی کو کرنے دیں۔ ہاں، آپ میری الپ ارسلان سے ملاقات کرا دیں تو نوازش ہو گی۔"

ابن موفق نے جواب دیا۔ "میں کوشش کروں گا۔ ویسے ایک مشورہ دوں آپ کو؟"

ابونصر نے اجازت دے دی۔ "ضرور مشورہ دیں۔"

ابن موفق نے جواب دیا۔ "تقدیر آپ سے برگشتہ ہے بخت یاوری نہیں کر رہا۔ اگر آپ کی ملاقات الپ ارسلان سے نہیں ہوتی تو نہ ہو۔ آپ اس دوران حکومت کے دوسرے بڑے لوگوں سے ملاقاتیں کرتے رہیں۔ ان کے سامنے اپنے واقعات اور معاملات رکھ دیں اور ان سے مشورے، تائید اور سفارش کی بات کریں۔ میں سمجھتا ہوں اس طرح آپ کا کام ضرور ہو جائے گا۔"

ابن موفق کے مشورے میں جان تھی۔ ابونصر نے یہ تو نہیں کہا کہ میں اس پر عمل ضرور کروں گا لیکن دل میں یہ فیصلہ کر لیا کہ ایسا ضرور کروں گا۔"

ابن موفق چلا گیا اور ابونصر اس درخت کے نیچے کھڑا رہا۔

محل میں ابن موفق کو انتظار کی زحمت نہیں ہوئی۔ ایک محافظ ابن موفق کو اپنے ساتھ محل کے اندر لے گیا۔

وہاں خواجہ حسن اور الپ ارسلان باتوں میں مشغول تھے۔

ابن موفق کو دیکھ کر دونوں ہی چپ ہو گئے۔ الپ ارسلان نے خواجہ حسن سے پوچھا۔ "کیا ابن موفق ان سازشوں سے واقف ہے؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا۔ "شاید۔"

ابن موفق نے ابونصر کی حمایت میں زبان کھولی۔ "میں اس وقت آپ دونوں سے ایک ایسے شخص کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں، جو چند ماہ قبل نہایت معزز تھا لیکن اب۔۔۔"

الپ ارسلان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تو یقیناً اب ابونصر کا نام لے گا۔"

ابن موفق نے جلدی جلدی کہا۔ "بے شک، ابونصر کو اللہ نے بڑی عزت دی تھی۔"

خواجہ حسن نے بات کاٹ دی۔ "اور اب اسی اللہ نے اسے ذلت سے ہمکنار کر دیا ہے۔ اس لیے ہمیں اللہ کے فیصلوں میں نہیں مخل ہونا چاہیے۔"

ابن موفق خواجہ حسن سے متفق نہیں ہوا۔ "خواجہ حسن! ایسی بات نہ کریں۔ اللہ سے ڈریں۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا۔ "میں تو اللہ سے ہر وقت ہی خوفزدہ رہتا ہوں۔ آپ بھی اللہ سے ڈریں۔"

ابن موفق حیران تھا، پوچھا۔ "وہ کیوں؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا۔ "وہ یوں کہ جب ہمیں معلوم ہو جائے کہ اللہ کسی کو عزت بخش رہا ہے اور ہم اس کو ذلیل کرنا چاہیں تو اس طرح ہم خود ذلیل ہو جائیں گے۔ اسی طرح جب ہم یہ جان لیں کہ اللہ نے فلاں شخص کو ذلیل کیا ہے اور ہم اسے عزت دینا چاہیں تو یقیناً ہمیں بھی ذلیل ہونا پڑے گا۔"

ابن موفق ڈر گیا۔ خواجہ حسن کی دلیل نے اسے بے بس کر دیا۔

اس نے ابونصر کو ایک درخت کے سائے میں کھڑے دیکھا تھا جو معلوم نہیں کب سے کھڑا تھا۔ اور معلوم نہیں کب تک یوں ہی کھڑا رہے گا۔ ... سلجوقیہ کا وزیر اعظم اور اتنا مجبور و بے بس۔

الپ ارسلان نے پوچھا۔ "کیا سوچنے لگے ابن موفق؟"

ابن موفق نے جواب دیا۔ "میں خواجہ حسن کی دلیلوں پر غور کر رہا تھا۔"

الپ ارسلان نے کہا۔ "تو تُو بھی خواجہ کی فہم و فراست کا قائل ہو گیا۔"

ابنِ موفق نے جواب دیا۔ "بے شک بے شک۔"

الپ ارسلان نے ابنِ موفق کو سمجھانے کی کوشش کی۔ "جس کا نام ابو نصر ہے۔ اس نے میرے اور خواجہ حسن کے خلاف بڑی سازشیں کی ہیں۔ ایک زمانے میں اس نے خواجہ حسن کو مجھ سے چھین لینے کی کوشش کی تھی۔ اگر اس وقت ابو نصر اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا۔ تو آج شاید خواجہ حسن کا نام و نشان تک باقی نہ ہوتا۔"

ابنِ موفق نے الپ ارسلان کی باتوں سے اندازہ لگا لیا تھا کہ اس کی نیت میں کھوٹ ہے۔ اس نے ابو نصر کے ذکر سے گریز کیا۔

خواجہ حسن نے اپنی فراغ دلی اور کشادہ قلبی کا ذکر کیا۔ "ابو نصر کے بارے میں سب کچھ جاننے کے باوجود جب اسے میری وزارت میں شریک کر دیا گیا تو میں نے اسے قبول کر لیا۔ لیکن ابو نصر کسی عادی چور کی طرح اگر چوری نہیں کر سکتا تو ہیرا پھیری سے بھی باز نہیں آتا۔"

وقت اور موقع کو اپنے حق میں دیکھ کر خواجہ حسن نے الپ ارسلان کو مشورہ دیا۔ "سلطانِ محترم! اب آپ اپنے دل و دماغ سے یہ بات نکال دیں کہ ابو نصر سے آپ کو کوئی فائدہ بھی پہنچ سکتا ہے۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ آپ نے خلافتِ عباسیہ کے دربار میں بھیجنے کے لیے ابو نصر کو وسیلہ بنانے کا فیصلہ کر کے غلطی کی ہے۔ لیکن اس وقت ایسا ہونا نہیں چاہیے۔"

الپ ارسلان کو خواجہ حسن کی باتیں گراں گزرنے لگیں۔ پوچھا۔ "خواجہ حسن کیا یہ درست ہے کہ آپ میری لاعلمی میں سیدہ سے باتیں کر چکے ہیں؟"

خواجہ حسن کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ نہایت کمزور آواز میں جواب دیا۔ "آپ نے جو کچھ سنا درست ہے۔ لیکن کیا آپ کو یہ نہیں بتایا گیا کہ میں نے سیدہ سے کس قسم کی باتیں کی تھیں؟"

سلطان نے بے رُخی سے کہا۔ "میرے محل کی خواتین سے دوسرا کوئی باتیں نہیں کر سکتا۔ آپ کو مجھ سے اجازت ضرور لینا چاہیے تھی۔"

خواجہ حسن نے معذرت کر لی۔ "میں شرمندہ ہوں سلطانِ محترم! آپ مجھے معاف فرما دیں۔"

الپ ارسلان نے ابنِ موفق سے کہا۔ "ابنِ موفق جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ اب باتوں سے زیادہ کام ہونا چاہیے۔"

ابنِ موفق نے جواب دیا۔ "بجا فرمایا جناب والا نے۔ اس ناچیز کا بھی یہی خیال ہے۔"

خواجہ حسن نے عرض کیا۔ "پہلے تو میں نے یہ سوچا تھا کہ محترمہ سیدہ کے ساتھ میں خود بغداد جاؤں گا۔ لیکن اب میں یہ مشورہ دوں گا کہ یہ گراں قدر کام ابنِ موفق سے لیا جائے۔"

الپ ارسلان نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "یہ فیصلہ میں کروں گا کہ سیدہ خاتون کو بغداد کون لے جائے گا۔"

خواجہ حسن نے کھسیائے لہجے میں کہا۔ "بے شک، یہ فیصلہ آپ ہی کریں گے۔"

الپ ارسلان نے تخلیہ چاہا۔ کیونکہ وہ اچانک چڑچڑا ہو گیا تھا۔

جب یہ دونوں الپ ارسلان سے رخصت ہونے لگے۔ تو خواجہ حسن نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "جناب والا! آپ اگر میری باتوں سے ناخوش ہوتے ہیں تو آپ شوق سے وزارت کا منصب ابو نصر کو بخش دیں۔ میں گلہ نہ کروں گا۔ لیکن اس پر ہمیشہ متاسف رہوں گا کہ جس حکومت کو آپ نے اتنی مشکل اور دشواری سے حاصل کیا ہے اس کی قدر کریں جلد بازی اور نامعاملہ فہمی سے کام نہ لیں۔"

الپ ارسلان نے درشت لہجے میں جواب دیا۔ "پھر وہی پرانی باتیں۔"

خواجہ حسن نے عافیت اسی میں سمجھی کہ الپ ارسلان سے مزید بات نہ کی جائے۔ وہ ابنِ موفق کے ساتھ محل سے نکل آیا۔

خواجہ حسن کو الپ ارسلان کے درشت رویے سے بے عزتی محسوس ہوئی تھی۔ اس نے ابنِ موفق سے شکایتاً کہا۔ "میں نے ہمیشہ الپ ارسلان کا بھلا چاہا۔ لیکن آج اس کے اہانت آمیز سلوک سے بے حد دُکھ پہنچا۔ دُنیا ہیچ ہو گئی میری نظر میں۔"

ابنِ موفق نے جواب دیا۔ "خواجہ حسن! آپ وزیر ہیں۔ مجھ سمیت آپ کسی سے ایسی باتیں نہ کریں کہ کل شرمندگی اٹھانا پڑے۔"

خواجہ حسن سنبھل گیا۔ "بے شک، بے شک۔ میں یہ تو بھول ہی گیا تھا کہ گھوڑے کے عقب اور شاہ کے روبرو ہونے سے ہوشیار رہنا چاہیے۔"

اس نے ابنِ موفق کا ساتھ بھی چھوڑ دیا کیونکہ اب اسے اندیشہ تھا کہ کہیں جذباتی ہیجان اور دباؤ میں زبان سے ایسی باتیں نہ نکل جائیں کہ کل وہ الپ ارسلان کا سامنا تک نہ کر سکے۔

ابنِ موفق نے واپسی میں دوسرا راستہ اختیار کیا۔ اس نے الپ ارسلان کے مزاج کو کسی حد تک سمجھ لیا تھا۔ وہ کسی ایسے شخص سے نہیں ملنا چاہتا تھا جو سلطان کا معتوب ہو۔

لیکن جب وہ ایک چھوٹے سے باغ کے کنارے کنارے چل رہا تھا۔ باغ کے اندر سے اچانک ابو نصر نمودار ہو گیا۔ اس نے گھوڑے کی لگام پکڑ رکھی تھی۔ ابنِ موفق سے کہا۔ "آپ نے دربار میں بڑی دیر لگا دی۔"

ابنِ موفق نے ابو نصر کو طائرانہ سرسری نظروں سے دیکھا اور

گھوڑے کی رفتار تیز کردی۔

ابونصر نے بھی اپنے گھوڑے کی رفتار تیز کردی "کیا بات ہے ابنِ موفق! تم مجھ سے نظریں کیوں چرا رہے ہو؟"

ابنِ موفق نے پھر کوئی جواب نہیں دیا۔ اور گھوڑے کی رفتار تیز کردی۔

ابونصر نے اپنے گھوڑے کو آگے بڑھا کے ابنِ موفق کا راستہ روک دیا "ہم تجھ کو یوں نہیں جانے دیں گے۔"

ابنِ موفق نے جواب دیا "ابونصر! میں تیری عزت کرتا ہوں لیکن افسوس کہ میں تجھ سے بات نہیں کروں گا۔"

ابونصر نے پوچھا "کیوں! آخر کیوں بات نہیں کرو گے؟"

ابنِ موفق نے جواب دیا "میں کسی ایسے شخص کی شکل تک نہیں دیکھنا چاہتا جس سے سلطان ناراض ہو۔"

ابونصر نے ابنِ موفق کا راستہ چھوڑ دیا "خوب! اب میں خود بھی تجھ سے بات نہیں کروں گا۔"

ابنِ موفق نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور پلک جھپکتے میں نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

ابونصر بے مقصد گھوڑے کو دوڑاتا بھگاتا رہا اور آخر ویرانے میں ایک پتھر پر بیٹھ کر سوچنے لگا کہ اب اس کا مستقبل کیا ہے؟ کل کیا ہوگا؟

سامنے سے مویشیوں کا ریوڑ گزرا۔ اس کا چرواہا نہایت اطمینان اور سکون سے جانوروں کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک لمبی چھڑی تھی جس کی مدد سے وہ ادھر ادھر ہو جانے والے مویشیوں پر قابو پا رہا تھا۔ ابونصر کو چرواہے کی بے فکر زندگی پر رشک آرہا تھا۔

چرواہے نے ایک شخص کو تنہا پتھر پر بیٹھے دیکھا تو اس کے قریب گیا۔ شاید وہ ابونصر کو پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔

ابونصر نے منہ پھیر لیا۔ اسی عالم میں اس نے چرواہے کی آواز سنی "کیا تم سلطان طغرل کے وزیر ہو؟"

ابونصر نے پھرتی سے چرواہے کی طرف دیکھا "نہیں، میں سلطان طغرل کا وزیر نہیں ہوں، اپنی راہ لے۔"

چرواہے نے شک و شبہے سے کہا "لگتے تو وہی ہو خیر۔"

چرواہا آگے بڑھ گیا۔ ابونصر نے اپنا سر پکڑ لیا۔ اس کی کنپٹی کے پاس کی رگیں پھول گئی تھیں۔

اسے ابنِ موفق پر غصہ آرہا تھا جس نے الپ ارسلان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اس سے گریز اختیار کیا تھا۔

اسے خواجہ حسن کی شکل تک سے نفرت ہوگئی تھی جس کی وجہ سے الپ ارسلان اس سے ناخوش تھا۔

ابونصر کو اپنی خود اعتمادی ختم ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ عزت اور وقار سے زندہ رہنا چاہتا تھا۔ لیکن خواجہ حسن اور الپ ارسلان نے اسے ناممکن بنا دیا تھا۔

پھر اچانک کسی دماغ کے کسی گوشے سے آواز آئی "ابونصر، ان سب کو چھوڑ کر کسی دوسری حکومت میں چلا جا۔"

سوال یہ پیدا ہوا کہ کہاں؟

اس سوال کا جواب بھی موجود تھا "سیدھے کوچ کر کے بغداد چلا جا اور امیر المومنین کی ملازمت اختیار کر لے۔"

لیکن دوسرے ہی لمحے اسے یہ جواب بھی مل گیا کہ یہ کام اتنا آسان نہیں ہے، جتنا تو سمجھ رہا ہے۔

اسی فکر و تردد میں دن گزر گیا اور شام سر پر آگئی۔ پھر رات کی گہری سیاہی ابونصر کے دل و دماغ پر مایوسی کے نقوش گہرے کرنے لگی۔

آج وہ زندگی کے عجیب و غریب تجربے سے گزر رہا تھا۔ دن کی روشنی میں وہ اتنا نڈھال، بے بس اور مجبور نہیں ہوا تھا جتنا رات کی سیاہی میں محسوس کر رہا تھا۔

جب وہ اپنے محل جا رہا تھا تو اچانک اس نے یہ خطرناک فیصلہ کیا کہ اگر خواجہ حسن یا ابنِ موفق اس سے نفور و گریزاں ہیں تو کوئی بات نہیں ارکان سلطنت اور بھی تو ہیں۔ عمائدین حکومت دوسرے لوگ بھی ہیں اور ابونصر کو ان سب سے ملنا جلنا چاہیے۔ شاید ان سے بات بن جائے۔

راستے میں ایک فوجی سردار ابوحمزہ رہتا تھا۔ جب وہ ابوحمزہ کے مکان کے سامنے سے گزر رہا تھا تو غیر ارادی طور پر وہ رک گیا۔ اور دربان سے کہا "ابوحمزہ کو اطلاع کردو کہ ابونصر ملنا چاہتا ہے۔"

دربان نے مایوس کر دیا "وہ گھر میں نہیں ہیں۔"

ابونصر نے پوچھا "پھر وہ کہاں ہوگا؟"

دربان نے مختصر جواب دیا "چھاؤنی میں۔"

ابونصر نے لمحہ بھر کے تامل کے بعد چھاؤنی کا رخ کیا۔ چھاؤنی وہاں سے زیادہ دور نہیں تھی۔ آبادی اور چھاؤنی کے درمیان ایک میدان حائل تھا۔ وہ اس میدان کو پار کر کے چھاؤنی پہنچ گیا۔ گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں دور ہی سے آنے لگی تھیں۔ یہاں قطار در قطار سپاہیوں کے حجرے بنے ہوئے تھے۔ محرابی دروں والے حجروں کی تعمیر میں سنگ رخام استعمال کیا گیا تھا۔ دوسرے درجے کا سنگِ مرمر۔ ان حجروں میں چراغوں کی روشنی سے دھندلا دھندلا دور ہی سے نظر آتا تھا۔ انسانوں یا دوسری چیزوں کے سائے۔

ان حجروں میں فوجی سرداروں کے ٹھکانے الگ تھے۔ ان کے حجرے نہیں مکان تھے۔

چھاؤنی کے در پر ہی ابونصر کو روک دیا گیا۔ ابونصر نے اپنی شان اور تفاخر کا مظاہرہ کیا: "میں ابوحمزہ سے ملنا چاہتا ہوں کہاں ملے گا وہ؟"

ایک سپاہی نے ابونصر کو پہچان لیا۔ اور اپنے ساتھی سپاہیوں کو بتایا: "اسے مت روکو، اس کو فوراً ملواؤ ابوحمزہ سے۔ یہ وزیر ابونصر ہیں۔"

اس انکشاف اور اس اعلان سے تہلکہ سا مچ گیا۔ لیکن یہاں وہ سپاہی بھی تھے جو خواجہ حسن کی وزارت کو تو مانتے تھے، مگر ابونصر کو طفیلی اور عارضی گردانتے تھے۔

ایک سپاہی ابونصر کو ابوحمزہ کے پاس لے گیا۔

ابوحمزہ اس وقت اپنے چند نائبین سے باتیں کر رہا تھا۔ ابونصر کو اپنے قریب دیکھ کر بھی چاق و چوبند اور مستعد نظر آ رہے تھے۔

ابوحمزہ احتراماً کھڑا ہو گیا: "وزیر محترم! آپ کی تشریف آوری کا شکریہ۔ یہاں تشریف آوری کا مقصد؟"

ابونصر نے کہا: "میں کئی دن سے سوچ رہا تھا کہ اپنے دوستوں اور محبوں سے ملاقات کروں۔ چنانچہ ابتدا تجھ سے کر رہا ہوں۔"

ابوحمزہ کو ملاقات کے وقت پر اعتراض تھا: "یہ ملاقات رات کے بجائے صبح یا دن میں ہوتی تو خوب ہوتی۔"

ابونصر کے دماغ کو جھٹکا سا لگا: "ہاں، لیکن میرے خیال میں رات کا وقت بھی مناسب ہے۔"

ابوحمزہ کو اس کی دماغی صحت پر شبہ تھا، پوچھا: "آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

ابونصر نے مصنوعی خوشی اور اعتماد سے جواب دیا: "بالکل ٹھیک ہوں۔"

ابوحمزہ نے اپنے نائبوں کو وہاں سے چلے جانے کا حکم دیا۔ وہ چلے گئے تو ابوحمزہ نے اطمینان کی سانس لی اور پوچھا: "ہاں تو اب آپ اپنی آمد کی غرض و غایت سے مطلع کریں۔"

ابونصر کا دل بھر آیا۔ لیکن اپنے اس جذبے پر قابو پانے کی کوشش کی۔

ابوحمزہ نے پھر وہی سوال کیا: "آپ اپنی تشریف آوری کی غایت ضرور بتائیں۔"

ابونصر نے ادھر اُدھر دیکھ کر آہستہ سے کہا: "میں آپ کی مدد چاہتا ہوں۔"

ابوحمزہ نے پوچھا: "کس کے خلاف، کون ہے آپ کا دشمن؟"

ابونصر نے جواب دیا: "میرا کوئی دشمن نہیں، میں کسی کے خلاف کوئی مدد نہیں چاہتا۔"

ابوحمزہ نے ابونصر کو اس طرح باتیں کرتے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ابونصر دو ٹوک اور فیصلہ کن بات کرنے میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا لیکن آج کا ابونصر کچھ اور ہی نظر آ رہا تھا۔

اس نے پوچھا: "آپ کچھ پریشان پریشان سے نظر آتے ہیں آخر کیوں؟"

ابونصر نے جواب دیا: "اے ابوحمزہ! تم نے میرا وہ دور بھی دیکھا ہے۔ جب سلطان طغرل کی رائے پر میری رائے کو ترجیح دی جاتی تھی۔"

ابوحمزہ نے اقرار کیا: "ہاں میں نے وہ دور بھی دیکھا ہے۔"

ابونصر نے کہا: "اور تم نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ میں نے اس دور میں حق اور انصاف سے کام لیا ہے۔"

ابوحمزہ اس کی تائید کیے جا رہا تھا: "ہاں میں اس کا بھی شاہد ہوں..."

ابونصر نے چڑچڑے لہجے میں کہا: "پھر آج میرے ساتھ وہ سلوک کیوں کیا جا رہا ہے جس کا میں نہیں کوئی اور مستحق ہے؟"

ابوحمزہ نے سرگوشی میں کہا: "جناب والا! معاف کیجیے گا اس میں غلطی آپ ہی کی تھی۔"

ابونصر کو غصہ آ رہا تھا: "یعنی... یعنی کیا مطلب؟"

ابوحمزہ نے اس کو سمجھایا: "پہلی غلطی تو یہ کی کہ آپ نے سلیمان جیسے ناکارہ کو سلطان طغرل کا جانشین قرار دے کر اسے سلطان بنا دیا۔"

ابونصر نے جواب دیا: "ایسا میں نے از روئے وصیت کیا تھا اپنی مرضی سے نہیں۔"

ابوحمزہ نے کہا: "نہیں، آپ کی یہ بات کوئی بھی نہیں مانے گا۔"

ابونصر نے پوچھا: "کوئی نہیں مانے گا، کیوں نہیں مانے گا؟"

ابوحمزہ نے جواب دیا: "اس لیے کہ ہمارے ذمے دار اور اہل الرائے الپ ارسلان کے حق میں تھے اور اب بھی ہیں۔"

ابونصر نے کہا: "اور جب مجھے یہ احساس ہو گیا کہ میں نے سلیمان کی حمایت کر کے غلطی کی ہے تو جمعے کے خطبے میں الپ ارسلان کا نام بھی شامل کرا دیا۔"

ابوحمزہ نے کہا: "اور یہ آپ کی دوسری بڑی غلطی تھی۔"

ابونصر حیران تھا کہ ابوحمزہ اس کی ہر بات اور ہر فعل کی مخالفت کیوں کر رہا ہے: "اس میں غلطی کا کون سا پہلو ملتا ہے؟"

ابوحمزہ نے سمجھایا: "جب آپ نے سلیمان کو سلطان بنا دیا تھا تو اس کی اس حیثیت کو ہر حال میں برقرار رکھنے کی جدوجہد کرتے۔ آپ جنگ کرتے اور خلافتِ عباسیہ سے اس کے لیے سندِ حکومت حاصل کرتے لیکن سلطان طغرل کی وفات نے آپ سے آپ

کی خود اعتمادی کو چھین لیا۔ اور آپ غیر مستقل مزاج ہو گئے یہی خامی آپ کے کردار کی سب سے بڑی خامی بن گئی ہے۔"

ابوحمزہ اسے جو کچھ سمجھا رہا تھا۔ ابونصر اس سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ شاید ابونصر نے اس سے پہلے خود کو اتنی اچھی طرح نہیں سمجھا تھا۔ جتنا اب سمجھ رہا تھا۔

سب کچھ سننے کے بعد ابونصر نے پوچھا۔ "ابوحمزہ، میں تیرے پاس اس لیے نہیں آیا کہ تو میری خامیاں گنا رہا ہے۔ میری کمزوریاں بیان کرتا ہے۔"

ابوحمزہ نے جواب دیا۔ "میں آپ کا ہمدرد اور بہی خواہ ہوں۔ آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟"

ابونصر نے کہا۔ "صرف یہ کہ جب بھی موقع ملے الپ ارسلان سے میری تعریف کر۔ میری وکالت کر۔"

ابوحمزہ نے وعدہ کیا۔ "میں جو کچھ کر سکتا ہوں ضرور کروں گا۔"

ابونصر نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں تیرا زیادہ وقت برباد نہیں کروں گا۔ اگر مال و زر کی ضرورت ہو تو میں ہر وقت تیار ہوں۔"

ابوحمزہ اس کے جواب میں ایک لفظ بھی ادا نہ کر سکا لیکن یہ بات ضرور سمجھ میں آ گئی کہ ابونصر شاید اپنے ہوش و حواس میں نہیں ہے۔ وہ بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے۔

ابونصر یہاں سے نکل کر ایک دوسرے فوجی سردار کے پاس پہنچ گیا۔ احمر کرمانی پانچ ہزار سواروں کا سردار تھا۔ اس کا بھی بڑا نام تھا۔ سلطان طغرل نے ابونصر کی سفارش پر اسے بہت نوازا تھا۔ اب یہ الپ ارسلان کے ساتھ تھا۔ ابونصر کو اپنے سابقہ احسانات کا خیال تھا۔ احمر کرمانی کو اس کے آدمیوں نے پہلے سے بتا دیا تھا کہ ابونصر ابوحمزہ سے باتیں کر کے آپ کے پاس آ رہا ہے۔ ابونصر، خواجہ حسن کا شریک وزیر تھا۔ اس لیے اس سے سبھی ڈرتے تھے لیکن لوگ یہ بھی جانتے تھے کہ دونوں وزیر ایک دوسرے سے خوش نہیں ہیں اور ایک دوسرے کو آزار اور نقصان پہنچانے کے درپے ہیں۔ احمر کرمانی سے بھی یہ حالات چھپے ہوئے نہیں تھے اور اس کی دوررس نظریں خواجہ حسن کے روشن مستقبل کو واضح دیکھ رہی تھیں۔ وہ ابونصر سے نہیں ملنا چاہتا تھا۔

ابونصر دربانوں کو ہٹاتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ احمر کرمانی احتراماً کھڑا ہو گیا۔

ابونصر نے کہا۔ "میں نے دربانوں کو اپنے راستے سے ہٹا دیا۔ میں وزیر ہوں اور وہ دربان اور پھر یہ چھاؤنی ہے کوئی محل نہیں جہاں پردے دار خواتین رہ رہی ہوں۔"

احمر کرمانی نے جواب دیا۔ "آپ بلواتے تو میں خود حاضر ہو جاتا۔ آپ نے جو کچھ کیا اچھا کیا۔"

احمر کرمانی کے خدمت گار وہاں سے ہٹ گئے تھے لیکن وہ اس زوال آمادہ وزیر کی باتیں سننے کے لیے آس پاس چھپے ہوئے موجود تھے۔

ابونصر نے احمر کرمانی کی پیشانی پر شکنیں دیکھیں تو کبیدہ خاطر ہو گیا۔ "کیا تو میری آمد سے خوش نہیں ہوا؟"

احمر کرمانی زبردستی مسکرانے لگا۔ "میں بہت خوش ہوں۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

ابونصر نے ذرا سخت رویہ رکھا۔ "تو جانتا ہے کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں؟"

احمر کرمانی نے ازراہ تفنن جواب دیا۔ "افسوس کہ میں علم غیب نہیں جانتا۔"

ابونصر مشتعل ہو گیا۔ "احمر کرمانی، میں اس گفتگو کا عادی نہیں ہوں۔ آج تو جس منصب پر فائز ہے وہ میرے ہی طفیل ہے۔ خواجہ حسن میری کاٹ کر رہا ہے اور ہم دونوں آپس میں خاموش جنگ لڑ رہے ہیں۔ اس جنگ میں تو میرا ساتھ دے گا۔"

احمر کرمانی نے پوچھا۔ "وہ کس طرح؟"

ابونصر نے جواب دیا۔ "الپ ارسلان سے جب بھی تو ملے میری تعریف کر اور اس کو یہ باور کرا کہ رموز مملکت سے جتنا میں واقف ہوں، خواجہ حسن اس کے عشر عشیر سے بھی واقف نہیں۔"

احمر کرمانی نے وعدہ کر لیا۔ "میں آپ کا ساتھ دوں گا ہر طرح، ہر حال میں، ہر قیمت پر۔"

ابونصر نے اسے بھی لالچ دیا۔ "میں تجھ کو اس کا معاوضہ دوں گا۔ اس کی قیمت ادا کروں گا۔ کچھ ابھی، کچھ بعد میں، یعنی کچھ نقد اور کچھ بعد میں عہدے اور منصب کی شکل میں۔"

احمر کرمانی نے جواب دیا۔ "تب تو میں آپ کا ضرور ساتھ دوں گا۔"

ابونصر نے اپنے آس پاس کا جائزہ لیا۔ وہاں ان دونوں کے سوا تیسرا کوئی نہ تھا۔ اس نے اپنے کرتے کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور موتیوں کا سہ لڑی ہار نکال کر احمر کرمانی کے حوالے کیا۔ "یہ لے، اسے رکھ لے، بعد میں اور دوں گا۔"

احمر کرمانی نے ہار لے کر اور زیادہ انکساری کا اظہار کیا۔

خدمت گاروں نے ایک دوسرے کو مسکرا کے دیکھا۔ وہ ان دونوں کی باتیں نہیں سن سکے تھے۔ ایک نے پوچھا۔ "یہ وزیر رشوت کس بات کی دے رہا ہے؟"

دوسرے نے جواب دیا۔ "یہ کسی خطرناک منصوبے کے ساتھ فوجی سرداروں سے مل رہا ہے شاید۔"

ابونصر احمر کرمانی سے وعدہ لے کر اپنے محل چلا گیا۔ اب وہ

اپنی تدبیروں سے کسی حد تک مطمئن تھا۔

اس نے محل کے ایک گوشے میں بیٹھ کر عمائدینِ شہر اور اُمرا کی ایک فہرست تیار کی، ان کی ترتیب قائم کی۔ تقدیم اور تاخیر کی۔ وہ ان کو باتوں اور رشوتوں سے ہم خیال اور طرف دار بنانا چاہتا تھا۔

محل میں اس کی ماں، وہ کنیز جس کی وجہ سے اسے آختہ ہونا پڑا تھا، چند دوسری کنیزیں جو ابونصر کی ماں کی خدمات انجام دیتی تھیں۔ ابونصر کے کمسن بھتیجے اور بھانجیاں، کھانا پکانے والیاں، محل کی دوسری خدمات انجام دینے والیاں، یہ سب ابونصر کی خاموشی اور عزلت نشینی سے پریشان اور فکر مند تھیں۔ انھیں یہ تو معلوم تھا کہ مرحوم سلطان کے بعد ابونصر کی حیثیت اور اختیارات میں فرق آگیا تھا۔ لیکن انھیں یہ نہیں معلوم تھا کہ ابونصر اپنی سابقہ حیثیت بحال کرنے کے لیے کیا کچھ کر رہا ہے۔

کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ ابونصر سے کچھ پوچھتا۔ وہ چڑچڑا بھی ہو رہا تھا۔

سب نے ماں کو آمادہ کیا کہ وہ ابونصر سے معلوم کریں کہ کیا ہو چکا! کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے والا ہے؟

ماں کی بینائی جواب دے چکی تھی۔ سامنے کی چیزیں دھندلی دھندلی نظر آتی تھیں۔ ایک کنیز نے ان کو ابونصر کے پاس پہنچا دیا۔

ابونصر نے قدموں کی چاپ سے ماں کی آمد کو محسوس کر لیا اور کنیز پر برگرم ہو گیا: "تو انھیں یہاں کیوں لائی؟ مجھ کو ماں کے پاس پہنچا دیا ہوتا۔"

کنیز ڈر گئی، لیکن ماں نے اس کی طرف سے جواب دے دیا: "بیٹے ابونصر! تیری بے پناہ مصروفیت کے پیشِ نظر میں خود تیرے پاس چلی آئی۔"

ابونصر نے عمائدین اور اُمرا کی فہرست ایک طرف رکھ دی۔ اور پوچھا: "میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

ابونصر نے کنیز کو اشارہ کیا، وہ باہر چلی گئی۔

ماں نے پوچھا: "کیا کنیز موجود ہے؟"

ابونصر نے جواب دیا: "میں نے اسے باہر بھیج دیا۔ اب آپ بتائیں مجھ سے کیا کام پیش آگیا آپ کو؟"

ماں نے پوچھا: "میں نے سنا ہے آج کل تو پریشان دکھائی دے رہا ہے۔"

"ابونصر نے جواب دیا: "افسوس کہ میں آپ سے جھوٹ بھی نہیں بول سکتا۔ میں آج کل واقعی بہت پریشان ہوں۔"

ماں نے دریافت کیا: "وہ پریشانیاں کیا ہیں؟ کچھ ہمیں بھی تو بتا۔"

ابونصر نے جواب دیا: "ماں! مجھ سے چند غلطیاں سرزد ہو گئی تھیں۔ بس انھی کا خمیازہ بھگت رہا ہوں۔"

اس کے بعد ابونصر نے سلیمان کی جانشینی، اس کی نااہلی ـــ الپ ارسلان کی کامیابی اور ابونصر سے اس کی اور خواجہ حسن کی برہمی کی پوری روداد سنا دی۔

ماں نے کہا: "میں تو یہ جاننا چاہتی ہوں کہ تو نے ایسی غلطی کیوں کی؟"

ابونصر نے جواب دیا: "ماں، کیا آپ نے وہ مثل نہیں سنی کہ الانسان من الخطا و نسیان، انسان بھول چوک اور غلطیوں کا پتلا ہے۔ انسان وجودِ آدم کے گناہ اور اس کی سزا سے مشروط اور مرہون ہے۔ آدم نے ایک گناہ کے عوض ہم سب کی زندگی رہن رکھ دی تھی۔ ہم اسے ادا کر رہے ہیں۔ زندگی اور گناہ لازم و ملزوم ہیں۔ زندگی ہے تو غلطیاں بھی ہیں۔ ان سے کون بچا ہے اور کون بچے گا؟"

ماں نے کہا: "میں تیری لفاظی سننے نہیں آئی۔ بلکہ میں تجھ کو چند مشورے دینے آئی ہوں۔"

ابونصر نے عرض کیا: "آپ دیں مشورے۔ اگر وہ صائب اور مناسب ہوئے تو ان پر ضرور عمل کروں گا۔"

ماں نے جواب دیا: "تیری کامیابیوں کا تیر کمان سے اتر چکا ہے اور خواجہ حسن کی اقبال مندی کا تیر کمان پر چڑھ چکا ہے۔ اس لیے تو شکست تسلیم کر لے۔ چھوڑ دے وزارت اور رے کو میرے ساتھ مکے چل، مدینے چل۔ اپنی بقیہ زندگی کو حکومت اور رے کے عذاب سے بچا لے۔ میں تیرے ساتھ چلوں گی مکے اور مدینے، اب یہ تماشا ختم ہو جانا چاہیے۔"

ابونصر ہنسنے لگا: "ماں! یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ یہ ساری باتیں جن سے آپ راہِ فرار اختیار کرنا چاہتی ہیں میرے لیے جینے کی حیثیت رکھتی ہیں۔"

ماں نے ابونصر کی طرف اپنا ایک ہاتھ بڑھایا۔ ابونصر نے ماں کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے چوم کر آنکھوں سے لگا لیا۔

ماں نے کہا: "میں تجھ سے یہ نہیں کہہ رہی کہ تو رے اور وزارت کو مستقل ہی چھوڑ دے۔ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ تو اس وقت تک ان دونوں سے دور رہے جب تک کہ تیرا سابقہ دورِ اقبال مندی واپس نہ آ جائے۔"

"ماں! آپ کا مشورہ سر آنکھوں پر، لیکن افسوس کہ میں ہزیمت اور پسپائی کسی قیمت پر بھی برداشت نہیں کر سکتا۔"

ماں نے اس کا ہاتھ دبایا: "بیٹے، میری بات مان لے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وقت ہی ہاتھ سے نکل جائے۔"

ابونصر کو اپنی عقل و تدبر پر پورا بھروسا تھا۔ جواب دیا:

"ماں، آپ بالکل فکر نہ کریں۔ اب میں جو چالیں چل رہا ہوں۔ ان سے میں اپنے حریفوں پر قابو پالوں گا۔ میں کوئی معمولی آدمی نہیں ہوں۔ میرے دشمنوں کو بھی اس کا اعتراف ہے۔"

ماں نے دوسرا مشورہ دیا۔ "اچھا پھر تو ہم سب کو مرو رود بھجوا دے۔ یہاں اکیلا رہ کر تو بہ خوبی اپنے دشمنوں سے نجات حاصل کرے گا۔"

ابونصر کو ماں کی یہ تجویز پسند آئی۔ اس نے کہا۔ "میں آپ سب کو مرو رود روانہ کر دوں گا۔"

ماں جانے کیا کیا سوچ کر آئی تھیں۔ لیکن اب وہ اس تہی دست کی طرح تھیں جو اعضائے جسمانی کے علاوہ اپنے پاس کچھ بھی نہ رکھتا ہو۔

ابونصر نے ماں کے چلے جانے کے بعد اپنے دوسرے منصوبوں کو مؤخر کر دیا۔ اور پورے خاندان کو سے مرو رود منتقل کر دیا۔

دوسرے دن محل میں ابونصر تنہا تھا اور دو خدمت گار۔ اب وہ خود کو ہلکا اور پرسکون محسوس کر رہا تھا۔

←

تیسرے دن، ابونصر نے رات کے پچھلے پہر اٹھ کر غسل کیا اور قرآن پاک کی تلاوت کرنے لگا۔ وہ پڑھ رہا تھا اور غور کر رہا تھا کہ اللہ تعالٰی جسے چاہتا ہے اپنا ملک دیتا ہے۔ اس ترجمے والی آیت پر وہ رک گیا۔ وہ معلوم نہیں کیا کچھ سوچتا رہا۔

ایک خدمت گار پریشان اور بدحواس اس کے پاس آیا اور بتایا۔ "محل کے باہر کچھ گڑبڑ ہے۔"

ابونصر نے ہاتھ کے اشارے سے اسے منع کیا کہ وہ تلاوت کر رہا ہے۔ فی الحال چلا جائے۔

خدمت گار نے عرض کیا۔ "جناب والا! میرے جانے سے خطرہ ٹل نہیں جائے گا۔ باہر کچھ گڑبڑ ہے۔"

ابونصر نے ناگواری سے قرآن پاک کو بند کیا اور پوچھا۔ "کیا گڑبڑ ہے؟"

خدمت گار نے جواب دیا۔ "میں نے محل کی چھت سے اندھیرے میں انسانی ہجوم کو محل کو گھیرے میں لیتے دیکھا ہے۔"

ابونصر کے دل و دماغ کو ایک جھٹکا سا لگا۔ "کہیں تو نیند میں تو نہیں ہے۔ کوئی خواب تو نہیں دیکھا؟"

خدمت گار نے جواب دیا۔ "میں نیند میں نہیں ہوں۔ میں بیدار ہوں۔ میں پوری رات سویا بھی نہیں۔"

اب ابونصر بھی فکر مند ہو گیا۔ پوچھا۔ "تیرا دوسرا ساتھی کہاں ہے؟"

اس نے جواب دیا۔ "وہ سو رہا ہے۔"

ابونصر مسکرانے لگا۔ "سو وہ رہا ہے اور خواب تو دیکھ رہا ہے۔ خوب ماشاءاللہ بلکہ سبحان اللہ۔"

خدمت گار نے ابونصر کو دعوت دی۔ "آپ میرے ساتھ خاموشی سے چھت پر چلیں اور جو کچھ میں نے دیکھا ہے وہ آپ بھی دیکھ لیں۔"

ابونصر چپکے سے اٹھا اور خدمت گار کے ساتھ چھت پر چڑھ گیا۔ لیکن اسی لمحے کسی نے محل کے در پر دستک دی جسے رات کے پچھلے پہر کے سناٹے میں بہ خوبی سن لیا گیا۔

ابونصر نے چھت کے چاروں طرف اٹھی ہوئی منڈیروں کے موکھے سے نیچے انسانی سایوں کو حرکت کرتے دیکھا۔

دروازے پہ زور زور سے اور بار بار دستک دی جا رہی تھی۔ پھر اس نے بڑی بڑی سیڑھیوں سے انسانوں کو اوپر چڑھتے بھی دیکھ لیا۔

ابونصر خدمت گار کے ساتھ نیچے آ گیا۔ اور خدمت گار سے کہا۔ "دروازہ کھول دے اور دیکھ یہ کون لوگ ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ قرآن پاک کی دوبارہ تلاوت کرنے لگا۔

کچھ دیر بعد انسانوں کی کثرت سے ابونصر کا محل بھر گیا۔ خواجہ حسن اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ابونصر کے محل میں داخل ہو چکا تھا۔

ابونصر نے نہایت خوش اخلاقی سے خواجہ حسن کا اس طرح استقبال کیا کہ قرآن پاک کو جزدان میں رکھ کر اونچی جگہ پر رکھ دیا۔ اور خواجہ حسن کو خوش آمدید کہا، پوچھا۔ "یہ بے وقت تشریف آوری خیریت ہے؟"

ابونصر نے مصافحہ کرنا چاہا لیکن خواجہ حسن نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں نہیں دیا۔

خواجہ حسن محل کا جائزہ لے رہا تھا۔ کہا۔ "محل میں تیرے سوا کوئی بھی نہیں ہے؟"

ابونصر نے جواب دیا۔ "میرے علاوہ میرے دو غلام بھی میرے آس پاس محل میں موجود ہیں۔"

خواجہ حسن نے کہا۔ "سلطان الپ ارسلان بھی محل کے باہر موجود ہیں۔"

ابونصر دیوانہ وار باہر بھاگا۔ "خواجہ حسن! یہ کیا غضب کیا آپ نے۔ یہ بات تو یہاں آتے ہی بتانا تھی۔"

وہ محل کے باہر نکل کر اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر الپ ارسلان کو تلاش کرنے لگا۔

الپ ارسلان، ابونصر کی بدحواسی کو دور سے محسوس کر رہا تھا۔ اس کے پاس مشعل روشن تھی۔ ابونصر کو یہ مشعل نہیں نظر آ رہی تھی۔

ایک شخص نے اس بدحواس انسان کو پہچانا اور اس کے کان میں کہا۔ "تو کسے تلاش کر رہا ہے؟"

ابونصر نے جواب دیا۔ "اپنے ولی نعمت سلطان الپ ارسلان کو۔"

اس شخص نے حیرت سے کہا۔ "خوب! آپ سلطان کو تلاش

کرسے ہیں اور سلطان سے آپ کی ملاقات ہی نہیں ہو رہی۔"

ابونصر مشعل کی طرف بڑھا۔ "ہاں، اب ہو جائے گی میری ملاقات۔"

شاہی چوبداروں نے ابونصر کو آگے نہیں بڑھنے دیا۔ اسے پکڑ کر بیٹھ گئے۔

ابونصر نے کہا "تم نے مجھے پکڑ لیا۔ مجھ کو آگے نہیں جانے دیا۔ لیکن میں تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟"

اس شخص نے جواب دیا "ہم سب آپ کو پہچانتے ہیں آپ وزیر ہیں۔"

ابونصر نے کہا "جب تم مجھے پہچانتے ہو تو پھر تم لوگ مجھے کیوں روک رہے ہو؟"

مشعل بردار کے پاس سے آواز آئی "اسے مت روکو میرے پاس آنے دو۔ میں اسی کے لیے یہاں آیا ہوں۔"

ابونصر کو خاموشی سے سلطان الپ ارسلان کے پاس پہنچا دیا گیا۔

مشعل کی روشنی میں الپ ارسلان کو اپنے محل کے دروازے پر اپنے روبرو دیکھ کر ابونصر کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے۔

خواجہ حسن بھی ان دونوں کے پاس پہنچ گیا۔ اور ابونصر سے کہا "میں تجھ کو اندر تلاش کر رہا تھا اور تو یہاں بھاگ آیا۔"

ابونصر نے خواجہ حسن کی زبان سے ہتک آمیز الفاظ سنے تو بڑا دکھ پہنچا "خواجہ حسن، میرے بارے میں نازیبا زبان نہ استعمال کریں۔ بھاگ آیا، یہ کیسی زبان ہے؟"

خواجہ حسن نے ابونصر کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور سلطان کو مطلع کیا "ہماری اطلاع درست نکلی۔ پورے محل میں دو غلام اور ابونصر کے سوا کوئی بھی نہیں۔"

سلطان الپ ارسلان نے پوچھا "محل کے دوسرے لوگ کہاں چلے گئے؟"

خواجہ حسن نے ابونصر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "ان دو سوالوں کے جواب بھی وہی دے گا جس کا یہ محل ہے اور میرا خیال ہے کہ سلطان اپنے محل واپس تشریف لے چلیں۔ اور وہیں سارے سوال جواب ہو جائیں۔"

لیکن سلطان نے اس کام کے لیے ابونصر کے محل کو مناسب جانا۔ "میں اسی محل میں سوال جواب کروں گا۔"

خواجہ حسن نہیں چاہتا تھا کہ ابونصر کے محل کو سلطان کے قدم رنجہ فرمانے کا فخر حاصل ہو۔ اس نے مشورہ دیا۔ "اس ناچیز کی رائے میں اس عدالتی امر کے لیے شاہی محل ہی بہترین جگہ ہے۔"

لیکن سلطان نے ابونصر سے کہا "ہمیں اپنے محل میں لے چل، ہم تیرے مہمان ہیں۔"

سلطان کے نرم لہجے نے ابونصر کی اندرونی گھٹن دور کر دی۔ وہ سلطان اور خواجہ حسن کو خوش خوش اپنے محل میں لے گیا۔

محل کی ویرانی سے سلطان کی سوچ کے اندیشوں میں اضافہ ہوا اور اس کی خوشگوار کیفیت بدمزاجی میں بدل گئی۔ "اے ابونصر! یہاں تیرا کمرہ کون سا ہے؟"

ابونصر انہیں اپنے کمرے میں لے گیا۔ سادہ، کشادہ اور کتابوں سے بھرا ہوا کمرہ۔ کمرے کے ایک گوشے میں تخت بچھا ہوا تھا۔ تخت سے متصل دیوار میں کتابوں کے لیے خانے بنے تھے اور ان میں وہ کتابیں رکھی تھیں جو ابونصر کے زیر مطالعہ رہتی تھیں۔

وہیں طاق میں ایک شمع رکھی تھی۔ اس کی تیز روشنی میں کتابیں پڑھی جا سکتی تھیں۔

الپ ارسلان نے ایک کتاب نکال لی اور اسے کھول کر دیکھنے لگا۔ یہ مشہور صوفی ابوالقاسم قشیری کی تصنیف رسالہ تھی۔ الپ ارسلان نے پوچھا "کیا یہ درست ہے کہ ابوالقاسم قشیری تجھ سے ناراض ہو کر مکہ معظمہ چلے گئے۔"

ابونصر انکار نہیں کر سکا "ہاں یہ درست ہے۔ وہ شافعی العقیدہ تھے اور مجھے ان عقائد سے اختلاف تھا۔"

الپ ارسلان نے کہا "تو تو تنگ نظر بھی ہے۔"

خواجہ حسن گفتگو کے اس موڑ سے بہت خوش تھا۔

ابونصر نے اپنی صفائی پیش کی "افسوس کہ میں عقیدوں کا اختلاف برداشت نہیں کر سکتا۔"

الپ ارسلان کا لہجہ ہی بدل گیا۔ کتاب اس کی جگہ پر دوبارہ رکھ دی "تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تو خود پرست بھی ہے۔" پھر پوچھا "محل کے دوسرے لوگ کہاں ہیں؟"

ابونصر نے جواب دیا "مرو رود میں۔ وہاں میرا محل ہے اور میں خود بھی وہاں کبھی کبھی چلا جاتا ہوں۔"

الپ ارسلان کچھ جاننا چاہتا تھا "اپنے لواحقین کو مرو رود کیوں روانہ کر دیا؟"

سہ شاخہ شمع دان کی ایک شمع بجھتی جا رہی تھی۔ ابونصر نے سلطان سے لمحہ بھر کی اجازت چاہی اور غلام کو حکم دیا "اس کی جگہ دوسری شمع جلا دی جائے۔" پھر سلطان سے پوچھا "آپ نے کیا دریافت کیا تھا مجھ سے؟"

خواجہ حسن نے درشت لہجے میں جواب دیا "سلطان سے اس کے سوال کو دہرانے کا مطالبہ کرنا گستاخی ہے۔ یہ کام تو میں بھی کر سکتا ہوں۔"

ابونصر الپ ارسلان کے سامنے جھک گیا "میں معافی چاہتا

ہوں۔" پھر خواجہ حسن نے درخواست کی۔" براہِ کرم مذکورہ سوال کو آپ ہی دُہرا دیں۔"

خواجہ حسن نے خشک لہجے میں سوال کیا۔" تو نے اپنے لواحقین کو مرو رود کیوں بھیج دیا؟"

ابونصر نے جواب دیا۔" میں انھیں کندر بھیجنا چاہتا تھا لیکن انھیں مرو رود پسند ہے۔"

سلطان نے خواجہ حسن کو آنکھ کا اشارہ کیا۔" انھیں بلوا لے۔"

خواجہ حسن ذرا سی دیر کے لیے باہر چلا گیا اور جب واپس آیا تو ابوحمزہ اور احمر کرمانی اس کے ساتھ تھے۔

ابونصر ان دونوں کو اچانک اپنے سامنے دیکھ کر بہت زیادہ پریشان ہو گیا۔

الپ ارسلان نے ان دونوں کی طرف اشارہ کیا۔" ان دونوں کو تو جانتا ہے؟"

ابونصر نے کمزور آواز میں جواب دیا۔" خوب اچھی طرح۔"

الپ ارسلان نے ابوحمزہ سے پوچھا۔" تو ابونصر کو کس طرح جانتا ہے؟"

ابوحمزہ نے جواب دیا۔" میں ابونصر کا احسان مند ہوں انھی کی سفارشوں اور کوششوں سے میں اس عہدے اس مقام تک پہنچا ہوں۔"

الپ ارسلان احمر کرمانی سے مخاطب ہوا۔" اور تو ابونصر کو کب سے جانتا ہے؟"

احمر کرمانی نے جواب دیا۔" یہ میرے بھی محسن ہیں اور آج میں جو کچھ بھی ہوں انھی کے طفیل ہوں۔"

الپ ارسلان نے مسکراتے ہوئے طنز کیا۔" تو تم دونوں ابونصر کے احسان مند ہو اور دوسرے لفظوں میں ابونصر تم دونوں کا محسن ہے۔"

دونوں نے بہ یک آواز جواب دیا۔" بے شک، بے شک۔"

الپ ارسلان کبھی تو ابونصر کو دیکھ رہا تھا، کبھی ابوحمزہ کو، کبھی احمر کرمانی کو۔ پھر ابوحمزہ سے پوچھا۔" اس دوران ابونصر تجھ سے ملا تھا؟"

ابوحمزہ گھبرایا ہوا تھا۔ کبھی کہا نہیں اور کبھی کہا ہاں۔

الپ ارسلان نے کہا۔" یہ ساری باتیں دوستانہ ماحول میں ہو رہی ہیں۔ تو گھبرا کیوں رہا ہے۔ بتا ابونصر اس دوران تجھ سے ملا تھا۔"

ابوحمزہ نے ابونصر کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔" ہاں ملک! ایک بار ایک دن ملاقات ہوئی تھی۔"

الپ ارسلان نے ذرا درشت لہجہ اختیار کیا۔" کیوں ہوئی تھی یہ ملاقات؟ ابونصر نے یہ ملاقات کیوں کی تھی؟"

ابوحمزہ نے جواب دیا۔" بس یونہی کوئی خاص بات تو نہ تھی۔"

الپ ارسلان ایک دم احمر کرمانی سے مخاطب ہو گیا۔" اور تو... تجھ سے ابونصر نے کیا باتیں کی تھیں؟"

احمر کرمانی نے جواب دیا۔" مجھ سے بھی کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی۔ بس یہ سمجھ لیجیے، دو واقف کار دنوں بعد ملاقات کرتے ہیں۔"

الپ ارسلان نے اپنی جیب سے ست لڑی ہار نکالا۔" اور یہ ہار... ابونصر نے یہ ہار تجھ کو کیوں دیا تھا؟"

احمر کرمانی اس ہار کو سلطان کے پاس دیکھ کر بہت زیادہ پریشان اور خوفزدہ ہو گیا۔ اس کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔" ابونصر میرے محسن ہیں اور یہ جب بھی مجھ سے ملتے ہیں کوئی نہ کوئی تحفہ ضرور دیتے ہیں۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث بھی ہے کہ آپس میں تحفے اور تحائف دیا کرو تاکہ محبت میں اضافہ ہو۔"

ابونصر، احمر کرمانی کے جواب سے خوش ہوا اور اس کی ڈھارس بندھی ورنہ وہ بے حد ڈر گیا تھا۔

الپ ارسلان نے احمر کرمانی کا جواب مسترد کر دیا۔" میں تیرے جواب سے مطمئن نہیں ہوا۔ سچ سچ بتاؤ تم تینوں میں کیا باتیں ہوئی تھیں...؟"

احمر کرمانی نے جواب دیا۔" آپ یقین نہ کریں یہ الگ بات ہے لیکن حقیقت یہی ہے جس کا میں نے اظہار کیا۔"

خواجہ حسن نے الپ ارسلان کی مدد کی۔" ابوحمزہ! تم زیادہ حقیقت پسند اور سلطان کے وفادار ہو۔ بتاؤ ابونصر نے تم سے کیا باتیں کیں۔"

ابوحمزہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

خواجہ حسن اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف لے گیا۔" اگر مروت آڑے آ رہی ہے تو ادھر آؤ۔ اس گوشے میں۔ یہیں وہ ساری باتیں بتا دو جو ابونصر سے طے پائی تھیں۔"

وہ دونوں کچھ دیر کھسر پھسر کرتے رہے۔ اس کے بعد خواجہ حسن، ابوحمزہ کو لے کر الپ ارسلان کے پاس آیا اور ابوحمزہ سے کہا۔" ابوحمزہ! اگر تجھ کو اپنی عزت اور اپنا منصب بچانا ہے تو سب کچھ سچ سچ بتا دے ورنہ سمجھ لے کہ تو بتائے یا نہ بتائے ہمیں ساری باتیں معلوم ہو چکی ہیں۔ میں تیرے جیسے وفادار کو بچانا چاہتا ہوں۔"

ابوحمزہ نے نظریں جھکا لیں۔" اصل واقعہ تو یہ ہے کہ ابونصر نے مجھ سے کہا حکومت کا اصل وارث تو شہزادہ سلیمان ہے۔ میں نے غلطی سے الپ ارسلان کا ساتھ دے دیا۔ اب اگر کسی طرح دھوکے سے الپ ارسلان کو قتل کر دیا جائے تو شہزادہ دوبارہ سلطان بن جائے گا۔ اور تم سب خواجہ حسن کی مصیبت سے بھی نجات پا جاؤ گے۔"

الپ ارسلان کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ وہ غصے سے

سرخ ہو چکا تھا۔

ابونصر کرب ناک لہجے میں غرایا "یہ جھوٹ ہے، بہتان ہے، الزام تراشی ہے۔"

الپ ارسلان نے ابونصر کے منہ پر طمانچہ رسید کیا۔ "تو چپ رہ۔" اور ابوحمزہ سے کہا: "تو اپنا بیان جاری رکھ۔"

ابوحمزہ کہتا رہا۔ "ابونصر نے مجھ سے کہا کہ اس سلسلے میں مال و زر جو کچھ درکار ہو گا، میں دوں گا۔ اس کی فکر نہ کرنا۔"

ابونصر کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ "آپ مجھے قتل کر دیں لیکن میں یہی کہوں گا کہ یہ جھوٹ ہے۔"

خواجہ حسن نے اسے منع کیا۔ "ابونصر، فی الحال تم خاموش رہو۔ جو کچھ کہتا ہے سنتا ہو۔ بعد میں تمہیں صفائی کا موقع دیا جائے گا کہہ سن لینا۔ لیکن فی الحال بیان کو پورا ہو جانے دو۔"

الپ ارسلان نے ابوحمزہ سے کہا: "بیان جاری رہے۔"

ابونصر نے خواجہ حسن سے کہا: "یہ سارا شر تیرا پیدا کردہ ہے۔ اے خواجہ حسن! اللہ سے ڈر۔ اس کی پکڑ بڑی زبردست ہوتی ہے۔"

الپ ارسلان نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔ "اس کا منہ بند کر دیا جائے۔ یہ بہت بُرا انسان ہے۔"

دو تنومند اور صحت مند غلاموں نے ابونصر کو قابو میں کر لیا۔ اور اس کا منہ دبا کر بیٹھ گئے۔

ابوحمزہ کہتا رہا۔ "جب میں آمادہ ہو گیا تو مجھے اچانک اپنے بعض دوستوں اور مددگاروں کا خیال آ گیا۔ ان میں یہ احمر کرمانی بھی تھا۔ میں نے ابونصر سے کہا کہ اس کام میں اگر بعض دوسرے دوست بھی ساتھ دے دیں تو ہمارا کام آسان ہو جائے گا۔"

ابونصر نے مجھ سے پوچھا تھا کہ وہ بعض دوست کون سے ہیں؟

"ہاں، میں نے ان کو جواب دیا تھا کہ فی الحال تو احمر کرمانی کو ہم خیال بنانے کی کوشش کریں۔ جب یہ راضی ہو جائے گا۔ تو دوسرے نام بھی ظاہر کر دیے جائیں گے۔ اس کے بعد ابونصر، احمر کرمانی سے باتیں کرنے چلا گیا۔ اور معلوم یہ ہوا کہ احمر کرمانی بھی آمادہ ہو گیا۔"

احمر کرمانی بھی چیخنے لگا۔ "یہ جھوٹ ہے۔ سراسر جھوٹ بلکہ سفید جھوٹ۔"

الپ ارسلان کا غصہ عروج کو پہنچا ہوا تھا۔ اس نے ایک زوردار طمانچہ احمر کرمانی کے دائیں رخسار پر بھی رسید کر دیا۔

احمر کرمانی گال سہلانے لگا۔ "سلطانِ محترم! آپ یقین کریں، یہ جھوٹ ہے، سفید جھوٹ۔ ابوحمزہ سے یہ جھوٹ بلوایا جا رہا ہے۔"

الپ ارسلان نے اس کی ایک نہ سنی اور ابوحمزہ سے کہا۔



"اور پھر ابونصر نے احمر کرمانی کو یہ تین لڑیوں والا قیمتی سچے موتیوں کا ہار دیا اور وعدہ کیا کہ کام ہو جانے پر بہت زیادہ انعام و اکرام سے نوازا جائے گا۔"

ابوحمزہ نے اس کی تائید کی۔ "بالکل بالکل، درست اندازہ لگایا حضور والا نے۔"

خواجہ حسن نے الپ ارسلان کو مشورہ دیا۔ "اب جبکہ ایک بڑی سازش پکڑی جا چکی ہے اور ملزمان خود اس کا اقرار کر چکے ہیں تو اس مقدمے کے فیصلے میں تاخیر سے کام نہ لیا جائے۔"

الپ ارسلان نے ابونصر کی مذمت کی اور کہا "یہ تجھ کو سوجھی کیا تھی۔ میرے چچا طغرل نے تو تجھ کو بڑا اعلیٰ مقام دیا تھا۔ اور اس کے پیشِ نظر میں نے بھی تجھ کو خواجہ حسن کی وزارت میں شریک کر دیا تھا پھر یہ تیرے دماغ میں خرابی کیوں پیدا ہو گئی؟"

ابونصر رو رہا تھا۔ "آپ مجھے قتل کر دیں لیکن میں یہی کہوں گا کہ میں بے گناہ ہوں۔ مجھے اس سازش میں خواہ مخواہ ملوث کیا گیا ہے۔"

احمر کرمانی بھی ابونصر کا ہم نوا تھا۔ اس نے ابوحمزہ کو مخاطب کیا۔ "ابوحمزہ! تم بڑے آدمی تھے۔ ایک زمانہ تمہاری عزت کرتا تھا۔ لیکن یہ اچانک تم اتنے بُرے اور ذلیل کیوں ہو گئے۔ اپنی چند روزہ دُنیا کی خاطر تم نے ہم دونوں کو برباد کر کے رکھ دیا۔ اللہ تمہیں کبھی معاف نہ کرے۔"

خواجہ حسن نے اپنے ملازموں کو حکم دیا۔ "اسے قید کر دیا جائے۔" جب وہ غلام احمر کرمانی کو قابو میں کر رہے تھے۔ الپ ارسلان نے ابونصر اور ابوحمزہ کی گرفتاری کا حکم دیا۔ "اور ان دونوں کو بھی قید کر دیا جائے۔"

ابوحمزہ نے خواجہ حسن کی طرف دیکھا۔ "مجھے کیوں؟ میں تو آپ سے پناہ حاصل کر چکا ہوں۔"

خواجہ حسن نے ابوحمزہ کی سفارش کی۔" میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تو سب کچھ سچ سچ بتا دے گا تو میں تجھے معافی دلوا دوں گا۔"

الپ ارسلان نے جواب دیا۔" لیکن میں نے اسے کوئی سزا تو نہیں دی۔ میں نے ابھی محض گرفتاری کا حکم دیا ہے۔"

خواجہ حسن نے پھر سفارش کی۔" لیکن ابوحمزہ کو نہ گرفتار کیا جائے تو بہتر ہے۔"

الپ ارسلان کو یہ سفارش ناگوار گزر رہی تھی۔" اس نے سخت لہجے میں خواجہ حسن کو تنبیہ کی۔" خواجہ حسن! آپ میرے اتالیق اور استاد ہیں۔ میں آپ کی بے حد عزت کرتا ہوں۔ آپ بھی اسی طرح رہیں کہ آپ کی عزت و توقیر میں کوئی فرق نہ آئے۔"

غلاموں نے ابونصر اور ابوحمزہ کو بھی گرفتار کر لیا۔ ابوحمزہ نے معمولی سی مزاحمت کی اور خواجہ حسن سے کہا۔" میں نے جو کچھ کہا آپ کے۔۔۔۔"

خواجہ حسن نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔" یہاں سلطان کے روبرو زبان کھولنا مناسب نہیں، تجھ کو صفائی پیش کرنے کا موقع ضرور ملے گا۔"

الپ ارسلان وہاں کچھ دیر خاموش گم صم بیٹھا رہا۔ اس کے بعد حکم دیا۔" اس محل اور اس کی جملہ اشیا کو حکومت کی ملکیت تصور کیا جائے۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا۔" بہتر ہے۔ یہ ساری چیزیں فروخت کر دی جائیں گی اور ان کی مجموعی رقم شاہی خزانے میں جمع کر دی جائے گی۔"

ابونصر، ابوحمزہ اور احمد کرمانی کو ایک ہی جگہ قید رکھا گیا۔

ابونصر نے ملامت کی۔" تو نے ابوحمزہ! جھوٹ کا دامن کیوں پکڑا۔ تو نے ایسا کیوں کیا ابوحمزہ؟"

ابوحمزہ نے جواب دیا۔" خواجہ حسن نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر میں اس کی بتائی ہوئی گواہی دے دوں گا تو وہ مجھے سلطان سے معافی دلوا دے گا۔"

احمد کرمانی نے اس پر لعنت بھیجی۔" تو نے بہت برا کیا۔"

ابوحمزہ بہت ڈرا ہوا تھا، پوچھا۔" اب کیا ہوگا؟"

ابونصر نے جواب دیا۔" اب کیا ہوگا۔ اب وہی ہوگا جو سلطان الپ ارسلان چاہے گا۔"

ابوحمزہ اس طرح کانپ رہا تھا گویا اسے تپ چڑھ گیا ہو۔

چوتھے دن ابوحمزہ کو وہاں سے ہٹا دیا گیا۔ اور قید خانے میں یہ صرف دونوں رہ گئے۔

ابونصر اور احمد کرمانی نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ ابوحمزہ کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا؟

ایک ہفتے بعد ابونصر کو دوبارہ الپ ارسلان کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ اس کے ساتھ احمد کرمانی بھی تھا۔ خواجہ حسن اور کئی دوسرے امرا بھی موجود تھے۔ ابن موفق الپ ارسلان کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے سلطان کی اجازت سے ابونصر سے پوچھا۔" اے ابونصر! جب تجھے خواجہ حسن کی وزارت میں شریک کر دیا گیا تھا تو پھر یہ خطرناک سازش کیوں کی؟"

ابونصر نے جواب دیا۔" اب میں بار بار کیا تردید کروں کہ میں نے کوئی سازش نہیں کی۔"

ایک دوسرے امیر نے ابونصر پر افسوس کیا۔" سچ ہے آدمی کو بگڑتے دیر نہیں لگتی۔"

خواجہ حسن نے اپنی صفائی پیش کی۔" یہ معاملہ اتنا واضح اور صاف ہے کہ اس میں حرف زنی کی گنجائش ہی نہیں۔ میں از ابتدا تا انتہا لاتعلق ہوں۔"

ابونصر نے پوچھا۔" اس مقدمے کا بنیادی اور مرکزی کردار ابوحمزہ کہاں ہے؟"

خواجہ حسن نے الپ ارسلان کی طرف سے جواب دیا۔ " اسے معاف کر دیا گیا کیونکہ اس نے اس سازش کو بے نقاب کیا اور سب کچھ سچ سچ بتا دیا۔"

ابونصر نے کہا۔" میں نے یہ سوال تجھ سے نہیں عدالت سے کیا تھا۔ سلطان الپ ارسلان سے۔"

سلطان نے جواب دیا۔" میں بھی یہی جواب دیتا جو خواجہ حسن نے دیا۔"

ابونصر نے کہا۔" پھر میں کیا کہوں گا۔"

" خواجہ حسن نے کہا۔" تجھ کو اپنی صفائی کا موقع دیا جا رہا ہے کیونکہ ہم نہیں چاہتے کہ بعد میں یہ کہا جائے کہ ابونصر کو اپنی صفائی میں کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں دیا گیا۔"

ابونصر نے جواب دیا۔" اس مقدمے کا مرکزی کردار چھوڑ دیا گیا۔ اس کی عدم موجودگی میں مجھ کو صفائی کا موقع دیا جا رہا ہے اور اور جب کسی مقدمے میں یہ کہہ دیا جائے کہ سازش ثابت ہو چکی ہے تو اس کے بعد اپنی صفائی میں کچھ کہنا فضول اور سراسر تضیع اوقات ہے۔ مجھے سزا دے دی جائے۔"

الپ ارسلان نظریں چرا رہا تھا۔ اس کی نظریں نیچی تھیں۔ پوچھا۔" کیا مرو رود تجھ کو پسند ہے؟"

ابونصر نے جواب دیا۔" مجھ کو تو یہ دنیا بھی بہت پسند ہے۔ اس سوال سے آپ کیا جاننا چاہتے ہیں؟"

الپ ارسلان نے جواب دیا۔" میں تجھ کو کوئی خوفناک سزا نہیں دے رہا۔ تو اس وقت بھی خواجہ حسن کا شریک وزیر ہے۔ تیری وہ خدمات جو چچا طغرل مرحوم کے دور سے متعلق ہیں، ایسی

رہیں کہ میں تجھے کوئی خوفناک سزا نہیں دے سکتا۔ اب چونکہ تیرا کنبہ مرو رود جا چکا ہے۔ میں تجھ کو بھی وہیں بھیج رہا ہوں تیرے اپنے کنبے کے پاس۔ اس دوران تو مرو رود کی حدود سے باہر نہیں نکلے گا بس یہی تیری سزا ہے۔"

احمد کرمانی اپنے فیصلے کا انتظار کر رہا تھا۔ الپ ارسلان نے اس کی طرف دیکھ کر تنبیہہ کی: "تو نے جو کچھ کیا ترغیب اور تحریص میں آ کر کیا ہے۔ تیری یہ پہلی غلطی، پہلا جرم یا پہلا گناہ تھا۔ اس لیے خواجہ حسن کی سفارش اور ابوحمزہ کی خواہش پر میں تجھے معاف کر رہا ہوں۔ اب تو آزاد ہے۔ فوج میں واپس جا اور ہماری مفوضہ خدمات کو دیانت داری سے انجام دیتا رہ۔"

احمد کرمانی نے عرض کیا: "لیکن میں مجرم نہیں تھا۔ میں نے کوئی غلطی..."

خواجہ حسن نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا: "میں نے تیرے جیسا احمق اور نادان نہیں دیکھا۔ جب تجھ کو معافی مل گئی اور تو رہا کیا جا رہا ہے تو اب ایسی کوئی بات یا حرکت نہ کر کہ سزا کا مستوجب ٹھہر جائے۔"

احمد کرمانی نے اپنے منہ پر سے خواجہ حسن کا ہاتھ ہٹایا اور ابونصر کی طرف اشارہ کیا: "جب ابوحمزہ اور مجھے معافی مل گئی، تو ابونصر کو بھی معافی ملنا چاہیے۔"

خواجہ حسن ناراض ہو گیا: "تو امورِ مملکت میں مداخلت کر رہا ہے۔ میں تیری رعایت سے دست کش ہو جاؤں گا۔"

الپ ارسلان نے خواجہ حسن کو جذباتی ہونے سے روکا: "آپ زبان بندی نہ کریں۔ فیصلے ہو چکے، اب ان میں کسی قسم کا رد و بدل نہیں ہو گا۔"

احمد کرمانی وہاں سے چلا گیا۔

الپ ارسلان نے ابونصر سے پوچھا: "کل تجھ کو مرو رود روانہ کر دیا جائے گا۔ مرو چھوڑنے سے پہلے تیری کوئی ایک خواہش پوری کی جا سکتی ہے۔"

ابونصر کچھ دیر تو خاموش رہا۔ خواجہ حسن جواب سننے کے لیے زیادہ بے چین تھا۔

ابونصر نے جواب دیا: "مرو چھوڑنے سے پہلے میں شہزادہ سلیمان اور ماں سے ملنا چاہتا ہوں۔"

خواجہ حسن مسکرایا اور آہستہ سے کہا: "کوئی شوشہ چھوڑ جائے گا۔"

الپ ارسلان نے اس کی درخواست مسترد کر دی: "افسوس کہ تیری یہ خواہش پوری نہیں کی جا سکتی۔ اب تو جا سکتا ہے۔"

الپ ارسلان اندر چلا گیا اور ابونصر کو قید خانے بھیج دیا گیا۔

خواجہ حسن نے ابنِ موفق سے کہا: "اب ابونصر کو مرو رود میں قید کر دیا جائے گا۔ اس لیے وزارتِ عظمیٰ مجھے مل جانی چاہیے۔"

ابنِ موفق نے جواب دیا: "میں سلطان کے دل کے کسی گوشے میں ابونصر کے لیے جذبۂ ہمدردی اور ترحم محسوس کر رہا ہوں۔"

خواجہ حسن کو اس سے اتفاق تھا۔ پوچھا: "پھر اس سے تمہارا کیا مطلب ہے؟"

ابنِ موفق نے جواب دیا: "صرف یہ کہ جب تک ابونصر زندہ ہے آپ وزارتِ عظمیٰ نہیں حاصل کر سکتے۔"

خواجہ حسن ابنِ موفق سے اتفاق نہیں کر سکا۔

دوسرے دن ابونصر کو مرو رود روانہ کر دیا گیا۔ ہرات کے مشرق میں دریائے مرغاب کے کنارے مرو رود ایک اچھا شہر تھا۔ اسی دریا کو دریائے مرو بھی کہا جاتا تھا۔ اگر مرو رود سے دریائے مرغاب کے کنارے کنارے شمال میں چلیں تو مشہور شہر مرو میں داخل ہو جائیں گے۔ خراسان کا پایۂ تخت۔ الپ ارسلان کو بھی یہ شہر پسند تھا۔

الپ ارسلان نے ابونصر کو بطور تحفہ دو غلام بھی عطا کیے تھے۔ جو غلام کے علاوہ الپ ارسلان کے مخبر بھی تھے۔

راستے میں ابونصر کے دونوں غلاموں نے ابونصر کی حالِ زار پر افسوس کیا۔ وہ ابونصر کا شاندار زمانہ دیکھ چکے تھے۔

جب یہ لوگ دو دن کے لیے نیشاپور ٹھہرے تو وہاں کے چند معززینِ شہر ابونصر سے ملاقات کرنے آئے۔ دونوں غلاموں نے انھیں ابونصر سے ملنے نہیں دیا۔

نیشاپور سے ابونصر کی بڑی یادیں وابستہ تھیں۔ جب اسے یہ بتایا گیا کہ وہ نیشاپور میں آزادی سے نہیں گھوم پھر سکتا تو اسے بہت دکھ ہوا۔

دونوں غلام ابونصر کو یقین دلاتے رہے کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے، سلطان الپ ارسلان کے حکم سے ہو رہا ہے۔

خواجہ حسن نے ابونصر کے چلے جانے کے بعد الپ ارسلان

قمقمہ

ایک نوجوان سے اس کے دوست نے پوچھا: "بھئی تم نے اتنی سال دار عورت کو اپنے ساتھ شادی کرنے پر آمادہ کیسے کر لیا؟"

نوجوان بولا: "بڑی آسانی سے۔ میں نے اس کی بیسویں سالگرہ پر بائیس گلاب نذر کر دیے تھے۔"

عشرت علی

کو مشورہ دیا کہ جب تک آپ بغداد سے سندِ حکومت نہیں حاصل کر لیتے۔ آپ کی ہر چیز غیر یقینی اور ناقابلِ اعتبار ہے۔"

الپ ارسلان بھی اس نکتے سے آگاہ تھا، پوچھا۔ "اس سلسلے میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

خواجہ حسن نے کہا۔ "اس وقت صرف ایک صورت ہے، میں صرف مشورے دے سکتا ہوں۔"

الپ ارسلان نے جواب دیا۔ "مشورے بھی دیں اور انھیں عملی جامہ بھی پہنائیں۔"

خواجہ حسن نے مشورہ دیا۔ "سیدہ کو فوراً بغداد روانہ کر دیں اور امیر المومنین کو لکھ دیں کہ آپ کی عزت اور امانت بصد احترام اور احتیاط واپس کر دی گئی ہے اور خط میں یہ بھی لکھ دیا جائے کہ اس افسوس ناک واقعے میں جس شخص کا ہاتھ تھا۔ اسے رَے سے نکال کر مرورود میں قید کر دیا گیا ہے۔"

الپ ارسلان نے پوچھا۔ "کیا یہ سب لکھنا ضروری ہے؟"

خواجہ حسن نے آزردہ لہجے میں کہا۔ "میں جانتا ہوں کہ آپ کے دل میں ابو نصر کی وقعت اور عزت اب بھی موجود ہے لیکن اب آپ جس مقام پر کھڑے ہیں وہاں ابو نصر کو خلافتِ عباسیہ کے روبرو اسی شکل اسی روپ میں پیش کرنا ہوگا۔ امیر المومنین قائم بامر اللہ، ابو نصر سے ناراض ہیں۔ وہ آپ کے مذکورہ اقدام سے بہت خوش ہوں گے اور آپ کو فوراً سندِ سلطانی مل جائے گی۔"

الپ ارسلان نے پوچھا۔ "اور سیدہ کو بغداد لے کون جائے گا؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا۔ "ابنِ موفق۔ امیر ابنِ موفق۔"

الپ ارسلان نے فوراً اجازت دے دی۔ "پھر تاخیر کیوں؟ اس پر فوراً عمل کیا جائے۔"

خواجہ حسن نے خلافتِ عباسیہ کے نام الپ ارسلان کی طرف سے نہایت شاندار خط لکھا۔ اس میں ابو نصر کی بڑی مذمت کی گئی تھی۔

ابنِ موفق اس خدمت کو اپنے لیے بڑا اعزاز سمجھ رہا تھا۔ خواجہ حسن ابنِ موفق کو سمجھاتا رہا کہ جب تجھے خلیفہ قائم بامر اللہ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہو تو اس کے دل و دماغ میں یہ ضرور بٹھا دینا کہ سیدہ کے ساتھ جو کچھ ہوا اس کا ابو نصر ذمے دار اور خطاکار ہے اور یہ بھی بتا دینا کہ الپ ارسلان نے اسے اسی جرم میں قید کیا، مقدمہ چلایا اور سزا دے دی۔ تو خلیفہ کو یہ بھی بتا سکتا ہے کہ یہ ساری کارروائی تیرے سامنے ہوئی ہے اور یہ بھی باور کرا دینا کہ اس مقدمہ، غنزا اور سیدہ کی بہ عجلت اور بصد عزت و احترام واپسی کا محرک خواجہ حسن ہے اگر تو نے یہ کام میری توقع کے مطابق کیا تو میں تجھ کو کہیں سے کہیں پہنچا دوں گا۔"

ابنِ موفق نے وعدہ کیا۔ "میں اپنی پوری صلاحیت اور قابلیت سے کام لے کر یہ خدمت انجام دوں گا۔"

خواجہ حسن بہت فکرمند تھا۔ وہ ابو نصر سے اب بھی خوف زدہ تھا۔ "ابو نصر ابھی زندہ ہے۔ اس کی کوئی ایک چال میری ساری تدابیر اور حکمت عملیوں کو خاک میں ملا سکتی ہے۔ اس لیے میں رَے سے بغداد تک رائے عامہ کو اپنے حق میں کر لینا چاہتا ہوں۔"

ابنِ موفق نے پھر وعدہ کیا۔ "میں کوشش کروں گا کہ یہ کام آپ کی خواہش کے مطابق طے پا جائے۔"

بغداد روانگی سے قبل الپ ارسلان نے ابنِ موفق کو تخلیے میں طلب کیا۔ یہاں الپ ارسلان اور ابنِ موفق کے سوا تیسرا کوئی نہ تھا۔

خواجہ حسن کے خط کو الپ ارسلان نے ایک بار پھر پڑھا اور ابو نصر کے متعلق سطور پر انگلی رکھ کر پوچھا۔ "تیرا کیا خیال ہے کیا یہ کچھ زیادہ نہیں ہو گیا؟ میرا مطلب ہے کہ اس طرح ابو نصر کے ساتھ زیادتی نہیں ہو رہی؟"

ابنِ موفق نے جواب دیا۔ "سلطانِ محترم! بات زیادتی یا اعتدال کی نہیں، آپ امیر المومنین سے حکومت کی سند کس طرح حاصل کریں گے؟"

الپ ارسلان سوچوں میں گم تھا۔ "یہ تو ٹھیک ہے۔ ہمیں سندِ حکومت بہر حال، بہر قیمت درکار ہے لیکن اس طرح ابو نصر کی غیر ضروری کردار کشی ہو رہی ہے۔"

ابنِ موفق نے عرض کیا۔ "پھر ان سطروں کو نکال دیا جائے خط سے؟ کیا خیال ہے آپ کا؟"

الپ ارسلان نے جواب دیا۔ "نہیں، نہیں۔ میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ میں اس سنہری موقع کو بلاوجہ ضائع کر دوں۔"

ابنِ موفق نے کہا۔ "اگر آپ کو کوئی خاص بات کہنی ہو تو میں اسے زبانی لے جاؤں گا اپنے ساتھ۔"

الپ ارسلان نے پوچھا۔ "خواجہ حسن نے تجھے زبانی کیا کچھ سمجھایا؟ اس نے اور کیا کیا کہا سنا ہے تجھ سے؟"

ابنِ موفق نے جواب دیا۔ "اور کچھ نہیں۔ بس سیدہ کی عزت اور احترام کا ذکر بہت زیادہ ہوا۔"

الپ ارسلان کو ابنِ موفق کی بات پر یقین نہیں آیا۔ اس نے ابنِ موفق کو سمجھایا۔ "دیکھو وہاں ابو نصر کا ذکر کم سے کم ہونا چاہیے۔ ابو نصر نے ہم سلجوقیوں کے لیے بڑا کام کیا ہے اور یہ سیدہ، جس کا نام لے لے کر ابو نصر کو مجرم اور خطاکار ٹھہرایا جا رہا ہے۔ اس کے پس منظر میں بھی آلِ سلجوق کی عزت و توقیر کار فرما ہے۔ جب خلیفہ نے ہماری بہن ارسلان خاتون سے شادی کر کے ہمیں ہماری قوم کی نظروں سے گرا دیا تھا اس وقت یہ ابو نصر ہی تھا کہ چچا طغرل کی

شادی سیدہ سے کر کے ہمیں ہماری قوم کی نظروں میں اٹھا دیا تھا۔"

اب ابنِ موفق پریشان ہو رہا تھا۔ کہ وہ کس کی بات مانے اور کس کی منوائے؟

الپ ارسلان کہتا رہا۔"انسان سے غلطیاں ہوتی ہیں، لیکن ابونصر سے کچھ زیادہ ہی غلطیاں سرزد ہو رہی ہیں۔ وہ بلا کا ذہین اور قابل انسان کسی یتیم اور بے سہارا بچے کی طرح سہم سہم کر جو قدم بھی اٹھاتا ہے، وہ اس کے خلاف جاتا ہے۔ مجھ کو اس پر رحم آتا ہے۔"

ابنِ موفق نے عرض کیا۔"آپ جو کچھ فرما رہے ہیں، میں دیکھ کروں گا۔"

الپ ارسلان نے خواجہ حسن کی شکایت کی۔"خواجہ حسن، ابونصر سے ناراض ہے۔ وہ اسے بالکل پسند نہیں کرتا۔ شاید خواجہ حسن، ابونصر سے ڈرتا بھی ہے، پتا نہیں کیوں؟"

ابنِ موفق نے عرض کیا۔"نہیں حضورِ والا! یہ بات نہیں ہے شاید خواجہ حسن کسی سے بھی نہیں ڈرتا۔"

الپ ارسلان نے کہا۔"تو نہیں جانتا، یہ بات صرف میں جانتا ہوں صرف میں۔ کوئی اور نہیں جانتا، کوئی اور جان بھی کس طرح سکتا ہے؟"

ابنِ موفق نے اجازت چاہی۔"کیا میں جاؤں؟"

الپ ارسلان نے جواب دیا۔"ہاں اب تو جا سکتا ہے لیکن خبردار! ہماری اس گفتگو کا کسی اور کو علم نہیں ہونا چاہیے اور خاص کر خواجہ حسن کو۔"

ابنِ موفق نے عرض کیا۔"آپ کی ہر بات آپ کی امانت کی طرح محفوظ رہے گی۔"

خواجہ حسن، ابنِ موفق پر بھی اعتبار نہیں کر رہا تھا۔ اس کے مخبروں نے یہ خبر پہنچا دی تھی کہ الپ ارسلان اور ابنِ موفق میں تخلیے میں کافی باتیں ہوئی ہیں۔ وہ ابنِ موفق سے یہ نہیں پوچھ سکتا تھا کہ ان باتوں کی تفصیل کیا ہے؟

وہ ابنِ موفق اور سیدہ کو شہر کے باہر تین فرسخ تک رخصت کرنے گیا اور اس کا گھوڑا ابنِ موفق کے گھوڑے کے برابر چل رہا تھا۔ راستے میں خواجہ حسن نے پوچھا۔"سلطان نے بھی تو کچھ ہدایات دی ہوں گی۔ اگر مجھ کو ان کا علم ہو جائے تو میں تجھ کو بہترین مشورے دے سکتا ہوں۔"

ابنِ موفق جواب ٹال گیا۔"نہیں کوئی خاص قابلِ ذکر بات نہیں ہوئی۔"

خواجہ حسن کا ماتھا ٹھنکا۔ اس نے معنی خیز سوالیہ نظروں سے ابنِ موفق کو گھورا۔"تو سچ کہہ رہا ہے؟"

ابنِ موفق نے جواب دیا۔"بالکل سچ، آپ مجھ پر کسی قسم کا شبہ نہ کریں۔"

خواجہ حسن قافلے کے دوسرے افراد سے باتیں کرنے لگا۔ قافلے کے سبھی لوگ خواجہ حسن کے انتخاب کیے ہوئے تھے۔ وہ باری باری ہر ایک سے ملا۔ اور الگ الگ ہدایات دیتا رہا۔ یہ قافلہ آگے بڑھ گیا۔ اور خواجہ حسن واپس لوٹ آیا۔

ابنِ موفق نے خواجہ حسن میں یہ تغیر محسوس کیا کہ خواجہ حسن نے واپس جاتے ہوئے اس سے ملاقات نہیں کی تھی۔

دوسرے ہی دن قافلے کی طرف سے ایک آدمی بہت بری خبر لایا کہ ابنِ موفق کا اچانک انتقال ہو گیا ہے اور قافلہ سیدہ کے ساتھ پڑاؤ ڈالے پڑا ہوا ہے۔

خواجہ حسن نے یہ خبر الپ ارسلان تک پہنچا دی۔ اور افسوس کا اظہار کیا۔"یہ کیا اور کس طرح ہو گیا، میری تو عقل حیران ہے۔"

الپ ارسلان نے پوچھا۔"ابنِ موفق کی جگہ اب کسے بھیجا جائے؟"

خواجہ حسن نے اپنی خدمات پیش کیں۔"اگر آپ اجازت دیں تو میں جا سکتا ہوں۔"

الپ ارسلان نے منع کر دیا۔"خواجہ حسن! اس عبوری دور میں مجھے آپ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ میں آپ کو نہیں بھیج سکتا۔"

خواجہ حسن نے عرض کیا۔"میں بھی یہی سمجھتا ہوں۔ پھر کس کو بھیجا جا سکتا ہے، کسی بھی دوسرے آدمی کو جو لائق اور فرماں بردار ہو۔"

الپ ارسلان اپنے ذہن پر زور دیتا رہا۔ اور آخر کار حکم دیا۔

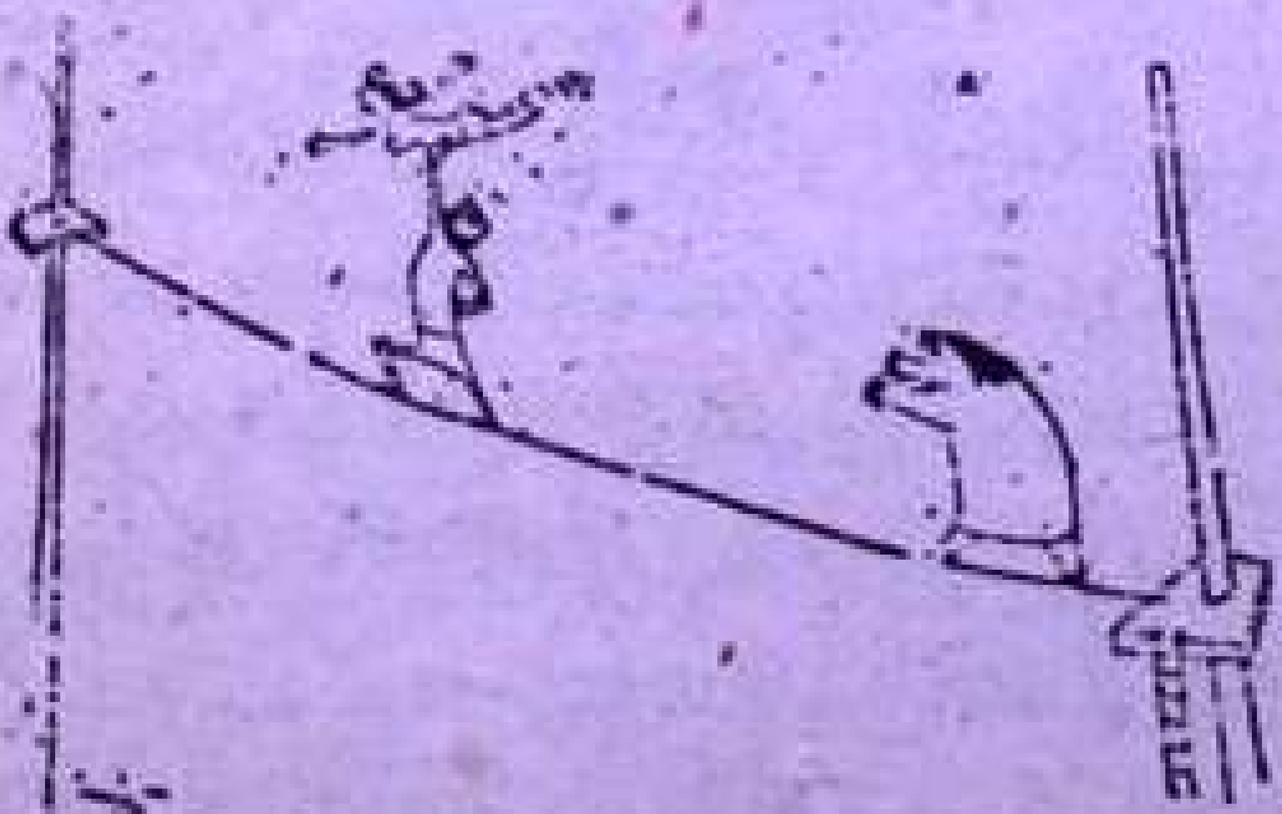
"عمید ابوالفتح مظفر بن حسین کو بلایا جائے۔"

خواجہ حسن نے اس نام سے یہ اندازہ لگایا کہ یہ امیر پچھلے سلطان طغرل مرحوم کے دربار سے وابستہ تھا۔ اس لیے ابونصر سے بھی کسی نہ کسی قسم کا تعلق ضرور رہا ہو گا۔

خواجہ حسن نے پوچھا۔"یہ شخص مناسب ہے؟"

الپ ارسلان نے جواب دیا۔"یہ تجربہ کار امیر ہے اور ابنِ موفق سے کسی طرح کم نہیں۔"

خواجہ حسن نے دبے لفظوں میں سلطان کو خبردار کیا۔"میں تو یہ چاہتا ہوں آپ جسے چاہیں بغداد بھیج دیں لیکن پہلے یہ ضرور سوچ



ہیں کہ وہ آپ کا اہم ترین کام انجام بھی دے سکے گا یا نہیں؟"

الپ ارسلان نے جواب دیا۔ "میں ابوالفتح کو تیرے حوالے کردوں گا۔ تو اسے اچھی طرح سمجھا دے گا۔"

خواجہ حسن دیر تک ابوالفتح کا انتظار کرتا رہا۔ سلطان الپ ارسلان اسے بھی سب وہی سمجھاتا رہا۔ جو ابن موفق کو سمجھا چکا تھا۔ "وہاں امیر المومنین سے اپنے طور پر کوئی ایسی بات نہیں کرنی ہے جس سے ابونصر کی شکایت ظاہر ہو رہی ہو۔ اس نے ہمارے خاندانی وقار کو سر بلند کیا ہے۔"

ابوالفتح نے عرض کیا۔ "ابونصر کے مجھ پر بھی احسانات ہیں۔ میں اسے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"

الپ ارسلان نے کہا۔ "جا اب خواجہ حسن سے بھی مل لے۔ وہ بھی تجھے ہدایات دے گا۔ ہماری باتوں کا خواجہ کو علم نہیں ہونا چاہیے۔"

خواجہ حسن، ابوالفتح سے مشتبہ انداز میں باتیں کرتا رہا۔ اور اس کے ساتھ بھی وہی ابن موفق والا طریقہ اختیار کیا۔ وہ ابوالفتح کو تین فرسخ تک چھوڑنے آیا۔ اور راستے میں پوچھا۔ "سلطان نے ابونصر کے بارے میں کیا ہدایات دی ہیں؟"

ابوالفتح نے جواب دیا۔ "کوئی خاص ہدایت نہیں دی' وہ فرما رہے تھے کہ اصل ہدایات تو آپ سے ملیں گی مجھ کو۔"

خواجہ حسن نے ابوالفتح کو خول سے باہر نکالنے کے لیے ہدایات دینا شروع کر دیں۔ "امیر المومنین کو ہر طرح یہ باور کرا دینا ہے کہ محترمہ سیدہ یا خاندانِ خلافت کے ساتھ جو بھی زیادتی ہوئی ہے۔ اس کا واحد قصوروار ابونصر ہے۔"

ابوالفتح کی زبان سے بے اختیار نکل گیا۔ "لیکن جناب وزیر اعظم صاحب' آپ ابونصر کے سلسلے میں یہ کیوں نہیں سوچتے کہ یہ ابونصر ہی تھا جس نے آلِ سلجوق کو تاریخ عالم میں وہ مقام دلوایا۔ جو اس سے پہلے ان جیسوں کو حاصل نہیں ہوا تھا۔ ابونصر برا ہو گا لیکن اس میں اچھائیاں بھی بہت زیادہ ہیں۔"

خواجہ حسن سناٹے میں آگیا۔ "تو تو خود بہت سمجھ دار ہے عقلمند ہے۔ تجھ کو میں کیا ہدایات دوں گا۔ خوب!"

ابوالفتح کو ایسا لگا جیسے وہ خواجہ حسن کو ابونصر کے معاملے میں قائل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔

خواجہ حسن تین فرسخ سے واپس آگیا۔ اب وہ خود سفر کی تیاریاں کرنے لگا۔ اب اس معاملے کو اس نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔

الپ ارسلان نے اپنے بیٹے ملک شاہ کو خواجہ حسن کی اتالیقی میں دے دیا تھا۔ وہ اکثر و بیشتر خود ہی خواجہ حسن کے پاس آ جاتا تھا۔ ابوالفتح کے جانے کے دوسرے دن ملک شاہ نمازِ فجر کے بعد ہی خواجہ حسن سے ملنے آگیا۔ خواجہ حسن نے شہزادے سے بڑی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔

اس نے شہزادے سے کہا۔ "شہزادے اب آپ اس لائق ہو چکے ہیں کہ امورِ مملکت میں عملاً حصہ لیا کریں۔"

شہزادے نے جواب دیا۔ "استادِ محترم' میں تو آپ کے زیرِ سایہ سیکھ رہا ہوں۔ آپ جس بات کا حکم دیں گے میں انجام دوں گا۔"

خواجہ حسن نے کہا۔ "اب جیسے ابوالفتح بغداد گیا ہے۔ اس کے ساتھ آپ کو بھی جانا چاہیے تھا۔"

شہزادے نے کہا۔ "آپ نے ذرا سا اشارہ بھی کر دیا ہوتا تو میں ابوالفتح کے ساتھ ضرور جاتا۔"

خواجہ حسن مسکرایا۔ "آپ فکر نہ کریں شہزادے! آپ کو تو میں بغداد لے جاؤں گا۔"

شہزادہ خواجہ حسن سے دیر تک باتیں کرتا رہا۔ ان باتوں میں ابونصر کا ذکر بھی آیا۔ خواجہ حسن نے شکایتاً کہا۔ "ابونصر کے مقابلے میں میں بدقسمت انسان ہوں۔"

شہزادہ ملک شاہ نے پوچھا۔ "وہ کس طرح، حالانکہ ابونصر کو جلاوطن کر دیا گیا۔ اور وہ مرورود میں قیدیوں کی طرح رہ رہا ہو گا جبکہ آپ وزیر ہیں۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا۔ "وہ جلاوطن کر دیا گیا لیکن میری وزارت میں وہ اب بھی شریک ہے۔ میں نے ابھی تک وزارتِ عظمیٰ کا منصب نہیں سنبھالا۔"

شہزادے نے پوچھا۔ "ایسا کیوں ہے؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا۔ "میں نے سلطان سے کتنی بار یہ درخواست کی کہ مجھے وزارتِ عظمیٰ کا منصب مرحمت فرمایا جائے لیکن سلطان نے ٹال دیا۔"

شہزادے نے پوچھا۔ "اور وہ جلاوطن قیدی آپ کے منصب میں شریک ہے۔ آخر کیوں؟"

خواجہ حسن اداس ہو رہا تھا۔ "معلوم نہیں کیوں، پتا نہیں کیوں۔"

شہزادے نے پوچھا۔ "کیا میں باواجان سے بات کروں؟"

خواجہ حسن گھبرا گیا۔ "نہیں آپ میری باتوں کا کہیں ذکر بھی نہ کیجیے گا۔ اس سے بات بگڑ جائے گی۔"

شہزادہ ملک شاہ کچھ دیر اور بیٹھا پھر اپنے محل چلا گیا۔

کئی دن بعد الپ ارسلان کو یہ منحوس خبر بھی مل گئی کہ ابوالفتح بھی انتقال کر گیا۔ اب کسی تیسرے شخص کو روانہ کیا جائے تاکہ سیدہ کو بغداد پہنچایا جا سکے۔

الپ ارسلان حیران تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ اس نے اپنے امرا کو دربار میں طلب کیا اور یہ عجیب و غریب مسئلہ ان کے سامنے رکھ دیا۔

کسی مسخرے نے الپ ارسلان کو مشورہ دیا: "ابونصر کو مرو سے بلوا کر سیدہ کے ساتھ بغداد روانہ کر دیا جائے۔ اللہ نے چاہا تو وہ بھی ٹھکانے لگ جائے گا اور خواجہ حسن کو سکون میسر آجائے گا۔"

خواجہ حسن اس مذاق کو نہیں برداشت کر سکا۔ اور سلطان سے عرض کیا: "جناب والا! اگر یہ خدمت اتنی ہی منحوس اور خطرناک ہے تو میں یہ ذمے داری قبول کرنے کو تیار ہوں۔"

سلطان نے اپنے دوسرے امرا کی طرف دیکھا: "ہے کوئی تم میں ایسا جیالا اور جوان مرد جو یہ ذمے داری قبول کرے؟"

سلطان نے کچھ دیر جواب کا انتظار کیا۔ آخر جب کوئی آگے نہیں بڑھا تو خواجہ حسن پھر کھڑا ہو گیا: "سلطان محترم! یہ ذمے داری میں قبول کر رہا ہوں۔"

الپ ارسلان بے بس اور مجبور ہو گیا۔ اور خواجہ حسن کو اس اہم ذمے داری کی انجام دہی پر مامور کر دیا گیا۔

دربار برخاست کر دیا گیا اور الپ ارسلان نے خواجہ حسن کو تخلیے میں دیر تک سمجھایا۔ آخر میں کہا: "خواجہ حسن! آپ دانا و بینا ہیں۔ ابونصر سے آپ نفرت کرتے ہیں۔"

خواجہ حسن نے ہاتھ کے اشارے سے منع کیا کہ اس ذکر کو نہ چھیڑا جائے تو مناسب ہوگا۔

الپ ارسلان نے کہا: "میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ دربار خلافت میں ابونصر کا ذکر کم سے کم ہو۔ آخر ابونصر بھی چچا طغرل مرحوم کا وزیر رہ چکا ہے۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا: "اس خاکسار کو معلوم ہے کہ آپ کے دل میں ابونصر کی کیا عزت ہے۔ میں آپ کے احساسات کا پورا پورا خیال رکھوں گا۔" اس کے بعد خواجہ حسن نے درخواست کی: "شہزادہ ملک شاہ کو بھی اس کے ساتھ جانے کی اجازت عطا فرمائی جائے۔"

الپ ارسلان نے پوچھا: "اس مہم میں شہزادے کا کیا کام؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا: "نت نئے تجربات کی خاطر، گوناگوں مشاہدات اور..."

الپ ارسلان مجبور ہو گیا اور شہزادہ ملک شاہ کو خواجہ حسن کے ساتھ بغداد جانے کی اجازت مل گئی۔

خواجہ حسن پہلے ہی سفر کی تیاری کر چکا تھا۔ شہزادہ ملک شاہ اس کے ساتھ تھا۔

کئی دن بعد خواجہ حسن وہاں پہنچ گیا جہاں سیدہ اپنے تیسرے میر کارواں کا انتظار کر رہی تھی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اس کا تیسرا میر کارواں کون ہوگا؟

خواجہ حسن سیدہ کے خیمے کے سامنے گھوڑے سے اترا اور محافظوں کے ذریعے سیدہ کو مطلع کیا کہ خواجہ حسن اذنِ باریابی چاہتا ہے۔

سیدہ اس نام سے بہت خوش ہوئی اور اسے اندر بلا لیا۔ شہزادہ ملک شاہ اس کے ساتھ تھا۔ سیدہ شہزادے سے واقف نہیں تھی۔ خواجہ حسن سے پوچھا: "تیرے ساتھ یہ نوعمر لڑکا کون ہے؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا: "الپ ارسلان کا بیٹا ملک شاہ۔ آلِ سلجوق کا تیسرا فرماں روا۔"

سیدہ نے خوشی کا اظہار کیا اور شہزادے کو اپنے پاس بٹھا لیا۔

خواجہ حسن نے سیدہ کو بتایا: "آپ کے ساتھ میں آنا چاہتا تھا۔ اللہ نے میری خواہش پوری کر دی۔"

سیدہ نے کہا: "اہلِ قافلہ اور میں خود بھی حیران ہوں کہ ابنِ موفق اور ابوالفتح اچانک کس طرح مر گئے۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا: "موت کا کوئی اعتبار نہیں اور سچی بات تو یہ ہے کہ بغداد میں آپ کے ساتھ مجھے داخل ہونا تھا۔"

سیدہ نے ابونصر کی خیریت پوچھی: "وہ کہاں ہے؟"

خواجہ حسن کو اس نام اور اس ذکر سے چڑ تھی۔ منہ بنا کے جواب دیا: "وہ مرو رود میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہا ہے۔"

سیدہ نے اس کی ذہانت اور قابلیت کی تعریف کی: "اس نے جو کچھ میرے ساتھ کیا اس سے قطع نظر آدمی لائق اور صاحب تدبیر ہے۔"

خواجہ حسن کے چہرے پر کرختگی آگئی: "بغداد میں آپ میرا ایک کام ضرور کریں گی۔"

سیدہ نے پوچھا: "وہ کیا؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا: "میں امیر المومنین سے تخلیے میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ وہاں ہم دونوں کے سوا کوئی نہ ہو۔ بس اگر

"میری یہ خواہش پوری ہو گئی تو میں....."

وہ کچھ کہتے کہتے رُک گیا۔

سیدہ نے وعدہ کیا۔ "میں آپ کی یہ خواہش پوری کر دوں گی۔"

قافلہ سوئے بغداد روانہ ہو گیا۔ بغداد میں یہ خبریں پہلے ہی پہنچ چکی تھیں۔ خلیفہ قائم بامر اللہ کا نمائندہ مع آٹھ نفری وفد سیدہ کے استقبال کی خاطر دس فرسخ کا فاصلہ طے کر کے راستے میں کھڑا ہو گیا۔ جیسے ہی سیدہ کا قافلہ اس وفد کے قریب پہنچا۔ ان لوگوں نے سیدہ پر پھول نچھاور کیے۔

پھر یہ لوگ محل کے شاہی دروازے سے محل کے اندر داخل ہو گئے۔ خواجہ حسن کو اس سے آگے نہیں جانے دیا گیا۔

خلیفہ کو بذاتِ خود اپنی بیٹی کے استقبال کے لیے محل کے مذکورہ دروازے پر آنا پڑا۔ سیدہ اپنے باپ کے سینے سے لگ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی۔

خلیفہ نے پوچھا "کیا تیرے ساتھ کسی قسم کی زیادتی ہوئی ہے؟"

سیدہ نے جواب دیا۔ "نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ وہ سب....."

خلیفہ نے کہا۔ "ہاں ہاں کہہ کہہ تو رک کیوں گئی۔"

سیدہ نے کہا۔ "الپ ارسلان اور خواجہ حسن بہت اچھے اور شریف انسان ہیں۔"

خلیفہ نے جواب دیا۔ "میں ان دونوں کی شرافت اور نیک نفسی کا قائل ہو گیا۔"

سیدہ نے ابو نصر کی بھی تعریف کی۔ "ابو نصر بھی بہت اچھا انسان ہے۔ اس نے اپنے اس معاہدے کا ہمیشہ پاس کیا، جو آپ دونوں کے درمیان ہوا تھا۔"

خلیفہ نے پوچھا۔ "اب وہ کس حال میں ہے؟"

سیدہ نے جواب دیا۔ "میں نے سنا ہے، وہ مرو رود میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہا ہے۔"

خلیفہ اسے محل میں لے گیا۔ وہاں محل کی خواتین سیدہ کے گلے لگ رہی تھیں اور واپسی پر مبارکباد پیش کر رہی تھیں۔

رات کو جشن کا سماں تھا۔ محل کو روشنیوں سے منور کر دیا گیا۔ خلیفہ قائم بامر اللہ اپنی بیٹی کو اپنے ساتھ لیے پھر رہا تھا۔ وہ بیٹی سے شرمندہ بھی تھا۔

سیدہ اس سے کچھ کہنا چاہتی تھی اور خلیفہ کو یہ شبہ تھا کہ وہ کوئی شکایت کرنا چاہتی ہے۔ اس لیے سیدہ کو بولنے کا موقع ہی نہیں دے رہا تھا۔

سیدہ خلیفہ سے الگ ہو کر محل کے اوپر غربی برج میں بیٹھ کر دجلہ کا نظارہ کرنے لگی۔

خلیفہ کو کچھ دیر تک اس کی عدم موجودگی کا احساس تک نہ ہوا لیکن جب اسے یہ بتایا گیا کہ خواجہ حسن ملاقات کے لیے وقت مانگ رہا ہے۔ تو اسے سیدہ یاد آ گئی۔ وہ سیدہ سے مشورہ کیے بغیر خواجہ حسن کو وقت نہیں دے سکتا تھا۔ وہ سیدہ کو ادھر اُدھر تلاش کرتا رہا۔ آخر ایک کنیز نے خلیفہ کو بتایا کہ اس نے سیدہ کو اوپر مغربی برج میں بیٹھا دیکھا ہے۔ خلیفہ کسی اندیشے کے پیش نظر دوڑتا ہوا اوپر چڑھ گیا۔ اور وہاں کے مغربی برج میں سیدہ کو روتے ہوئے پالیا۔

خلیفہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "سیدہ میری ماہ پارہ، میرے وجود کا گراں مایہ جزو! یہ تو رو رہی ہے؟"

سیدہ آنسو پونچھتے ہوئے کہنے لگی۔ "ہاں میں رو رہی ہوں۔"

خلیفہ نے پوچھا۔ "رونے کی کوئی خاص وجہ؟"

سیدہ نے جواب دیا۔ "میں نے بغداد سے نکل کر آپ کی قوت، آپ کے اختیارات اور آپ کی عظمت کا مشاہدہ کیا ہے۔ الپ ارسلان اس وقت تک خود کو سلطان نہیں سمجھے گا، جب تک آپ اسے سندِ حکومت نہیں دیں گے۔ سلطان طغرل کو اسی وقت سلطان تسلیم کیا گیا جب آپ نے اسے سلطان قرار دیا۔"

خلیفہ نے کہا۔ "یہ تو ہے، فرمانِ حکومت تو میں ہی جاری کرتا ہوں۔"

سیدہ نے کہا۔ "اس جلال و جبروت کے باوجود جب میں نے آپ کی کمزوری اور بے بسی کا مشاہدہ کیا تو مجھے رونا آ گیا۔"

خلیفہ نے پوچھا۔ "وہ کس طرح؟"

سیدہ نے جواب دیا۔ "وہ سلطان طغرل جو آپ کا طفیلی اور زیرِ سایہ تھا۔ مجھے جبراً اپنی بیوی بنا کر لے گیا۔ بس یہی سوچ سوچ کر مجھے رونا آتا ہے۔"

خلیفہ اپنی بیٹی سے شرمندگی محسوس کر رہا تھا۔ وہ اپنی بڑائی اور اختیارات کا مظاہرہ کرنا چاہتا تھا، پوچھا۔ "تو تیری کیا رائے ہے؟ کیا الپ ارسلان کو سلطان مان لیا جائے۔ فرمانِ حکومت اس کے نام جاری کر دیا جائے؟ خطبوں میں اس کا نام شامل کرا دیا جائے؟"

سیدہ نے جواب دیا۔ "یہی مناسب ہے۔"

خلیفہ نے پوچھا۔ "اور وہ خواجہ حسن۔ تو نے کیا کہا تھا؟ وہ مجھ سے تخلیے میں ملنا چاہتا ہے، کیوں؟ وہ مجھ سے کیا بات کرے گا؟"

سیدہ نے جواب دیا۔ "اس نے جو خدمت انجام دی ہے اس کے پیش نظر وہ اس کا مستحق ہے۔"

خلیفہ نے کہا۔ "میں نے کل صبح اس کو بلوایا ہے۔ کل تخلیے میں مجھ سے ملے گا۔"

سیدہ نے اپنے باپ کا شکریہ ادا کیا۔ خلیفہ اپنی بیٹی کی اس

سوچ سے پریشان تھا جو اسے محل سے نکل کر بیرونی دُنیا سے حاصل ہوئی تھی۔

وہ رات بڑے کرب میں گزری۔ خلیفہ، خواجہ حسن سے واقف نہیں تھا۔ لیکن سیدہ سے اس کے بارے میں جو کچھ معلوم ہوا تھا اس سے وہ ابونصر جیسا کائیاں معلوم ہوتا تھا۔

صبح تخلیے میں خلیفہ اور خواجہ حسن آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ خلیفہ کا خیال تھا کہ خواجہ حسن اس کے احترام میں کھڑے ہو کر باتیں کرے گا لیکن خواجہ حسن نہایت بے تکلفی سے بیٹھ گیا اور خلیفہ اس سے یہ نہیں کہہ سکا کہ خواجہ حسن! امیر المومنین کے ادب و احترام کو ملحوظ رکھو۔

خلیفہ نے کہا: "خواجہ حسن! تو نے اور تیرے آقا نے سیدہ کے ساتھ جو سلوک کیا ہے۔ اس کے لیے ہم تم دونوں کے شکر گزار ہیں۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا: "وہ تو ہمارا فرض تھا محترم سیدہ سے جو ناروا سلوک روا رکھا گیا اس کا اصل محرک ابونصر تھا۔ ہمارے آقا الپ ارسلان نے اس کو اسی جرم کی وجہ سے قید کر دیا ہے۔"

خلیفہ نے پوچھا: "ابونصر کو کہاں قید کیا گیا ہے؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا: "مرورود میں۔۔۔"

خلیفہ نے کہا: "بہت خوب! تم لوگوں نے ہمارے لیے جو کچھ کیا، ہم نے اس کا یہ صلہ دیا کہ الپ ارسلان کو سلطان تسلیم کر لیا۔ اور اس کا نام خطبات میں داخل کروا دیا گیا ہے۔"

خواجہ حسن نے اِدھر اُدھر دیکھ کر عرض کیا: "اور ایک گزارش اور ہے۔"

خلیفہ نے پوچھا: "ہاں تو گزارش پیش کر۔"

خواجہ حسن نے عرض کیا: "دراصل میں ابونصر کے سلسلے میں کوئی بات کرنا چاہتا ہوں۔"

خلیفہ نے جواب دیا: "تو اپنی بات کر کہیں ایسا نہ ہو کہ بات بھی نہ ہو اور وقت بھی گزر جائے۔"

خواجہ حسن نے کہا: "امیر المومنین! ناموسِ خلافت پر ہاتھ ڈالنے والا ابونصر مرورود میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہا ہے۔ آلِ سلجوق اس کی احسان مند ہے کہ اس نے عباسی خلیفہ اور بنو ہاشم کی بیٹی کو ان کے گھر کی بہو بنا دیا۔ اس کا تیز دماغ آج بھی اسی فکر میں ہے کہ خلافتِ عباسیہ کو کس طرح ذلیل و خوار کیا جائے۔"

خلیفہ نے پوچھا: "مگر وہ ایسا کیوں چاہتا ہے؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا: "پتا نہیں لیکن وہ ایسا چاہتا ضرور ہے۔"

خلیفہ نے کہا: "تو ذہین اور مدبر ہے اور تیرے پاس اختیار بھی ہے تو اسے ایسا نہ کرنے دے۔"

خواجہ حسن نے عرض کیا: "ابونصر جادوگر ہے۔ اس نے الپ ارسلان کو بھی اپنے اثر میں لے رکھا ہے اور اس بات کا امکان موجود ہے کہ میں غائب ہو جاؤں اور ابونصر وزارتِ عظمیٰ کا منصب دوبارہ سنبھال لے اگر ایسا ہوا تو بہت برا ہو گا۔"

خلیفہ نے پوچھا: "اس کا کوئی توڑ حل ہو گا تیرے پاس؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا: "ہاں ایک حل ہے میرے پاس۔ مگر زبان کھولتے ہوئے گھبراتا ہوں۔"

خلیفہ نے حوصلہ بڑھایا: "مت گھبرا یہاں ہم دونوں کے سوا تیسرا کوئی نہیں۔"

خواجہ حسن نے پوچھا: "جب انسانی جسم کا کوئی عضو گل سڑ جائے تو اس عضو کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے؟"

خلیفہ نے جواب دیا: "اس کو کاٹ کر بقیہ جسم سے الگ کر دیا جاتا ہے۔"

خواجہ حسن مسکرایا: "بس امیر المومنین، میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ اس گلے سڑے حصے کو کاٹ کر پھینک دیا جائے۔"

خلیفہ نے سوچتے ہوئے کہا: "یہ کام تو الپ ارسلان کر سکتا ہے۔"

خواجہ حسن نے منہ لٹکا لیا: "سلطان یہ حکم نہیں دے سکتا۔ وہ مسحور ہے، سحر زدہ ہے۔ اس کے دل و دماغ پر ابونصر کا قبضہ ہے۔"

خلیفہ نے پوچھا: "پھر آخر تو جو چاہتا ہے وہ کس طرح ہو؟"

خواجہ حسن نے کہا: "یہ کام آپ کر سکتے ہیں۔ امیر المومنین! آپ کا معمولی سا اشارہ یہ کام کر سکتا ہے۔"

خلیفہ کو حیرت تھی کہ خواجہ حسن اسے کس طرح گھیر رہا تھا۔ پوچھا "وہ کس طرح؟"

خواجہ حسن نے کہا: "میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ آپ چند دنوں بعد الپ ارسلان کو لکھیں کہ ناموسِ خلافت کے مجرم کو صرف جلاوطن کر دینا کافی نہیں ہے اسے سزا بھی دی جائے اور عبرت ناک سزا دی جائے۔ بس یہ مختصر سی تحریر وہ کام کرے گی جو کسی کا بڑے سے بڑا حکم بھی نہیں کر سکتا۔"

☆

مرورود، دریائے مرغاب کے کنارے آباد یہ شہر بڑے نشیب و فراز دیکھتا رہا ہے۔ یہاں فیصلہ کن جنگیں بھی لڑی جا چکی ہیں۔ ابونصر کو یہ شہر پسند تھا، یہاں اس کا کنبہ اس سے پہلے آ چکا تھا۔ اس کے دونوں غلام جو سلطان الپ ارسلان کے عطا کردہ تھے اس کے نگراں تھے۔ وہ ابونصر کو مرورود کے باہر جانے سے روک سکتے تھے۔ اس نے پورا ایک سال اس شہر کی حدود کے اندر گزار دیا۔ دریائے مرغاب جس کے دونوں کنارے ہری بھری گھاس سے سبزہ زار بنے ہوئے تھے۔ ابونصر کو بہت اچھے لگتے تھے۔ وہ اس سبزہ زار پر بیٹھا آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے اپنے پیدا کرنے والے سے یہی شکایت تھی کہ وہ شاید ابونصر کو بھول گیا

تھا۔ اس کے دونوں غلام سائیس کی خدمت انجام دے رہے تھے۔

اس نے اپنے غلاموں کو اپنے پاس بلایا اور کہا: "اگر تم اجازت دو تو میں دو چار دن کے لیے مرو ہو آؤں۔"

دونوں غلاموں نے انکار کر دیا: "آپ مرو رود کے باہر نہیں جا سکتے۔"

ابو نصر نے مزید اصرار نہیں کیا۔ کچھ دیر بعد تین گھڑ سوار ابو نصر کو تلاش کرتے ہوئے دریائی مرغزار میں پہنچ گئے۔

تینوں گھڑ سوار دونوں غلاموں سے آہستہ آہستہ باتیں کرتے رہے اور پھر دونوں غلاموں کی نشاندہی پر ابو نصر کے پاس آ گئے۔ ابو نصر کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔

ایک گھڑ سوار ابو نصر سے مخاطب ہوا: "ہمیں سلطان الپ ارسلان نے بھیجا ہے۔"

اس کے بعد اس نے سلطان کا فرمان ابو نصر کے حوالے کر دیا۔ فرمان مختصر ترین تھا۔

"ابو نصر کو قتل کر دیا جائے اور اس کے کاسہ سر میں گھاس بھر کر جلد از جلد میرے پاس بھیج دیا جائے۔"

ابو نصر نے بڑے تحمل کا ثبوت دیا۔ پوچھا: "فرمان کی تعمیل کب ہو گی؟"

قاصد جو موت کا پیغام لایا تھا، اپنے ساتھیوں سے بولا۔

"یہ خدمت تم دونوں کو انجام دینی ہے۔ کب انجام دو گے؟"

دونوں جلادوں نے جواب دیا: "کل بعد نمازِ ظہر۔"

ابو نصر نے حسرت بھری نظروں سے دریائے مرغاب اور اس کے ساحلی سبزہ زار کو دیکھا اور ان سب کے ساتھ اپنے محل چلا آیا۔ قاتلوں کو مہمانوں کی طرح محل میں ٹھہرایا گیا۔ ابو نصر اپنے لواحقین اور متعلقین سے ہنس ہنس کے باتیں کرتا رہا۔ ان میں سے کسی ایک کو بھی یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ابو نصر ایک دن بعد ان سب سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو جائے گا۔

وہ رات بھر سونے کی کوشش کرتا رہا لیکن صبح تک نیند تو نہیں آئی، البتہ تیز بخار ضرور آ گیا۔ ظہر سے ذرا پہلے دونوں جلاد اس کے پاس آئے تو وہ بخار میں بھن رہا تھا۔ ایک جلاد نے بخار کی حدت کے پیشِ نظر اپنے طور پر یہ فیصلہ کیا کہ اس سزا کو کچھ دن کے لیے ملتوی کر دیا جائے۔

لیکن ابو نصر اس پر راضی نہ ہوا۔ اس نے غسل کیا اور نئے کپڑے پہن کر مسجد چلا گیا۔ وہاں ظہر کی نماز ادا کی اور مسجد سے باہر نکل کر جلادوں سے کہا: "اب تم فرمان کی تعمیل کر سکتے ہو۔"

دونوں جلادوں کو اس پر رحم آ رہا تھا۔ ایک نے پوچھا: "آپ کا کسی کے نام کوئی پیغام؟"

ابو نصر نے جواب دیا: "بہت خوب! واپس جا کے سلطان الپ ارسلان سے کہہ دینا کہ آپ کے چچا طغرل نے مجھے وزیر بنا کے دنیاوی عزت سے سرفراز کیا تھا۔ اور اب آپ مجھے شہید کر کے آخرت میں بلند مقام عطا فرما رہے ہیں۔ آپ دونوں کا بے حد شکر گزار ہوں۔"

اس کے بعد دوسرے جلاد سے کہا: "اور ہاں میرے قاتل میں یہ پیغام کرتا ہوں کہ وزیر خواجہ حسن سے کہہ دینا کہ ان ترکوں کو تو نے وزیر کشی کی لذت سے آشنا کر دیا ہے۔ تو نے یہ بہت برا کیا۔ تو نے یہ کنواں میرے لیے کھودا تھا۔ اللہ نے چاہا تو تو بھی اس میں دفن ہو جائے گا۔"

مسجد کے باہر جلادوں نے ایک بڑے طشت میں اوندھے منہ ابو نصر کو لٹا دیا۔ اور ایک ہی وار میں اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ ذرا سی دیر میں طشت خون سے بھر گیا۔

دونوں جلاد کاسہ سر کی صفائی کرنے میں ماہر تھے۔ انھوں نے سر میں سے بھیجا نکال کر پوٹلی میں باندھ دیا۔ اور کاسہ سر کو مرغاب کی گھاس سے بھر دیا۔

ابو نصر کا خون مرو رود میں دفن کر دیا گیا۔ دماغ کو نیشاپور روانہ کر دیا گیا۔

جسم کو ابو نصر کے وطن کندر بھیج دیا گیا۔ اور اہلِ وطن نے اس سر بریدہ ڈھانچے کو کندر میں دفن کر دیا۔

کاسہ سر کرمان، الپ ارسلان کے پاس روانہ کر دیا گیا۔ کرمان کے قلعے میں الپ ارسلان نے مرغاب کی گھاس سے لبریز کاسہ سر کو دیکھا اور کچھ دیر دیکھتا رہا۔ آہستہ سے کہا: "اللہ تجھ پر آخرت میں رحم فرمائے۔"

جلاد نے ابو نصر کا آخری پیغام الپ ارسلان کے گوش گزار کر دیا۔ سلطان نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ اور کاسہ سر کو کرمان میں دفن کرا دیا۔

ابو نصر کا عضوِ مخصوص سلطان طغرل اپنی زندگی ہی میں جسم سے قطع کرا کے خوارزم میں دفن کرا چکا تھا۔

o-o-o

کہانی کے تاریخی پس منظر کے مآخذ

تاریخ ابن خلدون	تاریخ طبری	نظام الملک طوسی	سلاجقہ	سلجوق نامہ	تاریخ ملک عراق
ابن خلدون					